دسویں صدی کے عظیم سنی حنفی محدث کے علم و آگہی سے بھرپور رسائل کا مجموعہ

بنام

رسائل مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد اوّل

تصانیف

امام علامہ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ
متوفی ۱۰۱۴ھ



ترتیب وتدوین وتخریج
ابو ذہیب محمد ظفر علی سیالوی غفرلہ

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

﴿جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں﴾

نام کتاب	....	رسائل حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (جلد اوّل)
تصنیفات	....	امام علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری
ترتیب وتدوین	....	ابوذہیب محمد ظفر علی سیالوی
صفحات	....	584
کمپوزنگ	....	عقیل احمد
اشاعت	....	دسمبر 2019ء
ناشر	....	محمد اکبر قادری
قیمت	....	-/600 روپے

✲✲✲✲✲✲✲✲

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

الاهداء

سفیر عشق رسول، قاسم محبت مصطفیٰ، عاشق رسول، فنافی الرسول
خوشبوئے رسول، فیض یافتہ حضور سیّدی محدث اعظم پاکستان
یادگار اسلاف، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، حضور فقیہ العصر
پیر طریقت، رہبر شریعت

حضرت علامہ مفتی محمد امین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ
متوفی ہجری ۱۴۳۹ کے حضور پیش......

محمد ظفر علی سیالوی

اجمالی فہرست

ترتیب

اَلزُّبْدَةُ فِیْ شَرْحِ الْبُرْدَةِ

ترجمہ بنام

شرح قصیدہ بردہ شریف

اَلْمَعْدِنُ الْعَدَنِیْ فِیْ فَضَائِلِ اُوَیْسِ الْقَرَنِیْ

ترجمہ: بنام

تاجدارِ یمن

اَلْمَوْرِدُ الرَّوِیُّ فِی الْمَوْلِدِ النَّبَوِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

کا تحقیقی ترجمہ بنام

میلادِ مصطفیٰ ﷺ

فُصُوْلُ الْمُهِمَّةِ فِیْ حُصُوْلِ الْمُتِمَّةِ

ترجمہ: بنام

نمازیں ضائع مت کیجئے

جَمَعَ الْاَرْبَعِيْنَ فِيْ فَضْلِ الْقُرْآنِ الْمُبِيْنِ

عرضِ مؤلف

حضرت امام علی قاری الہروی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۰۱۴ ہجری کے رسائل آٹھ جلدوں پر مشتمل بندہ کے پاس موجود تھے۔ سوچا کیوں نہ عربی کو اردو میں منتقل کیا جائے کہ عوام الناس بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نگاہِ رحمت سے کام کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے "الزبدۃ" جو کہ ملا علی قاری کی قصیدہ بردہ شریف کی مشہور زمانہ شرح ہے، کا ترجمہ شروع کیا، اسی دوان اس کے ایک ترجمہ کی اطلاع ملی۔ اس کو دیکھا تو وہ انتہائی ناقص تھا۔ ایک شعر کی مکمل شرح ہی شامل نہیں تھی، کئی مقامات پر احادیث مبارکہ اصل کتاب میں موجود تھیں مگر ترجمہ میں غائب، فقیر نے وقت کی بچت کرتے ہوئے اس ترجمہ کو سامنے رکھا، جہاں جہاں محسوس کیا تبدیلی واصلاح ودرستی کی، جو عبارات رہ گئی تھیں ان کو شامل کیا، مشکل الفاظ کو آسان کیا، ہر ہر حدیث اور حکایت کی تخریج کی، کتاب کا نام اور حدیث نمبر درج کیا، شائد کوئی غلطی سے حدیث شریف تخریج سے رہ گئی ہو ورنہ میں نے مکمل کتاب کی تخریج کی الحمدللہ۔

پھر آپ کا دوسرا رسالہ "**المعدن العدنی فی فضائل اویس القرنی**" کا ترجمہ اور تخریج کی، اس کا طریقہ یہ رہا کہ جو حوالہ جات مصنف نے ذکر کئے ان کی مکمل تخریج کی اور جہاں انہوں نے حوالہ نہ دیا وہاں مفصل تخریج کی اور اس ترجمہ کا نام بندہ نے "تاجدارِ یمن" تجویز کیا۔ یہ مکمل ہوئے، تو بعد میں معلوم ہوا کہ کئی رسائل ملا علی قاری کے ترجمہ وتخریج کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں ان کو تلاش کیا' مختلف

لائبریریوں سے۔ جب دیکھا تو ان کی تخریج کی، بندہ کے ذوق کے مطابق تھی تو ان تمام رسائل کو مترجمین کے شکریہ کے ساتھ شامل کیا۔ ان میں زیادہ رسائل جمعیت اشاعت اہلسنت کے شائع کردہ ملے جو کہ تخریج شدہ تھے۔ مزید ان شاء اللہ آپ کے رسائل پر کام جاری ہے۔ احباب سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ اس جلد میں درج ذیل رسائل شامل ہیں۔

جلد اول:

۱-الزبدۃ فی شرح البردہ

ترجمہ وتخریج، سیالوی

۲- المعدن العدنی فی فضائل اویس القرنی

ترجمہ وتخریج، سیالوی

۳- المورد الروی فی المولد النبوی

ترجمہ وتخریج: مفتی ابومحمد اعجاز احمد صاحب

۴-نصول الھمۃ فی حصول المتمۃ

ترجمہ: علامہ ابوالحارث عبدالرحمٰن المدنی صاحب

۵-جمع الاربعین فی فضل القرآن المبین

ترجمہ: علامہ محمد مختار اشرفی صاحب

تخریج: حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی صاحب

یعنی جلد اوّل میں پانچ رسائل شامل ہیں۔ تمام مترجمین کے شکریہ کے ساتھ ہم انہیں شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہم سب کو مزید دین متین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

بندہ اپنے تمام معاونین کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہے اور

بالخصوص پیکر اخلاص ومحبت، مصنف کتب کثیرہ حضرت مولانا محمد افضال حسین نقشبندی مجددی صاحب کا شکرگزار ہوں کہ جنہوں نے اپنے قیمتی وقت سے چند لمحات نکال کر بندہ کی گزارش پر حضرت ملا علی قاری کے حالات قلمبند فرمائے۔

آخر میں اپنے ناشر محترم اکبر علی قادری صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو بندہ کی کتابوں کو زیور طباعت سے آراستہ کرتے ہیں اور تمام معاونین، قارئین کا بھی شکریہ جو کہ پڑھ کر حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو دارین کی سعادتیں عطا فرمائے، حرمین کی زیارتیں عطا فرمائے، خاتمہ بالخیر فرمائے، ایمان کو سلامت رکھے، احباب سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

ابوذہیب محمد ظفر علی سیالوی غفرلہٗ

چنیوٹ

تذکرۂ عظیم محدث

امام ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام ونسب:

امام، علامہ، محدث، مفسر، فقیہ، نورالدین ابوالحسن علی بن سلطان محمد قاری ہروی مکی حنفی المعروف بہ ملا علی قاری۔

آپ کا لقب: نورالدین اور کنیت: ابوالحسن ہے۔ اور آپ کا نام: علی اور آپ کے والد ماجد کا نام: سلطان محمد ہے۔ یہ نام دو لفظوں سے مرکب ہے۔ اہل عرب اس طرح کا نام نہیں رکھتے ہیں، البتہ عجمیوں کی عادت ہے کہ وہ اپنے بچوں کے نام مرکب رکھتے ہیں مثلاً: محمد صادق، محمد اسعد وغیرہ۔

آپ کو فن قرأت میں کمال و رسوخ حاصل ہونے اور علم قرأت میں ماہر، پختہ اور منجھے ہوئے ہونے کی وجہ سے آپ کو "قاری" کہا جاتا ہے۔ اور یہ چیز آپ کی مؤلفات اور شروحات سے ظاہر و باہر ہے۔

آپ کے نام کے ساتھ "ہروی" جائے ولادت ہرات (جو خراسان کے معروف شہروں میں سے ایک ہے) کی طرف نسبت کی وجہ لکھا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں کعبہ معظّمہ کے قرب میں عرصۂ چالیس سال سے زیادہ اقامت کی وجہ سے آپ کو "مکی" کہا جاتا ہے۔

فقہ حنفی کے عظیم فقیہ اور شارح ہونے کی وجہ سے آپ "حنفی" ہیں۔

مگر ارباب علم و دانش اور اصحاب فضل و کمال کے درمیان "ملا علی قاری" کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ لفظ "مُلّا" کو بعض مصنفین نے "مُنلا" لکھا ہے اور بعض نے "مَــوْلَــی" لکھا اس بنیاد پر کہ یہ اصل میں عربی لفظ تھا بعد میں فارسی ہو گیا۔ ترکی، افغانستان، پاکستان، ہندوستان اور ایران کے لوگ لفظ "مُلّا" استعمال کرتے ہیں۔ ملا علی قاری کے زمانے میں "مُلّا" بہت بڑے علامہ اور علم و فضل میں ممتاز شخصیت کو کہتے تھے۔

ولادت باسعادت:

آپ کے سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی ولادت خراسان (موجودہ جمہوریہ افغانستان) کے بڑے شہر "ہرات" میں ہوئی۔ لیکن اہل تراجم آپ کی تاریخ ولادت کا کوئی تعین نہیں کر پائے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً بچوں کی پیدائش پر ان کی تاریخ و سن ولادت کو قلم بند کرنا اہم تصور نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ اس کی ضرورت و اہمیت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے آپ کی تاریخ و سن ولادت کے ساتھ بھی کچھ یہی ہوا ہو۔ بہر حال آپ کے سیرت نگاروں نے آپ کی تاریخ و سن ولادت ذکر نہیں کی بلکہ فقط جائے ولادت کے تذکرہ پر اکتفا کیا ہے تاہم ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کی پیدائش ۹۳۰ھ کے قریب ہوئی۔

تعلیم و تربیت:

آپ ہرات میں ہی پروان چڑھے وہیں پرورش پائی۔ یہ تیموریوں کا دور تھا، ہرات پر بھی انہیں کی حکومت تھی۔ جو سن ۸۱۷ھ سے لے کر سن ۹۱۲ھ تک رہی۔ تیموریوں کا دورِ حکومت فن ثقافت، فنونِ لطیفہ اور تعمیرات کا سنہرا دور تھا۔ آپ کی ولادت اور پرورش کے ایام میں ہرات ایک علمی، فنی حیثیت سے خوب مشہور تھا۔ جس کی طرف دیگر علاقوں کے لوگ بھی حصول علم کی غرض سے رخت سفر باندھا کرتے تھے۔ علوم و معارف اور ثقافت اسلامیہ کے گہوارہ "ہرات" میں ہی آپ نے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز فرمایا۔

قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور صفائے قلب کے ساتھ اسے اپنے سینے میں اتارا۔اور تجوید وقرأت میں اپنے شیخ معین الدین بن حافظ زین الدین ہروی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مہارت تامہ حاصل کی۔ ہرات کے نامور ذی احتشام علماء کرام سے مروجہ علوم وفنون حاصل کیے۔اسی دور میں آپ نے ''الشاطبیہ'' کوزبانی یاد کیا۔ ''قرأت سبعہ'' مع طرق سیکھیں اوران میں خوب مہارت حاصل کی۔

دورِ آزمائش:

تیموریوں کے زوال کے بعد ایران تقریباً دس چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ان میں سب سے طاقتور حکومت ''آق قویونلو'' ترکمانوں کی تھی اور ''تبریز'' سے ''دیار بکر'' تک کا علاقہ ان کے قبضے میں تھا۔اسماعیل بن حیدر صفوی المعروف ''شاہ اسماعیل'' جو کہ کٹر رافضی اور خاندان صفویہ کے پہلے بادشاہوں میں سے تھا جب یہ تخت شاہی پر براجمان ہوا تو اس کی عمر اپنے ہمعصر بابر کی طرح صرف تیرہ سال تھی۔لیکن کم عمری کے باوجود ذہین اور شجاعت کا مالک تھا۔''باکو'' اور ''شیروان'' کو فتح کرنے کے بعد شاہ اسماعیل نے ''تبریز'' پر قبضہ کر کے ''آق قویونلو'' حکومت کا خاتمہ کر دیا۔پھر مزید فتوحات کر کے اس نے جنوب میں ''شیراز'' اور ''یزد'' تک،مشرق میں ''استرایار'' تک اور مغرب میں ''بغداد'' اور ''موصل'' تک اپنی سلطنت کی حدوں کو بڑھا لیا تھا۔

''ہرات'' میں تیموری حکمران ''حسین بایقرا'' کے انتقال کے بعد ''شیبانی خان''، ''ہرات'' اور ''خراسان'' پر قابض ہو گیا تھا۔۱۵۱۰ء میں ''مرو'' کے قریب طاہر آباد میں ''شیبانی خان'' اور ''شاہ اسماعیل'' میں سخت جنگ ہوئی جس میں ازبکوں کو شکست ہوئی اور ''شیبانی خان'' مارا گیا۔ازبکوں کی شکست کے بعد خراسان بھی ''شاہ اسماعیل'' کے قبضے میں آ گیا۔اب وہ ایران،عراق اور شیروان کا بلاشرکت غیرے مالک ہو گیا تھا۔اور اب اس کی طاقت اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گئی تھی۔شاہ اسماعیل کو اس کی فتوحات نے غرور میں مبتلا کر دیا تھا۔

شاہ اسماعیل صفوی سے ایران کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ جسے ایران کا شیعی دور کہا جا سکتا ہے۔ اس سے قبل ایران کے بعض حصوں پر شیعہ خاندان کبھی کبھی حکمران رہے ہیں۔ لیکن ایران میں اکثریت سنی حکمرانوں کی رہی تھی اور سرکاری مذہب بھی اہل سنت کا تھا لیکن شاہ اسماعیل نے تبریز پر قبضہ کرنے کے بعد شیعیت کو ایران کو اور اپنے دیگر مفتوح علاقوں کا سرکاری مذہب قرار دیا۔ شاہ اسماعیل نے نہ صرف شیعیت کو مفتوح علاقوں اور ایران کا سرکاری مذہب قرار دیا بلکہ اس نے شیعیت پھیلانے میں تشدد اور بدترین تعصب کا بھی ثبوت دیا۔ لوگوں کو شیعیت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ بغداد میں اس نے عباسی خلفاء کے مقبرے تک ڈھا دیئے۔ بلکہ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور سیّدنا حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے گنبد اور مزار سمیت بہت سے بزرگوں کے مزارات گرا دیئے۔ اور اہل سنت کی مساجد بھی شہید کروا دیں۔ اس وقت تک ایران اور اس کے دیگر مفتوح علاقوں میں اہل سنت کی اکثریت تھی۔ مگر شاہ اسماعیل نے اہل سنت کو شدید جبر و تشدد کا نشانہ بناتے ہوئے دو آپشن دیئے، یا تو شیعہ ہو جاؤ یا پھر فوت ہو جاؤ۔ جگہ جگہ سنی شیعہ فسادات کرائے ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس لاکھ سنی مسلمانوں کو شہید کرایا اور باقیوں کو شیعہ بننے پر مجبور کر دیا۔ بڑے بڑے علماء اور مشائخ کو سولی چڑھا دیا گیا، خلفاء ثلاثہ (یعنی حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق، حضرت سیّدنا عمر فاروق اور حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہم) پر تبرا (یعنی گالی گلوچ) کو جمعہ کے خطبے میں لازم کر دیا گیا۔ تو ان حالات سے عاجز آ کر بہت سے علمائے کرام ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔ انہیں مہاجرین میں حضرت امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تھے۔

ہجرت:

ان حالات سے عاجز آ کر آپ نے بھی دیگر علماء کے ساتھ ہجرت فرمائی، مؤرخین نے ہجرت کا سال ذکر نہیں کیا۔ مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ ۹۵۲ھ کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اس ہجرت کا ذکر آپ نے خود یوں فرمایا ہے:

الحمد للہ علٰی ما اعطانی من التوفیق والقدرۃ علی الھجرۃ من دار البدعۃ الی خیر دیار السنۃ، التی ھی مھبط الوحی وظھور النبوۃ واثبتنی علی الاقامۃ من غیر حول منی ولاقوۃ

''اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اس نے مجھے دارِ بدعت سے دیارِ سنت (یعنی مکہ مکرمہ) کی طرف ہجرت کی توفیق اور قدرت عطا فرمائی جو وحی کے نزول اور نبوت کے ظہور کا مقام ہیں اور میری قوت اور طاقت کے بغیر مجھے ان میں مقیم رہنے پر ثابت قدم رکھا۔'' (ملا علی قاری: شم العوارض فی ذم الروافض، خراسان لیسنت بدار حرب، ص: ۵۰ مطبوعہ دار الکتب صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور)

آپ نے ''ہرات'' کو دارِ بدعت اس لئے فرمایا کہ ''شاہ اسماعیل صفوی'' ہرات پر قابض ہوا، اس نے مسلمانوں کو ظلماً قتل کیا اور ہرات میں روافض کے شعائر کی اشاعت کا حکم دیا حتیٰ کہ علماء کرام کو جمعہ کے خطبوں میں، برسر منبر خلفاء ثلاثہ پر تبرا کرنے کا حکم کیا۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

اعلیٰ تعلیم کا حصول:

مکہ مکرمہ میں آپ کو علماء مکہ سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا، ان کے علمی فیضان سے آپ خوب مالا مال ہوئے یہ ہجرت آپ کی زندگی میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ اس لئے کہ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران آپ کو ایک لمبی مدت تک علماء و مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا، اس مدت میں پورے ذوق وشوق اور جدوجہد کے ساتھ حصول علم میں مصروف رہے۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں موجود علماء وفقہاء، ائمہ ومحدثین اور مفسرین ومتکلمین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے، اوران کی مجالس میں شرکت کرکے ان کے خالص جام اور بہتے چشموں سے خوب سیراب ہوئے۔ علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم رجال اور دیگر علوم میں کامل دسترس حاصل کی۔ یہاں تک کہ آپ مقتداء وپیشوا بن گئے۔

مرقاۃ کے شروع میں موجود آپ کے حالات میں درج ہے کہ:

فلما دخل البلد الأمين طاب له المقام ولذله العيش فيه . وجلس في حلقات المشائخ والعلماء يرتشف من رحيقهم وينهل من معينهم ويرتع في رياض علمهم وما أكثر العلماء في تلك العصورا .

"پس جب آپ امن والے شہر (مکہ مکرمہ) میں داخل ہوئے وہاں آپ کی عزت میں اضافہ ہوا، آپ کا مقام خوب بلند ہوا، وہاں آپ کے لئے زندگی کی آسائشیں برسنے لگیں اور آپ بڑے بڑے علماء اور مشائخ کے حلقوں میں بیٹھنے لگے، اکثر وقت ان علماء و مشائخ کی سنگت اور معیت میں گزارتے ان کے علمی مذاکروں سے خوب استفادہ کرتے، آپ کے زمانے میں آپ سے زیادہ علماء کی اس قدر کثیر تعداد سے کوئی اور فیض یاب نہیں ہو پایا۔" (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ترجمۃ الامام ملا علی القاری نخاۃ العلمیۃ، ص ۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

اساتذہ کرام:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کثیر علمائے کبار سے علوم شرعیہ و اسلامیہ کی تحصیل کی۔ خاص طور پر جب آپ نے مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کی تو اس دوران عالم اسلام کی سرکردہ شخصیات سے علم و حکمت کے جام نوش کیے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے تذکرہ نگاروں نے آپ کے ان اساتذہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے جن سے "ہرات" میں آپ نے تعلیم حاصل کی۔ ہاں! خود آپ نے اپنے رسالہ "شم العوارض فی ذم الروافض" میں اپنے ایک استاذ "شیخ معین الدین بن حافظ زین الدین" کا تذکرہ کیا ہے۔ جن سے آپ نے علم تجوید وقرأت حاصل کیا

(۱) شیخ معین الدین بن حافظ زین الدین ہروی رحمہ اللہ تعالیٰ (ملا علی قاری، شم العوارض فی ذم الروافض، مذم المتعصب فی دین اللہ، ص ۳۳ مطبوعہ دار الکتب صدف پلازہ، محلہ جنگی پشاور)

اور مکہ مکرمہ میں جن اساتذہ وشیوخ سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہوا، ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۲) امام، محقق، فقیہ، مفتی، شیخ، شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی شافعی مکی المعروف بہ ابن حجر الہیتمی المکی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۷۳ھ)

(۳) علامہ، محدث، فقیہ، شیخ علاء الدین بن حسام الدین عبدالملک بن قاضی خان قرشی جونپوری ہندی المعروف بہ علی المتقی الہندی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۷۵ھ)

(۴) شیخ، عالم، محدث محمد سعید ابن مولانا خواجہ حنفی خراسانی المعروف بہ میرلاں رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۸۱ھ)

(۵) علامہ، مفسر، فقیہ، شیخ زین الدین عطیہ بن علی بن حسن سلمی مکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۸۲ھ)

(۶) علامہ، محدث، مسند، فقیہ، قاضی، شیخ ملا عبداللہ بن سعد الدین عمری سندی ثم مکی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۸۴ھ)

(۷) علامہ، مفسر، مؤرخ، مدرس، مفتی شیخ ابوعیسیٰ قطب الدین محمد بن علاء الدین احمد بن محمد نہروانی ہندی ثم مکی حنفی المعروف بہ القطبی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۹۰ھ)

(۸) علامہ، فقیہ، شیخ شہاب الدین احمد بن بدر الدین العباسی، شافعی مصری ثم ہندی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۹۲ھ)

(۹) علامہ، شیخ، محدث، فقیہ، مفسر ابی الحسن محمد بن جلال الدین محمد بن عبدالرحمٰن بن احمد بکری صدیقی شافعی مصری رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۵۲ھ)

(۱۰) علامہ، فقیہ، واعظ، شیخ سنان الدین یوسف بن عبداللہ الأماسی رومی حنفی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۰۰ھ)

(۱۱) علامہ، محدث، مسند، شیخ سیّد زکریا الحسنی رحمہ اللہ تعالیٰ (جو شیخ اسماعیل بن

عبداللہ الزوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ میں سے ہیں۔) (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ترجمۃ الامام ملاعلی القاری، شیوخہ، ص:۱۷،۱۸ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

(۱) شیخ معین الدین ہروی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۰۵ھ):

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مکمل نام: معین الدین بن حافظ زین الدین ہروی ہے۔ آپ نے فقہ، عربی لغت، صرف اور اصول وغیرہ کی تعلیم اپنے والد گرامی سے جبکہ علم معانی و بیان کی تحصیل اپنے چچا قطب الدین عیسیٰ سے کی۔ پھر کرمان چلے گئے اور وہاں جا کر شیخ مولیٰ جو سیّد جرجانی کے تلامذہ میں سے تھے ان سے حاشیہ شرح المطالع پڑھی۔ آپ نے دیگر علوم کی تحصیل سیّد شریف جرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دیگر تلامذہ سے کی۔ نیز انہوں نے شرح المواقف مولیٰ محمد الجامری سے پڑھی۔

آپ کی قابلیت کو دیکھتے ہوئے خواجہ علی نے اپنی موجودگی میں تدریس کے لئے آپ کو مقدم کیا اور اسی طرح ان کو اپنی غیر موجودگی میں اور اپنے شہر میں فتویٰ دینے کی اجازت بھی دے دی۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تدریس وافتاء کے فرائض کو بخوبی نبھایا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا خوب منوایا۔ آپ نے درس وتدریس اور افادہ عام کے لئے خود کو وقف کر دیا تھا، ایک جم غفیر نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔

امام ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے قرآن مجید حفظ کیا اور علم تجوید وقرأت حاصل کیا۔ خود فرماتے ہیں کہ:

استاذی المرحوم فی علم القراءۃ مولانا معین الدین بن الحافظ زین الدین من أھل زیارتکاہ

''علم قرأت میں میرے مرحوم استاد مولانا معین الدین بن حافظ زین الدین زیارتکاہ کے رہنے والے۔'' (ملاعلی قاری: شم العوارض فی ذم الروافض، ذم التعصب فی دین اللہ، ص:۴۱،۴۲ مطبوعہ دار الکتب صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور)

(۲) امام ابن حجر مکی ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۷۳ھ):

آپ کی کنیت: ابو العباس، لقب: شہاب الدین اور شیخ الاسلام، نام: احمد بن محمد بن علی بن حجر المکی الہیتمی ہے۔ مصر غربی کے محلہ "اُبی الہیتم" سے نسبت کی وجہ سے "الہیتمی" کہلاتے ہیں۔ آپ ماہ رجب المرجب ۹۰۹ھ میں "محلہ اُبی الہیتم" قاہرہ (مصر) میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں قرآن پاک حفظ کرلیا، آپ کی کم عمری میں ہی والد گرامی کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، تو دادا نے آپ کی پرورش کی، مگر تھوڑے عرصہ کے بعد وہ بھی ۱۲۰ سال عمر پا کر انتقال کر گئے۔ تو شیخ شمس الدین محمد السروی معروف ابن ابی الحمائل رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۳۲ھ) اور شیخ امام احمد الشناوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) شاگردِ رشید شیخ الاسلام الشرف المناوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی سرپرستی فرمائی، اور ابتدائی کتب پڑھائیں۔

۹۲۴ھ میں علوم وعرفان کی عظیم درسگاہ "جامعہ ازہر" میں داخلہ لیا۔ جہاں آپ نے شیخ الاسلام قاضی ابو یحییٰ زکریا انصاری مصری شافعی (المتوفی ۹[illegible]ھ)، شیخ احمد بن عبدالحق السنباطی الشافعی المصری (المتوفی ۹۵۰ھ)، شیخ شمس الدین الدلجی الشافعی العثمانی (المتوفی ۹۴۷ھ)، شیخ ابو الحسن البکری الشافعی (المتوفی ۹۵۲ھ)، شیخ الاسلام شہاب الدین الرملی الشافعی (المتوفی ۹۵۷ھ) اور شیخ شہاب الصائغ الحنفی (المتوفی ۹۳۴ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین جیسے اعاظم واکابر اور مشاہیر علمائے کرام سے علوم منقولہ و معقولہ کی تکمیل کی اور ان علوم میں مہارت تامہ حاصل کی۔ آپ کی ذہانت واتقاء کے پیش نظر بہت سے علماء حدیث اور اپنے شیوخ واساتذہ سے درس وتدریس، تالیف وتصنیف اور فتاویٰ کی اجازت حاصل کی۔ کہا جاتا ہے کہ ۹۲۹ھ میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیوخ نے انہیں اجازت افتاء وتدریس عطا فرمائی اور اس وقت آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی عمر مبارک صرف اور صرف ۲۰ سال کی تھی۔

آپ نے ۹۳۴ھ، ۹۳۸ھ میں فریضہ حج مصر سے جا کر ادا فرمایا۔ اور تیسری مرتبہ

۹۴۰ھ میں حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور پھر وہیں سے مستقل سکونت اختیار فرمالی۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مصر سے ہجرت کی چند وجوہات تذکرہ نگاروں نے بیان کی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

''مصر کے قیام کے دوران آپ نے ''کتاب العباب فی الفقہ الشافعی'' کی انتہائی عمدہ و ضخیم شرح بنام ''بشری الکریم'' لکھی تھی، بعض شر پسندوں اور حاسدین نے اس کا مسودہ چوری کرلیا جس کی وجہ سے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ بہت غمگین رہتے تھے بالآخر مکہ مکرمہ ہجرت فرما گئے۔''

کچھ نے لکھا ہے کہ:

''جامع ازہر میں قیام کے دوران متواتر مصائب و فاقہ کشی کے سبب آپ نے مکہ مکرمہ کی جانب ہجرت اختیار کی۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے قریب تر بازار مکہ کے نزدیک ''حریۃ'' نامی جگہ پر عطا فرمائی۔ آپ ۳۴ سال تک مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے اس عرصے میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ میں مذہب شافعی کے ''امام'' اور ''مفتی اعظم'' رہے۔ علمائے کرام دور دراز سے استفتاء و سوالات آپ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔ آپ کا جواب ان کے لئے حرف آخر کا درجہ رکھتا تھا۔ کیونکہ آپ کی ذات والا ستودہ صفات مرجع علم و فن بلکہ مرجع علماء و فقہاء تھی۔ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، کلام، عقائد اور تصوف میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

محی الدین عبدالقادر بن شیخ بن عبداللہ العیدروس رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۳۸ھ) آپ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

الشیخ الامام شیخ الاسلام خاتمۃ اهل الفتیا والتدریس ناشر علوم الامام محمد بن ادریس...... وکان بحرًا فی علم الفقه وتحقیقه لاتکدره الدلاء وامام الحرمین کما اجمع علٰی

ذلك العارفون وانعقدت عليه خناصر الملاء امام اقتدت به الأئمة وهمام صار فى اقليم الحجاز أمة .

”آپ شیخ، امام، شیخ الاسلام، اہل فتویٰ اور اہل تدریس کے خاتم، اور امام محمد بن ادریس (شافعی) رحمہ اللہ تعالیٰ کے علوم کو پھیلانے والے تھے...... اور آپ فقہ، اور اس کی تحقیق کے علم میں ایسے سمندر تھے جسے ڈولوں کے ذریعے ناپا نہیں جاسکتا اور امام الحرمین تھے۔ جیسا کہ عارفین کا اجماع ہے، ناقدین نے (بھی) ان پر اعتماد کیا، آپ ایسے امام ہیں جن کی امام بھی پیروی کرتے ہیں۔ آپ اس اُمت کے اقلیم حجاز میں سے ایک منجھی اور بلند ہستی ہیں۔“ (العیدروس: النور السافر عن اخبار القرن العاشر، سنہ اربع وسبعین بعد التسع مائہ، جلد:۱، ص:۲۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

آپ سے کثیر خلق خدا نے اکتساب علم کیا، آپ کے نامور شاگردوں میں سے ایک امام ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) بھی ہیں۔ آپ نے امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مکہ مکرمہ میں کثرت سے استفادہ کیا اسی لئے آپ اپنی کتب میں جا بجا ان کے حوالے سے عبارات واقوال نقل کرتے ہیں۔

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار قیمتی اور علمی تصانیف تحریر فرمائیں۔ جن کے اسماء کتب رجال سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ علم وعرفان کا یہ نیر تاباں اپنی تمام تر رعنائیاں بکھیر کر ۲۳ رجب المرجب ۹۷۴ھ بروز پیر بوقت چاشت اس دنیا فانی سے کوچ فرما گیا۔ آپ کے جنازہ مبارکہ میں خلق خدا کا ہجوم اُمڈ آیا۔ اس روز مکہ مکرمہ کی ہر آنکھ اشکبار تھی۔ حضرت سیّدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر کے جس جگہ لٹکایا گیا تھا اسی جگہ کے قریب آپ کو مکہ مکرمہ جنت المعلیٰ (میں طبریین کے احاطہ) میں دفن کیا گیا۔

”آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے“

(۴) شیخ علی بن حسام الدین متقی ہندی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۷۵ھ):

آپ کا لقب: علاء الدین، نام: علی بن حسام الدین بن عبد الملک ابن قاضی خاں متقی قادری، شاذلی، مدنی، چشتی ہے۔ آپ کے آباء واجداد کا وطن شیراز ہند ''جون پور'' تھا۔ مگر ان کا خاندان ان کی ولادت سے قبل ہی ''برہان پور'' منتقل ہو گیا تھا۔ یہیں ۸۸۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی بعض مؤرخین نے سن پیدائش ۸۸۵ھ لکھا ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی عمر مبارکہ ابھی سات آٹھ سال کی تھی کہ آپ کے والد گرامی نے آپ کو شیخ بہاء الدین گجراتی المعروف شیخ باجن شاہ چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دست اقدس پر بیعت کروادیا۔ وہ اس زمانہ میں ''برہان پور'' میں ہی مقیم تھے۔ پھر کچھ عرصے بعد شیخ باجن شاہ چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے شیخ عبد الحکیم سے ''سلسلہ چشتیہ'' کا خرقہ خلافت حاصل کیا۔ پھر اس کے بعد ملتان جا کر شیخ حسام الدین متقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

شیخ متقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ابتدائی تعلیم کا حاصل معلوم نہیں ہو سکا اور اس کا بھی پتہ نہیں چل سکا کہ ''برہان پور'' کے کن لوگوں کے سامنے انہوں نے زانوئے تلمذ طے کئے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ نے شیخ حسام الدین متقی ملتانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس دو سال قیام کیا سلوک وارشاد کی منازل طے کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے تفسیر بیضاوی اور کتاب عین العلم پڑھیں۔ اور غالباً ان سے ''سلسلہ قادریہ'' میں خرقہ حاصل کیا۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ پھر حرمین شریفین کی پرنور اور معطر فضاؤں میں چلے گئے۔ اور مکہ مکرمہ میں مستقل بود وباش اختیار کر لی۔ اس کے بعد وہ کئی بار ہندوستان میں گجرات کے علاقہ میں تشریف لائے اور خلق کثیر کو فیضیاب فرمایا۔ مکہ مکرمہ قیام کے دوران آپ نے جلیل القدر فقہاء ومحدثین کے سامنے شرف تلمذ حاصل کیا اور فقہ وحدیث اور دیگر علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کی۔ مکہ مکرمہ میں شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ

(التوفی ۹۲۶ھ) کے شاگردِ رشید شیخ الازہر شیخ نورالدین ابوالحسن بکری شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ (جو اپنے زمانہ کے مسلمہ ولی اللہ و عارف باللہ تھے) ان سے حدیث کا درس لیتے رہے۔ شیخ ابوالحسن بکری نے آپ میں قابلیت و صلاحیت دیکھ کر آپ کو "سلسلہ عالیہ قادریہ شاذلیہ" میں خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ نیز اسی زمانے میں شیخ محمد بن محمد سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی "سلسلہ عالیہ قادریہ شاذلیہ" میں خلافت واجازت حاصل کی اور "سلسلہ عالیہ مدینیہ" کا خرقہ شیخ ابومدین شعیب المغربی رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا۔ شیخ امام ابن حجر مکی ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مکہ مکرمہ میں ابتدائی ایام میں استفادہ کیا۔ بعد میں یہ خود شیخ علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حلقہ تلمذ میں داخل ہو گئے تھے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اجازت و خلافت سے بھی نواز تھا۔ یہ سب تفصیل ملاحظہ کریں: (عبدالحق دہلوی: اخبارالأخیار (فارسی، رقم الترجمة: شیخ علی بن حسام الدین، ص: ۲۵۷، ۲۵۸ مطبوعہ النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور)

نوٹ: قارئین کرام! اس سب تفصیل سے معلوم ہوا کہ نہ صرف شیخ علی بن حسام الدین متقی ہندی رحمہ اللہ تعالیٰ نسبت قادریہ، چشتیہ، شاذلیہ، مدینیہ رکھتے تھے بلکہ شیخ امام ابن حجر مکی ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی نسبت قادریہ، چشتیہ، شاذلیہ، مدینیہ رکھتے تھے۔ ایک وہ زمانہ تھا جب مکہ مکرمہ کے "محدث" اور "مفتی اعظم مکہ مکرمہ" بھی "قادری، چشتی، شاذلی، مدنی" ہوا کرتے تھے (یعنی عظیم محدث و مفتی اور شیخ الاسلام ہونے کے ساتھ سلاسل تصوف کے حامل اور صوفیائے کرام کے ماننے والے ہوتے تھے) ایک اب کا زمانہ ہے کہ اب مکہ مکرمہ میں "تصوف" کے خلاف علم بلند کئے جاتے ہیں۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کسی شاگرد نے مکہ معظمہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: "اے اللہ کے رسول! مجھے کس کام کا حکم دے رہے ہیں۔" ارشاد ہوا کہ: "شیخ علی متقی کی اقتداء کرو، وہ جو کچھ کریں تم بھی وہی کرو۔"

شیخ محی الدین عبدالقادر بن شیخ بن عبداللہ العیدروس رحمہ اللہ تعالیٰ (التوفی ۱۰۳۸ھ) یہ خواب نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وفی هذا أدل دليل على أن الشيخ على المتقى نفعنا الله ببركاته كان له النصيب الأوفر من متابعته صلى الله عليه وسلم ولذاخصه صلى الله عليه وسلم بالذكر دون غيره من اهل زمانه وأمر الراى بملاحظة افعاله ومتابعته فيها الى غير ذلك من الاشارات كتسميته شيخا

''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ علی متقی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں سے حصہ وافر ملا تھا، اسی لئے آپ نے اس زمانہ کے اورلوگوں کے بجائے خاص طور پر ان کا نام لیا اور خواب دیکھنے والے کو ان کی اقتداء کا حکم دیا، اس خواب میں ان کی عظمت کے اور بھی کئی پہلو ہیں، ایک تو یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ''شیخ'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔''

(العیدروس: النور السافر عن اخبار القرن العاشر، سنہ اربع وسبعین بعد التسع مائۃ، ص: ۲۸۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

یہی شیخ العیدروس رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

ومن مناقبه العظيمة انه رأى النبى صلى الله عليه وسلم فى المنام وكانت ليلة جمعة وسبع وعشرين فى شهر رمضان فسأله عن أفضل الناس فى زمانه فقال له أنت قال ثم من فقال محمد بن طاهر بالهند . ورأى تلميذه الشيخ عبدالوهاب أيضاً فى تلك الليلة النبى صلى الله عليه وسلم وسأله مثل ذلك فقال له شيخك ثم محمد ابن طاهر بالهند فجاء الى الشيخ على المتقى ليخبره بالرؤيا فقال له قبل أن يتكلم

قد رایت مثل الذی رایت .

''اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے عظیم مناقب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ۲۷ رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تھی، اس وقت انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس زمانہ میں سب سے افضل شخص کون ہے؟ ارشاد ہوا: ''تم''، عرض کیا پھر کون ہے؟ ارشاد ہوا ''ہندوستان کے محمد بن طاہر۔''

کہا جاتا ہے کہ اسی شب میں شیخ کے شاگرد شیخ عبدالوہاب نے بھی خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو یہی سوال عرض کیا، جس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(سب سے افضل) تمہارے شیخ ہیں، پھر ہندوستان کے محمد بن طاہر۔''

وہ جب شیخ علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس یہ خواب بیان کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو شیخ نے ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی فرمایا کہ جو کچھ تم نے خواب میں دیکھا ہے وہی میں نے بھی دیکھا ہے۔'' (ایضاً، ص:۲۸۳)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ عربی وفارسی زبان میں ایک سو سے بھی زیادہ کتب تصنیف فرمائیں۔ مگر ''کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال'' نے تو کمال شہرت دوام حاصل کی، شاید ہی کوئی لائبریری ہو جس میں آپ کی یہ کتاب موجود نہ ہو۔ آپ نے فقہ وحدیث پر جس عرق ریزی اور دیدہ ریزی سے کام کیا وہ قابل تحسین ہے۔ آپ نے اپنے شاگردوں کی ایک جماعت پیدا کی جن میں سے ایک امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ آپ نے ۲ جمادی الاولیٰ ۹۷۵ھ کو بروز منگل طلوع سحر کے وقت مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۹۰ برس تھی۔ اور جنت المعلیٰ (مکہ مکرمہ) میں پہاڑی (جواب نہیں ہے) کے پاس حضرت سیّدنا فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں مدفون ہوئے۔

(۴) محدث محمد سعید حنفی خراسانی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۸۱ھ):

آپ کا نام: محمد سعید ابن مولانا خواجہ حنفی خراسانی ہے۔ آپ ''میر کلاں'' اور ''محدث کثیر'' سے مشہور و معروف ہیں۔ آپ نے ولادت کے بعد پروان چڑھتے ہی علامہ عصام الدین ابراہیم بن عرب شاہ الاسفرائینی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر علماء کرام سے علوم وفنون میں اکتساب فیض شروع کر دیا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیگر علومِ درسیہ وعلم حدیث زبدۃ المحققین سیّد نسیم الدین میرک شاہ بن جمال الدین حسینی ہروی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک مدت قیام کر کے حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں درک حاصل کیا۔ اور اس کے علاوہ بہت سے مشائخ اور علماء ومحدثین سے کئی علوم کی تحصیل و تکمیل کی۔ پھر حرمین شریفین کا حج و زیارات کی غرض سے سفر کیا۔ مکہ مکرمہ میں ایک عرصہ تک سکونت پذیر رہے۔

عبدالحی بن فخر الدین بن عبدالعلی الحسنی الطالبی (المتوفی ۱۳۴۱ھ) نے لکھا ہے کہ:

أخذ عنه الشيخ علي بن سلطان القاری الهروی صاحب المرقاة والسيّد غضنفر بن جعفر الحسيني النهروالي وخلق كثير من العلماء

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سے شیخ علی بن سلطان القاری الہروی (رحمہ اللہ تعالیٰ) صاحب مرقاۃ اور سیّد غضنفر بن جعفر الحسینی النہروالی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علماء کی ایک کثیر تعداد نے آپ سے اکتساب علم کیا۔'' (عبدالحی الحسنی: نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر، رقم الترجمۃ: مولانا محمد سعید الخراسانی، جلد: ۴، ص: ۴۲۲ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت، لبنان)

مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تلامذہ کا ذکر کچھ یوں فرمایا ہے:

''حج کر کے ہندوستان تشریف لائے اور جہانگیر شاہ کے استاذ ہوئے۔ ہندوستان کے ایک بڑے گروہ نے آپ سے حدیث کو پڑھا۔ ملا علی قاری نے بھی آپ سے مشکوٰۃ شریف پڑھی جیسا کہ انہوں نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ

میں اس بات کی تصریح کی ہے۔" (فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، حدیقہ دہم، مولانا کلاں، ص: ۴۰۷، ۴۰۸ مطبوعہ مکتبہ ربیعہ سلام مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی)

عبدالحی بن فخر الدین بن عبد العلی الحسنی الطالبی (التوفی ۱۳۴۱ھ) اور مولانا فقیر محمد جہلمی آپ کی جلالت علمی کو یوں بیان کرتے ہیں۔

☆ **وکان عالماً کبیراً محدثاً محققاً لم ینقله، کثیر الفوائد جید المشارکة فی العلوم، له الید الطولی فی الحدیث**

"اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے عالم، عظیم محدث و محقق تھے، جن کی مثال نہیں ملتی، آپ بے شمار فوائد اور مختلف علوم (وفنون) میں بے حد ماہر تھے، اور علم حدیث میں تو آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔" (نزہۃ الخواطر)

☆ "محدثِ اجل، فقیہ فاضل، علوم کے بحر زخار تھے۔" (حدائق الحنفیہ)

آپ نے پوری زندگی درس و افادۂ حدیث اور لوگوں کی تربیت و اصلاح میں بسر کی۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۸۰ سال کی عمر میں ۹۸۱ھ کو "آگرہ" ہند میں انتقال فرمایا۔ اور وہیں تدفین عمل میں لائی گئی۔ مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ تعالیٰ "فخر زمانہ" آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے اور ان کے نزدیک آپ کا انتقال ۹۸۳ھ میں ہوا۔ (حدائق الحنفیہ)

(۵) شیخ عطیہ بن علی سلمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (التوفی ۹۸۳ھ):

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا لقب: زین الدین اور نام: عطیہ بن علی بن حسن سلمی مکی ہے۔ آپ فقہ شافعی کے جلیل القدر امام اور پڑھانے والے تھے۔ آپ کا اپنے زمانے میں مکہ مکرمہ کے بڑے فقہاء کرام میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ عظیم مفسر بھی تھے۔

خیر الدین بن محمود الزرکلی (التوفی ۱۳۹۶ھ) نے لکھا ہے کہ:

"آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب میں تین جلدوں پر مشتمل کتاب "تفسیر القرآن العظیم" بھی ہے۔"

(الزرکلی: الاعلام فی قاموس تراجم، رقم الترجمۃ: عطیۃ بن علی، جلد: ۴، ص: ۲۳۸ مطبوعہ دار العلم

للملایین بیروت، لبنان)

عمر بن رضا کحالۃ الدمشقی (المتوفی ۱۴۰۸ھ) آپ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

فقیه، مفسر، من اهل مكة

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فقیہ، مفسر اور اہل مکہ میں سے تھے۔''

(عمر بن رضا کحالۃ: معجم المؤلفین، رقم الترجمۃ: عطیۃ بن حسن، جلد: ۶، ص: ۲۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۹۸۳ھ میں مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا اور وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ نے اپنے پیچھے تلامذہ کی ایک تعداد چھوڑی ان میں سے ایک روشن نام امام ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ہے۔

(۶) علامہ قاضی عبد اللہ السندی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۸۴ھ):

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام: ملا عبد اللہ بن سعد الدین ابراہیم سندی حنفی ہے۔ آپ سندھ کے شہر دربیلہ میں پیدا ہوئے، سب سے پہلے شارح مشکوٰۃ شیخ عبد العزیز لاٗ بہری رحمہ اللہ تعالیٰ سے اکتساب علم شروع کیا اور ان سے مروجہ علوم وفنون کی تحصیل شروع فرمائی، اور ایک مدت تک ان کے دروس میں باقاعدہ شرکت کرتے آرہے تھے کہ سندھ کے شہروں پر شاہی بیک قندھاری نے قبضہ کرلیا یوں شیخ عبد العزیز لاٗ بہری رحمہ اللہ تعالیٰ حرمین محترمین کی طرف عازم سفر ہوگئے۔

پھر ۹۴۷ھ میں گجرات شیخ علی بن حسام الدین متقی برہان پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور ان کے ہاں ٹھہر کر اکتساب فیض کیا۔ اُن دنوں شیخ متقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہاں اسقدر شہرہ تھا کہ عوام تو کیا بادشاہ وقت کا بھی آپ کی ایک جھلک دیکھنے کو دل تڑپتا تھا مگر شرف باریابی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ شیخ عبد اللہ سندی رحمہ اللہ تعالیٰ کو ان دنوں شیخ متقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا موقع ملا جوان کے لئے کسی بھی اعزاز سے کم نہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم'' کے فیوض برکات سے مالا مال ہوئے، ساتھ ہی مدینہ منورہ میں موجود علماء وفقہاء سے اکتساب فیض کیا، اسی وجہ سے آپ کے تذکرۂ نگار آپ کے نام کے ساتھ ''مدنی'' تحریر کرتے ہیں۔

شیخ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا شہرہ سن کر ان کی بارگاہ میں مکہ مکرمہ چلے گئے۔ اور وہاں شیخ ابن حجر سے بعض کتب کا سماع ومطالعہ کیا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ شیخ کے بڑے مدد ومعاون بھی بن گئے، بسا اوقات آپ شیخ کے غیر عربی موضوعات کو عربی میں منتقل کرتے تو شیخ داد دیئے بغیر نہ رہ سکتے۔ مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ تعالیٰ یوں رقمطراز ہیں:

''گو شیخ ابن حجر مکی سے شاگردی کی نسبت رکھتے تھے لیکن شیخ ابن حجر نے آپ سے علم عربی میں استفادہ کیا اور اکثر وقت کہتے کہ ہمارے لئے اس (غیر عربی) کلام کو عربی کردو شیخ نے آپ کی اجازت کے ورقہ میں یہ لکھا کہ فائدہ دیا انہوں نے مجھ کو زیادہ اس سے جو فائدہ پکڑا۔'' (فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، حدیقۂ دہم، رقم الترجمۃ: مولانا عبداللہ سندی، ص: ۴۱۰ مطبوعہ مکتبہ ربیعہ سلام مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے علوم وفنون کی سیر حاصل تحصیل کے بعد ان علوم وفنون اور دیگر علوم دینیہ کی ترویج واشاعت میں زندگی وقف کر دی تھی۔ آپ بڑے محدث اور فقیہ تھے مدت تک مکہ مکرمہ میں مختلف علوم وفنون کا درس دیا۔ کسی سے کچھ طمع اور کام نہ رکھتے تھے، محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے طالبان علم کو فائدہ پہنچاتے۔ آپ کی مجالس علم میں ہزاروں علمائے کرام کا مجمع رہتا تھا۔ ان میں ایک امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تھے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے اعلیٰ درجے کے خطاط تھے، جو کچھ لکھتے گزر اوقات اسی سے کرتے تھے۔ آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ ''مشکوٰۃ المصابیح'' صحت لفظی اور

گرانقدر حواشی کی وجہ سے آپ کے معاصرین کے لئے سرمۂ بصیرت تھا۔ بہت سے علماء نے آپ سے مشکوٰۃ شریف کے اس نسخہ کو درساً پڑھا۔ مشکوٰۃ شریف کے ان حواشی کو آپ نے مذہب حنفی کے اثبات اور قوی دلائل سے مرصع و مسجع کیا تھا اور خود فرمایا کرتے تھے کہ:

''میں نے مشکوٰۃ کو حنفی بنادیا ہے۔'' (حدائق الحنفیہ، ص:۴۱۰)

تمام عمر جو درس دیئے، تصحیح (لفظی) مشکوٰۃ کی اور جو اس پر حواشی تحریر فرمائے آپ اس خدمت کو ذریعہ نجات سمجھتے اور اکثر فرمایا کرتے تھے:

''امید رکھتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ اس (کام) کی برکت سے مجھے بخش دے (گا)'' (ایضاً)

محی الدین عبدالقادر بن شیخ بن عبداللہ العیدروس رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۳۸ھ) آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

الشیخ العلامة المفنن...... وکان من کبار العلماء البارعین وأعیان الأئمة المتبحرین

''آپ بڑے شیخ، علامہ، فنون کے جاننے والے......اور بڑے بڑے ماہر علماء میں سے ایک اور صاحب بصیرت، بلند درجہ ائمہ میں سے ایک تھے۔''

(العیدروس: النور السافر عن أخبار القرن العاشر، سنہ اربع وثمانین بدع التسع مائۃ، ص:۳۱۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ابن العماد العکری: شذرات الذهب فی اخبار من ذهب، سنہ اربع وثمانین وتسع مائۃ جلد:۱۰، ص:۵۹۳ مطبوعہ دار ابن کثیر دمشق)

عمر بن رضا کحالۃ الدمشقی (۱۴۰۸ھ) نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی علوم دینیہ میں مہارت تامہ کا ذکر کرنے کے بعد آپ کی ان چند کتب کے اسماء بھی تحریر کئے ہیں:

(۱) حاشیۃ علی العوارف للسہروردی (۲) مجمع المناسک (۳) نفع المناسک (عمر بن رضا کحالۃ: معجم المؤلفین، رقم الترجمۃ: عبداللہ السندی، جلد:۶، ص:۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ماہ ذی الحجہ میں مکہ مکرمہ میں وصال فرمایا بعض نے آپ کا سن وصال ۹۸۴ھ اور مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سن ۹۹۶ھ بیان کر کے آپ کی تاریخ وفات ''چشمہ رُحمت'' لکھی ہے۔ (حدائق الحنفیہ، ص: ۴۱۰)

(۷) شیخ قطب الدین محمد نہروانی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۹۰ھ):

آپ کی کنیت: ابوعیسیٰ، لقب: قطب الدین قطبی اور آپ کا پورا نام معہ نسب: محمد بن علاء الدین احمد بن محمد بن قاضی خان بن بہاء الدین بن یعقوب بن حسن بن علی النہروانی الہندی ہے۔ آپ ہندوستان کے شہر ''نہروانہ'' سے نسبت کی وجہ سے نہروانی ہندی کہلاتے ہیں۔ اور ''قطبی'' کے لقب سے مشہور ومعروف ہیں۔ آپ کے والد گرامی علاء الدین احمد اپنے زمانے کے محدث وفقیہ، جلیل القدر اور فضل وکمال میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ نے مروجہ علوم وفنون کی تحصیل اپنے والد گرامی سے کی اس کے بعد شیخ زین الدین عبدالحق بن محمد السنباطی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۳۱ھ) جو کہ مصر کے جلیل القدر علماء محدثین میں شمار ہوتے تھے ان کی بارگاہ میں مصر حاضر ہو کر دیگر علوم کی تحصیل کے ساتھ ان میں مہارت کاملہ حاصل کی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور وہاں آپ کی قابلیت کو دیکھتے ہوئے حنفی فقہ کا ''مفتی'' مقرر کر دیا گیا۔ آپ کا شمار جلیل القدر حنفی فقہاء ومحدثین میں ہوتا ہے۔

آپ اپنے زمانے کے محدث کبیر، فقیہ بے نظیر اور یکتائے زمانہ ہوئے آپ کی اہل علم وعلماء کے ہاں مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ جدھر رُخ کرتے اہل علم کی ایک جماعت آپ کے ساتھ ہو جاتی، جہاں جاتے وہاں کے علماء آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔

قاضی محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی الیمنی (المتوفی ۱۲۵۰ھ) نے لکھا ہے کہ:

وكان كثير التنزهات في البساتين وكثيرًا ما يخرج الى الطائف ويستصحب معه جماعة من العلماء والأدبا ويقوم بكفاية الجميع .

''آپ بہت زیادہ نفیس الطبع تھے، جب آپ لوگوں کی طرف نکلا کرتے تو علماء اور ادباء کی ایک جماعت آپ کی صحبت میں موجود رہا کرتی تھی اور آپ اکیلے ہی ان سب کے (اشکالات کے حل کے) لئے کافی ہوا کرتے تھے۔'' (الشوکانی: البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، رقم الترجمۃ: قطب الدین بن علاء الدین النہروانی ثم المکی الحنفی، جلد: ۲، ص: ۵۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ نجم الدین محمد بن محمد الغزی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

ولما دخل دمشق عازماً على السفر الى الروم نزل بحارة القراماني تحت قلعة دمشق، واضافة شيخ الاسلام الوالد، ثم العلامة الشيخ علاء الدين بن عماد الدين، ثم القاضى كمال الدين الحمراوى

''جب آپ روم کی طرف سفر کے ارادے سے دمشق میں داخل ہوئے تو علامہ قرامانی (کی خواہش پر ان) کے ہاں دمشق کے قلعے کے پاس ٹھہرے۔ اس کے علاوہ شیخ الاسلام نے آپ کی ضیافت کی، بعد ازاں علامہ شیخ علاء الدین بن عماد الدین اور پھر شیخ قاضی کمال الدین حمراوی (کی پرزور فرمائش پر ان کے) پاس قیام فرمایا۔'' (الغزی: الکواکب السائرۃ بأعیان المئۃ العاشرۃ، رقم الترجمۃ: محمد بن احمد النہروانی جلد: ۳، ص: ۴۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قاضی شوکانی یمنی نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ترکیوں کی محبت کا عالم یوں بیان کیا ہے:

وكان عظيم الجاه عند الأتراك لايحج أحد من كبرائهم الا وهو الذى يطوف به ولا يرتضون بغيره

''آپ کا اہل ترک میں ایک بہت بڑا مقام تھا، بڑے بڑے علماء کو وہاں کے لوگ حجت نہیں سمجھتے، سوائے اس (عالم) کے جس کا آپ کے پاس آنا

جانا ہو۔ آپ کے علاوہ (علماء) پر وہ راضی نہیں ہوتے تھے۔''

(البدر الطالع، جلد:۲، ص:۵۸)

آپ کی مجالس و دروس میں لوگوں کی کثیر تعداد شرکت کرتی۔ قاضی شوکانی کی زبانی ملاحظہ ہو:

واجتمع عنده منها مالم يجتمع عند غيره .

''آپ کے پاس اس قدر مجمع ہوتا کہ کسی دوسرے (عالم) کے پاس اس کی مثال نہ ملتی تھی۔'' (ایضا)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار شاگردوں میں سے ایک امام ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ اس کے علاوہ ان حضرات نے آپ سے اکتساب فیض کیا مثلاً شیخ محمد التونسی، شیخ ناصر اللقانی، شیخ احمد بن یونس بن الشبلی اور شیخ زین الدین ابن سلطان الحنفی وغیرہم۔ (ابن العماد العکری: شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، سنہ تسعین وتسع مائۃ، جلد: ۱۰، ص: ۶۱۹ مطبوعہ دار ابن کثیر دمشق)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی جلالت علمی پر چند علماء کی آراء پیش خدمت ہیں:

☆ محی الدین عبدالقادر بن شیخ بن عبداللہ العیدروس رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۳۸ھ) لکھتے ہیں:

العالم الفاضل المفتي الشيخ قطب الدين الحنفي المكي......

وكان من أعيان...... الفضلاء المشهورين مجلالا محترما

''قطب الدین حنفی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے عالم، فاضل، مفتی اور شیخ تھے......اور آپ مشہور، محترم، جلیل القدر اور بڑے ماہر فضلاء میں سے ایک تھے۔'' (العیدروس: النور السافر عن اخبار القرن العاشر، سنہ تسعین بعد التسع مائۃ، ص: ۳۴۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

☆ نجم الدین محمد بن محمد الغزی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۶۱ھ) لکھتے ہیں:

الشیخ الامام العلامة، المحقق المدقق الفهامة الشیخ قطب الدین...... وکان بارعاً مفنناً فی الفقه والتفسیر والعربیة ونظم الشعر

''شیخ قطب الدین رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے شیخ، امام، علامہ، محقق، مدقق اور فہامہ تھے......اور آپ فقہ، تفسیر، عربی نظم ونثر وغیرہ میں خوب ماہر اور منجھے ہوئے تھے۔'' (الغزی: الکواکب السائرة باعیان المئة العاشرة، رقم الترجمة: محمد بن احمد النہروانی، جلد:۳،ص:۴۰مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

☆ عمر بن رضا کحالة الدمشقی (المتوفی ۱۴۰۸ھ) لکھتے ہیں:

مؤرخ، فقیه، مفسر، عالم بالعربیة، ناظم

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ (عظیم) مؤرخ، فقیہ، مفسر اور عربی نظم ونثر کے عالم تھے۔'' (عمر بن رضا کحالة: معجم المؤلفین، رقم الترجمة: محمد النہروانی، جلد:۹،ص:۱۷مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، لبنان)

☆ قاضی شوکانی یمنی (المتوفی ۱۲۵۰ھ) نے یوں لکھا:

العالم الکبیر أحد المدرسین بالحرم الشریف فی الفقه والتفسیر والأصلین وسائر العلوم وکان یکتب الانشاء لأشراف مکة

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ عالم کبیر، حرم شریف میں فقہ وتفسیر، اصول اور تمام علوم کے مدرس تھے اور آپ اشراف مکہ کے لئے فوائد لکھا کرتے تھے۔'' (الشوکانی: البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، رقم الترجمة: قطب الدین بن علاء الدین النہروانی ثم المکی الحنفی، جلد:۲،ص:۵۸مطبوعہ دارالمعرفة بیروت)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو کتب دینیہ کے ساتھ ایک خاص اور مثالی شغف تھا، سخی بھی بہت اعلیٰ تھے۔ آپ کے ان اوصاف کا ذکر قاضی شوکانی نے یوں کیا ہے:

وکانو یعطونہ العطاء الواسع وکان یشتری بما یحصلہ منھم نفائس الکتب ویبذلھا لمن یحتاجھا .

''لوگ آپ کی بارگاہ میں بہت زیادہ مال (نذرانوں کی صورت میں) پیش کیا کرتے تھے۔اس حاصل شدہ دولت سے آپ نفیس کتب خریدا کرتے اور بقیہ رقم محتاجوں پر نچھاور کردیا کرتے تھے۔'' (ایضا)

آپ کوعربی زبان کے علاوہ فارسی وترکی زبانوں پر بھی کامل دسترس حاصل تھی۔ آپ نہایت فصیح وبلیغ کلام فرماتے تھے آپ کی فصاحت وبلاغت کا اندازہ آپ کی کتب دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

خیرالدین بن محمود الزرکلی (المتوفی ۱۳۹۶ھ) نے آپ کی درج ذیل کتب کے اسماء اپنی کتاب میں نقل کیے:

(۱) طبقات الحنفیۃ، (۲) الاعلام بأعلام بلد اللہ الحرام

(۳) البرق الیمانی فی الفتح العثمانی، (۴) منتخب التاریخ

(۵) ابتہاج الانسان والزمن فی الاحسان الواصل الی الحرمین من الیمن لمولانا الباشا حسن

یہ کتاب مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور حسن باشا کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

(۶) الفوائد السنیۃ فی الرحلۃ المدنیۃ والرومیۃ

(۷) کنز الاسماء فی فن المعمی

(الزرکلی: الاعلام فی قاموس تراجم، رقم الترجمۃ: النہروانی، جلد: ۶، ص: ۷، مطبوعہ دار العلم للملایین بیروت)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ میں ۲۷ ربیع الثانی ۹۹۰ھ بروز ہفتہ اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے آپ کی تدفین مکہ مکرمہ میں ہی عمل میں لائی گئی۔

(۸) شیخ شہاب الدین احمد عباسی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۹۲ھ):

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا لقب: شہاب الدین اور نام: احمد بن بدر الدین عباسی شافعی

مصری ثم ہندی ہے۔آپ علم وادب کی سرزمین مصر میں ۹۰۳ھ کو پیدا ہوئے۔آپ نے مصر اور مکہ مکرمہ کے جن جلیل القدر علماء ومحدثین سے بھرپور اکتساب فیض کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) قاضی زکریا،(۲) برہان بن أبی شریف
(۳) النور المحلی،(۴) کمال الدین الطویل
(۵) نور الدین المیجی،(۶) ابی العباس الطبنذاوی البکری وغیرہم

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذہانت وفطانت کا عالم یہ تھا کہ

(۱) المنہاج الفقہی ، (۲) الشاطبیۃ (۳) حافظ عبد الغنی المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی حدیث کے موضوع پر لکھی گئی کتاب: ''العمرۃ''(۴) الاربعین النواویۃ ،(۵) الاجرومیۃ اور(۶) اور مختصر أبی شجاع مکمل مکمل آپ کو حفظ یعنی زبانی یاد تھیں۔

مکہ مکرمہ میں ایک تعداد نے آپ سے اکتساب علم کیا ان میں سے ایک امام ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تھے۔آپ جامع علوم،محدث،مفتی،فقیہ،علامہ اور اپنے زمانے میں عدیم النظیر تھے۔

☆ محی الدین عبد القادر بن شیخ بن عبد اللہ العیدروس رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۳۸ھ) آپ کے بارے فرماتے ہیں کہ:

و کان من العلماء العاملین و عباد اللہ الصالحین ۔

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ عمل کرنے والے علماء اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں سے ایک تھے۔'' (العیدروس: النور السافر عن أخبار القرن العاشر، سنۃ اثنتین وتسعین بعد التسع مائۃ، ص: ۳۶۰ مطبوعۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان)

☆ ابو الفلاح عبد الحی بن احمد بن محمد ابن العماد العکری الحنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۸۹ھ) نے لکھا:

کان عالماً، عاملاً، علامۃ، شدید الورع، قلیل الاختلاط

بالناس، متمسکا بالکتاب والسنۃ، مطریقۃ السلف الصالح الید الطولٰی فی علم الحرف والفلک والمیقات

''آپ عالم باعمل، علامہ، بہت زیادہ تقویٰ والے، لوگوں سے بہت کم میل جول والے، کتاب وسنت پر سختی سے عمل کرنے والے اور سلف صالحین کے طریقے پر کاربند تھے، آپ علم جغرافیہ، فلکیات اور علم میقات میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔'' (ابن العماد العکری: شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، سنۃ اثنتین وتسعین وتسع مائۃ، جلد:۱۰، ص:۶۲۶ مطبوعہ دار ابن کثیر دمشق)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۴ صفر المظفر ۹۹۲ھ بروز جمعۃ المبارک کو ہندوستان کے شہر ''احمد آباد'' میں انتقال فرمایا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تدفین کے متعلق علامہ ابن العماد العکری الحنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ یوں لکھتے ہیں:

ودفن بھا بتربۃ العرب بالقرب من تلمیذہ وصاحبہ عبدالرحیم العمودی وکان فی حیاتھما روحین فی جسد

''اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے شاگرد اور ساتھی عبدالرحیم عمودی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار کے قریب ہی مدفون ہوئے۔ اور یہ دونوں حضرات اپنی زندگی میں دو روحیں ایک جسم میں تھیں۔'' (ابن العماد العکری: شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، سنۃ اثنتین وتسعین وتسع مائۃ، جلد:۱۰، ص:۶۲۶ مطبوعہ دار ابن کثیر دمشق)

(۹) شیخ ابی الحسن محمد بن محمد البکری الصدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ (التوفی ۹۵۲ھ):

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کنیت: ابی الحسن اور نام: محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن البکری الصدیقی ہے۔ اور ابی الحسن البکری کے نام سے معروف ہیں۔ آپ حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں اس لئے آپ کو صدیقی لکھا اور کہا جاتا ہے۔ آپ کا شجرۂ نسب شیخ عیدروس (التوفی ۱۰۳۸ھ) اور شیخ ابن العماد العکری (التوفی ۱۰۸۹ھ) نے یوں بیان کیا ہے:

"الشیخ ابی الحسن محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن بن احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن عوض بن عبدالخالق بن عبدالمنعم ابن یحیٰ بن یعقوب بن نجم الدین بن عیسیٰ بن داؤد بن نوح بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ۔" (العیدروس: النور السافر عن أخبار القرن العاشر، سنۃ ثلاثۃ وتسعین بعد التسع مائۃ، ص: ۳۹۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ابن العماد العکری: شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، سنۃ ثلاث وتسعین وتسع مائۃ جلد: ۱۰، ص: ۶۳۲ مطبوعہ دار ابن کثیر دمشق)

۱۱ جمادی الاولیٰ ۸۹۹ھ میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت باسعادت مصر میں ہوئی۔ اپنے زمانہ کے نامور علماء ومحدثین اور فقہاء سے تعلیم حاصل کی۔ آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں شیخ الاسلام زکریا انصاری اور شیخ عبدالقادر دشطوطی کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ آپ نے ان سے روایت حدیث کی اجازت بھی حاصل کی، اور متعدد صوفیائے وقت سے خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا۔

خیر الدین بن محمود الزرکلی (المتوفی ۱۳۹۶ھ) نے لکھا ہے کہ:

كان يقيم عاما بمصر وعاما بمكة

"آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سال مصر اور ایک سال مکہ مکرمہ میں قیام کرتے تھے۔" (الزرکلی: الاعلام فی قاموس تراجم، رقم الترجمۃ: ابوالحسن البکری، جلد: ۷، ص: ۵۷ مطبوعہ دارالعلم للملایین بیروت)

مکہ مکرمہ اور مصر کے کثیر التعداد علماء کرام اور مشائخ عظام نے آپ سے بھرپور اکتساب فیض کیا۔ آپ جامعہ ازہر کے جلیل القدر اور اکابر علماء میں شمار ہوتے بلکہ آپ کو "شیخ الازہر" بھی کہا جاتا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مسجد حرام میں منعقد ہونے والی مجالس علمیہ میں شرکت کی اور خوب اکتساب فیض کیا۔

زرکلی نے مزید یوں لکھا:

وشاع ذكره في أقطار الأرض مع صغر سنة

''جوانی کے عالم میں ہی آپ کی شہرت عالم اسلام کے گوشے گوشے تک پہنچ گئی۔'' (ایضا)

شیخ عیدروس رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ:

''جب آپ رحمہ اللہ تعالیٰ مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ اور جامع ازہر مصر میں بیٹھ کر مجالس علم سجاتے تو اہل علم کی اس میں شرکت کے ٹھٹھ لگ جاتے تھے۔'' (العیدروس: النور السافر عن اخبار القرن العاشر، سنۃ ثلاثۃ وتسعین بعد التسع مائۃ، ص: ۳۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مکانت علمی کا اعتراف اور اقرار آپ کے تذکرہ نگاروں نے کچھ یوں فرمایا ہے:

☆ شیخ عیدروس رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۳۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

وكان من كبار اهل العلم بل قبل انه كان مجتهدًا زمانه والمجدد على رأس المائة التاسعة وأحق الناس بالقضاة وقد عرض عليه فامتنع منه قولاً باتاً وهو المجمع على انه فريد عصره علماء .

''اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے علماء میں سے تھے۔ بلکہ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے زمانے کے مجتہد اور نوویں صدی کے مجدد تھے۔ آپ لوگوں سے زیادہ عہدۂ قضاۃ کے حق دار تھے اس کے باوجود وہ آپ کو پیش کیا گیا تو آپ نے اسے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ نیز اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ آپ اپنے زمانے کے تمام علماء میں سب سے بڑا درجہ رکھنے والے اور فرید العصر تھے۔'' (ایضا، ص: ۳۸۱)

☆ علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۳۵۰ھ) لکھتے ہیں:

الامام الكبير والقطب الشهير، الجامع بين علمي الظاهر

والباطن

''آپ امام کبیر اور قطب شہیر ہیں۔علم ظاہر اور علم باطن کے جامع ہیں۔''

(النبہانی: جامع کرامات الأولیاء، ذکر کرامات من اسمہ محمد من الاولیاء، تاج العارفین ابوالحسن محمد بن جلال الدین البکری، جلد:۱،ص:۲۴۶مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

☆خیرالدین بن محمود الزرکلی (التوفی ۱۳۹۶ھ) نے لکھا ہے کہ:

مفسر، متصوف، مصری، من علماء الشافعية

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ مفسر، مصر کے صوفی اور شافعی علماء میں سے تھے۔''

(الزرکلی: الاعلام فی قاموس تراجم، رقم الترجمۃ: ابوالحسن البکری، جلد:۷،ص:۵۷مطبوعہ دارالعلم للملایین بیروت)

☆عمر بن رضا کحالۃ الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ (التوفی ۱۴۰۸ھ) نے یوں لکھا ہے:

مفسر، متصوف مشارك فی بعض العلوم

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ مفسر، صوفی اور کئی علوم میں ماہر تھے۔'' (عمر بن رضا کحالۃ: معجم المؤلفین، رقم الترجمۃ: محمد البکری، جلد:۱۱،ص:۲۲۹مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، لبنان)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی جلالت روحانی بھی بہت اعلیٰ تھی۔آپ صاحب کشف و کرامات تھے۔شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ (التوفی ۱۰۵۲ھ) آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

شیخ ابو الحسن بکری رحمة الله علیه که بالاجماع از اولیاء زمان خودبود

''شیخ ابوالحسن بکر رحمہ اللہ تعالیٰ بالاجماع اپنے زمانے کے اولیاء اللہ میں سے تھے۔'' (عبدالحق دہلوی: اخبار الاخیار (فارسی) رقم الترجمۃ: شیخ علی بن حسام الدین،ص:۲۵۷مطبوعہ النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور)

علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۳۵۰ھ)، امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے نقل کر کے لکھتے ہیں:

ولـه كـرامـات كثيرة وخوارق وكشوفات، فما قاله أو وعده لايخطئ قال: وترجمه الناس بالقطبية العظمى

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی لاتعداد کرامات، بے شمار خارق عادات اور مکاشفات ہیں جو فرمایا یا جس کا وعدہ کر دیا وہ لازماً ہو کر رہا۔ لوگوں نے آپ کی قطبیت عظمیٰ کا اعتراف کیا ہے۔''

(النبہانی: جامع کرامات الأولیاء، جلد:۱، ص:۲۴۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے عند اللہ مقام و مرتبۂ ناز کو بیان کرنا مشکل ہے مگر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی روحانی قوت کا اندازہ اس روایت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جسے شیخ نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں لکھا ہے:

لـمـا وقف أبـو الـحسـن الـبكرى على جبل عرفات جاء اليه سائل وقال له: على ديون ولى عيال ونحتاج الى فضل غناك، فـأحضر دواة وقـلـمًـا وقـرطـاسًا وكتب: "قد أمرنا صير فى القدرة أن يـصـرف لهـذا كـل يـوم ديناراً ذهباً" ابو الحسن البكرى انتهى

''جب آپ عرفات کی پہاڑی (جبل رحمت) پر ٹھہرے تو ایک سائل نے آ کر عرض کیا: مجھ پر قرضے ہیں اور بہت سا بال بچہ ہے آپ کے غنا کا محتاج ہوں کچھ عطا فرمائیں آپ نے قلم دوات اور کاغذ منگا کر لکھا:

''ہم نے تقدیر کے صراف کو حکم دے دیا ہے کہ اس آدمی کو روزانہ سونے کا ایک دینار بھیج دیا کرے'' ابو الحسن بکری بقلم خود''

(ایضاً ص:۲۴۷، جلد:۱)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کثیر التعداد کتب بھی تحریر فرمائیں۔ شیخ عیدروس رحمہ اللہ تعالیٰ (التوفی ۱۰۳۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

ان مؤلفاته تنيف علی أربعمائة

"بے شک آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے چار سو سے زیادہ کتب تصنیف فرمائیں۔" (ایضا، النور السافر، ص:۳۸۳)

خیر الدین بن محمود الزرکلی (التوفی ۱۳۹۶ھ) نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی چند کتب کے اسماء لکھے ہیں وہ ملاحظہ ہوں:

(۱) تسهيل السبيل فی تفسير القرآن المعروف به "تفسير البكری"

(۲) شرح العباب، (۳) شرح منهاج النووی

(۴) تحفة واهب المواهب فی بيان المقامات والمراتب

(۵) الدرة المكللة فی فتح مكة المبجلة، (۶) عقد الجواهر البهية

(۷) الصلاة علی خير البرية، (۸) ارشاد الزائرين لحبيب رب العالمين۔

(الاعلام، جلد:۷، ص:۵۷)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ۹۵۲ھ مصر میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مرقد انور پر لاکھوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

(۱۰) شیخ یوسف بن عبداللہ الاماسی الرومی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (التوفی ۱۰۰۰ھ):

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا لقب: سنان الدین، اور مکمل نام: یوسف بن عبداللہ بن الیاس الاماسی الرومی ہے۔ آپ علاقہ "الاماسیة" کی طرف نسبت سے "الأماسی" کہلاتے ہیں۔ جب آپ نے طلب علم کے لئے سفر شروع کیا تو شیخ محی الدین القناری اور شیخ علاء الدین الجمالی وغیرہ سے اکتساب علم کیا۔ آپ کے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ قسطنطنیہ کے منصب قضاء پر بھی فائز رہے۔ اس کے علاوہ "أناضولی" کے دورِ حکومت میں "عسکر" کے بھی قاضی مقرر ہوئے، مگر چند وجوہات کی بنا پر آپ نے اس

عہدۂ قضاء سے استعفیٰ دے دیا۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے دور کے عظیم محدث، فقیہ اور مدرس بھی تھے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے استنبول کے دار الحدیث میں بھی فرائض تدریس انجام دیئے۔ مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد حرم پاک میں دروس دیا کرتے تھے آپ کے حلقات و دروس میں اہل علم کا ایک ہجوم رہتا تھا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں دروس میں شرکت کر کے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ حرم پاک میں آپ کے دروس اور مجالس علمیہ کا دور دور تک شہرہ تھا۔ آپ ''شیخ حرم'' کے نام سے معروف تھے۔

شیخ نے کئی کتب بھی تصنیف فرمائیں خیر الدین بن محمود الزرکلی (المتوفی ۱۳۹۶ھ) اور عمر بن رضا کحالۃ نے آپ کی چند کتب کے اسماء بھی تحریر کئے ہیں ملاحظہ ہوں:

(۱) تضلیل التأویل، (۲) تنبیہ الغبی فی رؤیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) حاشیۃ علی تفسیر البیضاوی، (۴) المجالس السنانیۃ

(۵) تبیین المحارم، (یہ کتاب ایک ضخیم جلد میں ہے آپ نے ۴ رجب ۹۸۰ھ کو اس کی تکمیل فرمائی) (الزرکلی: الاعلام فی قاموس تراجم، رقم الترجمۃ: المولیٰ سنان، جلد: ۸، ص: ۲۴۱ مطبوعہ دار العلم للملایین بیروت، عمر بن رضا کحالۃ: معجم المؤلفین، رقم الترجمۃ: یوسف الأماسی، جلد: ۱۳، ص: ۳۱۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

آپ نے مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا۔ عمر بن رضا کحالۃ الدمشقی (المتوفی ۱۴۰۸ھ) نے آپ کا سن وصال ۱۰۰۰ھ بیان کیا ہے۔ (ایضا)

(۱۱) محدث شیخ السیّد زکریا الحسنی رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے وقت کے محدث، علامہ اور مسند کے درجہ پر فائز تھے۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم شیخ حضرت سیّدنا خواجہ عبید اللہ احرار رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیض یافتہ شیخ اسماعیل بن عبد اللہ الشروانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اجل تلامذہ میں سے تھے۔ امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے خوب استفادہ کیا۔ بلکہ مرقاۃ المفاتیح کے دو سے زائد

مقامات پر آپ کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

السیّد زکریا من مشائیخنا فی علم الحدیث

''سیّد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ میرے علم حدیث کے شیوخ میں سے ہیں۔''

(ملا علی قاری: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب: صلاۃ اللیل، تحت الرقم: ۱۲۰۶، جلد: ۳، ص: ۹۱۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت، لبنان)

فقہی مذہب:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ حنفی المذہب ہیں اور آپ کا شمار اجلہ فقہاء احناف میں ہوتا ہے۔ آپ کی زندگی اپنے فقہی مذہب کی تائید وترجیح اور اس کی ترویج واشاعت کے لئے وقف رہی۔ آپ نے اپنی متعدد کتب میں اور اس کے علاوہ ''مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح'' میں بھی اس مذہب کی خوب تائید وتقویت فرمائی ہے۔ آپ راسخ الاعتقادی اور اپنے مذہب کی ترجمانی میں شہرۂ آفاق تھے۔ خیر الدین بن محمود الزرکلی (التوفی ۱۳۹۶ھ) نے بھی دیگر سیرت نگاروں کی طرح آپ کو ''فقیہ حنفی'' لکھا ہے ملاحظہ ہو۔

(الزرکلی: الاعلام فی قاموس تراجم، رقم الترجمۃ: الملا علی القاری، جلد: ۵، ص: ۱۲، مطبوعہ دار العلم للملایین بیروت، لبنان)

فن خطاطی میں ید طولیٰ:

تحریر وکتابت اور خوشنویسی وخطاطی اُمت مسلمہ کا ثقافتی اور تہذیبی ورثہ ہے۔ اس سلسلے میں بے شمار اہل فن وخطاط حضرات اپنے اپنے ادوار میں لائق صد تحسین وستائش کارنامے انجام دے چکے ہیں اور اپنی ماہرانہ وفنکارانہ دسترس وچابکدستی کا لوہا منوا چکے ہیں۔ انہیں میں سے ایک نام امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ہے۔ آپ نے فن خطاطی اور خطاطوں کے لئے جو بیش بہا خدمات انجام دیں وہ احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ اپنے دور میں آپ کو فن خطاطی میں امامت کا مقام حاصل رہا ہے۔ فن خطاطی میں آپ کو کمال اور ید طولیٰ حاصل رہا۔ آپ نے اس فن میں شیخ حمد اللہ الأماسی (جو اس دور کے

مشہور ومعروف خطاط تھے) سے استفادہ کیا۔ شیخ محمد طاہر بن عبدالقادر خطاط کردی مکی نے آپ کی خوشنویسی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

كان يكتب الخط الحسن والغالب انه اخذ الخط عن الشيخ حمد الله الأماسي

"آپ رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے اعلیٰ خطاط تھے انہوں نے اس فن کی مشق شیخ حمد اللہ اماسی سے فرمائی۔" (تاریخ الخط العربی وآدابہ، ص:۲۹۲ مطبوعہ التجاریۃ الحدیثیۃ مصر)

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"آپ کا طرز تحریر اتنا دل نشین اور مؤثر تھا کہ آپ کے ہم عصر ادباء آپ کے طرزِ انشاء کو چومتے اور اسلوبِ تحریر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے۔"

(نزہۃ الخاطر الفاتر فی مناقب سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی، (مترجم) حالات مصنف، ص:۱۴ مطبوعہ قادری رضوی کتب خانہ لاہور)

زہد وتقویٰ:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ زاہد، عفیف، راضی بالرضاء رہنے والے، کثرت سے عبادت کرنے والے اور پرہیزگار شخصیت کے مالک تھے۔ تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ ساتھ دنیا سے بے رغبتی بھی آپ میں موجود تھی۔ آپ امراء و حکام کی قربت، ان کے تحفے تحائف قبول کرنے اور سرکاری منصب کو قبول کرنا اخلاص وتقویٰ کے لئے انتہائی ضرر رساں سمجھتے تھے۔ آپ نے ایک رسالہ تصنیف فرمایا اور اس کا نام رکھا: "تبعید العلماء عن تقریب الأمراء" (علماء کو حکام کے قرب سے دور کرنا)، آپ اکثر اوقات یہ بات کیا کرتے تھے۔

رحم الله والدي كان يقول لي: ما اريد أن تصير من العلماء خشية ان تقف علىٰ باب الأُمراء

"اللہ تعالیٰ میرے والد پر رحم فرمائے! وہ مجھ سے کہا کرتے: میں تمہیں عالم

نہیں بنانا چاہتا، اس لئے کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم امراء و حکام کی گداگری نہ کرتے پھرو۔" (خلیل ابراہیم قوتلانی: الامام علی القاری واثرہ فی علم الحدیث، ص:۵۸۹ بحوالہ تذکرۂ مجددِ دین اسلام، ص:۲۰۲ مطبوعہ مکتبہ قادری رضوی ورائٹی ہاؤس دربار مارکیٹ لاہور)

آپ کا زمانہ چونکہ ظالم و جابر اور فاسق و فاجر حکام کا زمانہ تھا، اس لئے آپ سرکاری منصب اور عطیات وغیرہ قبول کرنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ اس تعلق سے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

فان قلت: طالب العلم والعبادة محتاج الی قوام البنية، فهل يجوز له أخذ الوظيفة؟

قلت: نعم، لكن بشرطين:

أحدهما: أن يكون علمه وعمله لله، وانما يأخذ الوظيفة ليستعين بها على طاعة الله، ففرق بين من يعمل ليأخذو بين من يأخذ ليعمل، فان علامة الثانی أنه لو استغنى لم يترك العمل .

وثانيهما: أن يأخذ من وجه يحل له أن يأخذه، أويكون مضطراً فيأخذ مقدار الضرورة .

وقد قال بعض الأكابر: من وجد غنماً ميتاً يأكل من حمار ميت، ومن وجد حمارًا ميتاً، لايأكل من كلب ميت، ومن وجد كلباً ميتاً، لايأكل من خنزير ميت .

سوال: "اگر کوئی اعتراض کرے کہ طالب علم اور عابد کو زندہ رہنے کے لئے لازمی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے تو کیا اس کے لئے وظیفہ لینا جائز ہوگا؟

جواب: تو میں کہوں گا کہ جی ہاں! مگر اس کی دو شرائط ہیں:

پہلی شرط: یہ ہے کہ اس کا علم و عمل اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور وہ اس لئے وظیفہ

لے تا کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مدد حاصل کرے۔ پس ان دونوں میں فرق ہے جو لینے کے لئے عمل کرتا ہے اور جو اس لئے لیتا ہے تا کہ عمل کر سکے۔ دوسرے کی نشانی یہ ہے کہ اگر اسے دینا چھوڑ دیا جائے تب بھی وہ عمل ترک نہ کرے۔

دوسری شرط: یہ ہے کہ وہ اس طور پر لے کہ اس کے لئے لینا جائز ہو یا وہ مجبور ہو پس وہ ضرورت کے مطابق لے لے۔

بعض اکابرین رحمہم اللہ اجمعین فرماتے ہیں: جس نے مردہ بکری پائی وہ مردہ گدھا نہ کھائے اور جس نے مردہ گدھا پایا وہ مردہ کتا نہ کھائے اور جس نے مردہ کتا پایا وہ مردہ خنزیر نہ کھائے۔'' (ملا علی قاری: تطہیر الطویۃ بتحسین النیۃ، شرطا أخذ الوظیفۃ والشکوی من علماء السوء، ص: ۶۱، ص: ۶۲ مطبوعہ دار الکتب صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں حکام و امراء کی مجالس سے اعراض فرمانے، خود کو ان کی کسی بھی قسم کی مدد سے دور رکھنے والے اور ان کے وظائف، ہدایا اور عطیات سے انکار فرمانے والے ائمہ مثلاً حضرت سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل، حضرت سیّدنا سفیان ثوری اور حضرت سیّدنا فضیل بن عیاض رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین جیسے حضرات کے نقش قدم پر چلے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ خالصتاً لوجہ اللہ طلب علم کے قائل تھے اور آپ نے اس موضوع پر ٹھوس گفتگو فرمائی۔ جو لوگ دنیا اور سرکاری عہدوں کے لالچ میں علم حاصل کرتے ہیں آپ نے ان کی سخت الفاظ میں مذمت فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

نشاهد طلبة العلم، فانهم متحيرون فی طريق تحصيلهم، فتارة يتعلمون العلوم غير النافعة فی الدنيا والآخرة لأغراض فاسدة كالتقرب للظلمة والتقدم على الرفعة، والغلبة فی المجالس بالمجاملة وتحصيل المآكلة

وتارةً يترقون الى تعلم العلوم الدينية من التفسير والحديث والفروع الفقهية لمقاصد فيها مكاسب، بأن يصير مدرساً أو واعظًا أو مفتيًا أو قاضيًا

وجل مقصود الطائفتين هو المال والجاه لا ارادة الآخرة، وابتغاء وجه الله.

''ہم طالب علموں کو دیکھتے ہیں وہ اپنے حصولِ علم کے طریقوں میں سرگرداں ہیں، پس کبھی وہ فاسد مقاصد کے لئے دنیا وآخرت میں نفع نہ دینے والے علوم سیکھتے ہیں۔ جیسے ظالموں کا قرب، بلند مرتبہ، خوبصورت جملوں سے مجالس میں غلبہ اور اشیائے خوردونوش طلب کرنا۔ اور کبھی کسب معاش کے مقاصد کے لئے تفسیر وحدیث اور فقہی فروعی مسائل سیکھتے ہیں تاکہ مدرس، واعظ، مفتی یا قاضی بن جائیں۔ مذکورہ دونوں گروہوں کا مقصود اعظم رضائے الٰہی اور آخرت کا ارادہ نہیں بلکہ مال و جاہ کی طلب ہے۔'' (ملا علی قاری: تطہیر الطویۃ فی تحسین النیۃ، آفات عدم تصحیح النیات، ص: ۶۰، ۶۱ مطبوعہ دارالکتب صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور)

نیز فرماتے ہیں کہ:

بل لم يزل علماء السلف رحمهم الله يتفقدون أحوال من يتردد اليهم، فلو رأوا منه تقصيرًا في نفل من النوافل أنكروه وتركوا اكرامه، واذا رأوا منه فجورًا واستحلال حرام هجروه ونفوه عن مجالسهم، وتركوا تكليمه فضلاً عن تعليمه.

''بلکہ علمائے سلف رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے پاس آنے والے طلباء کے احوال کی پڑتال کرتے تھے پس اگر ان کے اندر نوافل میں سے کسی نفل میں کوتاہی

دیکھتے تو انہیں ناپسند کرتے اور ان کی عزت چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی گناہ یا حرام کو حلال جاننا دیکھتے تو انہیں بالکل چھوڑ دیتے اور اپنی محافل سے دور کر دیتے اور ان سے کلام تک ترک کر دیتے چہ جائیکہ انہیں تعلیم دیں۔" (ایضاً، تلقید علماء السلف أحوال من یترددالیھم، ص:۴۰،۴۱)

ان حقائق سے معلوم ہوا کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ انتہائی متقی، دین دار، زاہد و پاکدامن اور ستھری سوچ کے مالک تھے۔ آپ حکام و امراء کے تحائف و عطیات سے سخت اعراض فرمانے کے ساتھ ساتھ حکام و امراء اور علماء سو کے سامنے حق بات کہنے سے کبھی کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ ہوئے بغیر اس کا تعاقب فرماتے۔ اس کے علاوہ حکام و امراء کو مخلوق خدا پر ظلم و ستم سے باز رہنے اور عدل و انصاف کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

ذریعۂ معاش:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سلف صالحین کی صفات اپنائیں، نفسانی خواہشات اور گناہوں سے بچتے رہے نیز اپنے ہاتھ کی کمائی سے حاصل ہونے والے مال پر قناعت کر کے، بقدر ضرورت رزق پر راضی رہ کر اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے پوری زندگی گزاری۔ آپ کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ ہر سال خوبصورت کتابت کے ساتھ ایک قرآن پاک لکھتے تھے۔ اس کی فروخت سے حاصل شدہ آمدنی آپ کے ایک سال کے لئے گزر بسر کے لئے کافی ہوتی تھی۔

☆ خیر الدین بن محمود الزرکلی (التوفی ۱۳۹۶ھ) نے لکھا ہے کہ:

كان يكتب فى كل عام مصحفا وعليه طرر من القرآت والتفسير فيبعيه فيكفيه قوته من العام العام .

"آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ہر سال ایک مصحف (قرآن مجید) لکھتے تھے اور اس پر اختلاف قرأت اور تفسیر کا حاشیہ ہوتا تھا۔ اس سے جو پیسے ملتے وہ دوسرے

سال تک آپ کے خرچ کے لئے کافی ہو جاتے تھے۔" (الزرکلی: الاعلام فی قاموس تراجم، رقم الترجمۃ: الملاعلی القاری، جلد:٥، ص:١٢ مطبوعہ دارالعلم للملایین بیروت، لبنان)

☆ شیخ طاہر بن عبدالقادر خطاط کردی مکی لکھتے ہیں کہ:

وكان يكتب في كل سنة مصحفاً واحدًا ويبيعه ويصرف ثمنه علٰى نفسه طول السنة .

"اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ہر سال میں ایک مصحف (قرآن مجید) لکھتے اور اُسے ہدیہ کرتے جو ہدیہ ملتا سال بھر اپنی مختصر سی ضروریات پر صرف کرتے تھے۔" (طاہر بن عبدالقادر: تاریخ الخط العربی وآدابہ، ص:٢٩٢ مطبوعہ التجاریۃ الحدیثیۃ مصر)

☆ شیخ محقق، برکت مصطفیٰ فی الہند، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ (التوفی ١٠٥٢ھ) حضرت شیخ حسام الدین علی متقی ہندی رحمہ اللہ تعالیٰ (التوفی ٩٧٥ھ) کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اہل عجم سے ایک خوشنویس ملاعلی قاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے تفسیر جلالین تین جدید (کرنسی کے روپیوں) میں خریدتے تھے۔ چنانچہ اس کا ایک نسخہ انہوں نے شیخ کے سامنے پیش کیا شیخ نے ان کے علم وفضل اور اہلیت واخلاص کو دیکھتے ہوئے بارہ جدید میں خریدا پھر بھی فرماتے تھے کہ انہوں نے اس کے لکھنے میں بہت محنت کی ہے اس سے بھی زیادہ خریدا جاسکتا تھا۔"

(عبدالحق دہلوی: زادالمتقین فی سلوک طریق الیقین، ص:٦١ مطبوعہ الرحیم اکیڈمی لیاقت آباد کراچی)

☆ بعض نے لکھا ہے کہ:

كان يكتب مصحفين في السنة ويبيعهما فيتصدق بثمن واحد الى فقراء الحرم وينفق من ثمن الآخر

"آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ہر سال دو مصحف (قرآن مجید) لکھتے تھے اور ان کو ہدیہ کرتے ایک صحیفے کی قیمت حرم شریف کے فقراء ومساکین کے لئے

صدقہ کر دیتے اور دوسرے کی قیمت سارا سال (اپنے اوپر) خرچ کرتے۔'' (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ترجمۃ الامام ملا علی القاری، ورعہ وتقواہ، جلد: ۱، ص: ۲۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ''الکاسب حبیب اللہ'' کے مطابق اپنے ہاتھ کی کمائی پر قناعت کرتے تھے۔ ان کی زندگی میں زہد وعفت اور بقدر کفایت پر راضی رہنے کی صفت بہت نمایاں تھی۔ مذکورہ بالا آخری حوالے سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اندر جذبہ خیر اور فیاضی وسخاوت بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

سلسلہ طریقت وتصوف:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ وغیرہ میں اپنے زمانے کے مشائخ سے خرقہائے خلافت حاصل کئے۔ ایک عرصہ تک مشائخ کی بارگاہوں میں حاضر ہوتے رہے ان کی خدمت کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اسی لئے سب مشائخ سے انوار وبرکات اور فیوضات حاصل کئے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولایت اور مقبولیت ومرجعیت زبان زد خاص وعام تھی۔ چنانچہ شیخ مستقیم زادہ سلیمان سعد الدین آفندی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۲۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ:

''ملا علی (قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) مذہبا حنفی اور مشربا نقشبندی تھے۔''

(سعد الدین آفندی: تحفۂ خطاطین، ص: ۳۲۴ مطبوعہ استنبول)

جلالت ومکانت علمی:

حضرت امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ سن بلوغت ہی سے استفادۂ علمی اور طلب علم میں مصروف ومشغول رہے۔ اکابرین واساطین کی مجالس ودروس اور بارگاہوں میں خوب وقت گزارا۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ آپ اصول، حدیث، تفسیر، تصوف اور معقولات میں انتہائی ماہر ہو گئے، اور اپنے ہم عصر حضرات علماء سے فائق شمار ہونے لگے۔ اور ان کی

شہرت امام، علامہ، محدث کبیر اور عظیم مفکر کی حیثیت سے ہونے لگی۔ اور یہ بھی کہ وہ بہت سے علوم عقلیہ ونقلیہ میں ماہر ہیں، فن حدیث وتفسیر، قرأت واصول، اور علم کلام پر دسترس رکھتے ہیں۔ عربیت، علم لسانیات اور بلاغت میں سے ہر ایک پر مکمل گرفت ہے۔ اور ان تمام فنون وعلوم کی باریکیوں کو خوب جانتے ہیں۔ اور ان کے محاسن وغوامض کی پرکھ کے ساتھ ساتھ، عمیق مباحث اور مشکل مقامات کے حل پر قادر ہیں۔ انہیں صفات کی وجہ سے ان کا شمار کامل اور راسخین فی العلم علماء میں ہونے لگا۔ آپ میں اتنے کمال جمع تھے کہ آپ کا ذکر ضرب المثل کے طور پر کیا جانے لگا۔ آپ کے تذکرہ نگار علماء نے آپ کے تفوق وبرتری کا اعتراف اور آپ کی جلالت ومکانت علمی کا اقرار بڑے کھلے الفاظ میں کیا ہے۔ اثبات مدعا کے طور پر چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

(۱) محمد امین بن فضل اللہ بن محب الدین بن محمد المحبی الحموی الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۱۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

أحد صدور العلم، فريد عصره الباهر السمت فى التحقيق و تنقيع العبارات وشهرته كافية عن الاطراء فى وصفه .

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ صدر العلماء، یکتائے زمانہ اور تحقیق علم، اور تنقیح عبارات کے فن میں ایک نشان کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی شہرت ان کی تعریف وتوصیف میں مبالغہ آرائی سے بے نیاز کر دیتی ہے۔'' (المحبی: خلاصۃ الأثر فی أعیان القرن الحادی عشر، جلد:۳، ص:۱۸۵ مطبوعہ دار صادر بیروت، لبنان)

(۲) عبدالملک بن حسین بن عبدالملک العصامی المکی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۱۱۱ھ) فرماتے ہیں:

الجامع للعلوم العقلية والنقلية، والمتضلع من السنة النبوية، أحد جماهير الاعلام ومشاهير أولى الحفظ والافهام .

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع، عالم وعامل سنت نبویہ،

امام اہلسنت و جماعت اور قابل ذکر صاحب فہم و فراست لوگوں میں سے ایک تھے۔'' (العصامی: سمط النجوم العوالی فی أنباء الأوائل والتوالی، جلد: ۴، ص: ۴۰۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

(۳) شیخ علامہ محمد امین المعروف ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) نے آپ کو ان القابات سے یاد فرمایا ہے:

خاتمة القراء والفقهاء والمحدثين ونخبة المحققين والمدققين سيدى منلا على القارى عليه رحمة ربه البارى

''سیّدی ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ الباری قراء، فقہاء اور محدثین کے خاتم اور محققین و مدققین میں بلند درجہ رکھتے تھے۔'' (ابن عابدین: مجموعۃ رسائل ابن عابدین، الرسالۃ الخامسۃ، رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشہد، جلد: ۱، ص: ۱۳۰ مطبوعہ مکتبہ محمودیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

(۴) الشیخ علامہ محمد عابد بن احمد بن علی السندی الانصاری المدنی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۲۵۷ھ) آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یوں لکھتے ہیں کہ:

''شیخ علامہ، گہرے عالم، انتہائی زیرک شیخ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ'' (عابد السندی: المواہب اللطیفۃ علی مسند الامام أبی حنیفۃ، مخطوط، ورقۃ: ۲ بحوالہ مرقاۃ المصابیح (مترجم) جلد: ۱، ص: ۱۳۷ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور)

(۵) ابی الحسنات محمد عبدالحیٔ لکھنوی (المتوفی ۱۳۰۴ھ) نے لکھا ہے کہ:

صاحب العلم الباهر والفضل الظاهر الشيخ على القارى الهروى ثم المكى

''صاحب علم، ظاہر و باہر، فضل ولیاقت والے شیخ علی قاری ہروی ثم مکی رحمہ اللہ تعالیٰ'' (عبدالحیٔ لکھنوی: التعلیق الممجد علیٰ موطأ محمد، مقدمہ، ص: ۲۶ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور)

(۶) عبدالحیٔ لکھنوی ہی مزید ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

وهو محدث جليل ومحقق نبيل

''اور وہ (ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) جلیل القدر محدث اور زیرک محقق تھے۔'' (عبدالحیٔ لکھنوی: السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ، مقدمہ، جلد:۱،ص:۳۹مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

(۷) شیخ عبداللہ المرداد ''مختصر نشر النور'' میں لکھتے ہیں:

وهو من كبار المصنّفين، وعظماء المؤلفين، كنز المحققين والحفاظ، ورئيس المدققين والوعاظ .

''وہ (امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) جلیل القدر مصنّفین اور عظیم المرتبت مؤلفین میں سے ایک، محققین وحفاظ حدیث کے خزانہ اور دقیق بین حضرات وواعظین کے سربراہ تھے۔'' (عبداللہ المرداد: مختصر نشر النور، ص:۳۶۶ مطبوعہ عالم المعرفۃ جدۃ ۱۴۰۶ھ)

(۸) مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ:

''علی بن سلطان محمد ہروی نزیل مکہ المعروف بہ قاری: نور الدین لقب تھا۔ اپنے زمانہ کے وحید العصر، فرید الدہر، محقق، مدقق، منصف مزاج، محدث، فقیہ، جامع علومِ عقلیہ ونقلیہ اور متضلع سنت نبویہ جماہیر اعلام اور مشاہیر اولی الحفظ والافہام میں سے تھے۔ خصوصاً آپ کو تحقیق فقہ وحدیث اور دریافت علوم کلام ومعقول میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ اور تحریر عبارت عربی میں ایسی طرز خاص رکھتے تھے کہ کئی ایک جزو ایک ایک وضع پر مسجع ومقفی لکھ جاتے تھے۔'' (فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیۃ، حدیقۂ یازدہم، رقم الترجمۃ: ملا علی قاری، ص:۴۲۱ مطبوعہ مکتبہ ربیعہ سلام مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی)

(۹) خیر الدین بن محمود الزرکلی (المتوفی ۱۳۹۶ھ) نے یوں لکھا ہے:

فقیہ حنفی، من صدور العلم فی عصرہ

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فقیہ حنفی اور اپنے زمانے میں علم کے ستون (شمار ہوتے) تھے۔'' (الزرکلی: الاعلام فی قاموس تراجم، رقم الترجمۃ: الملاعلی القاری، جلد: ۵، ص: ۱۲ مطبوعہ دار العلم للملایین بیروت، لبنان)

(۱۰) عمر بن رضا کحالۃ الدمشقی (التوفی ۱۴۰۸ھ) نے یوں لکھا ہے:

عالم مشارک فی انواع من العلوم

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ علوم کی کئی اقسام میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔'' (عمر بن رضا کحالۃ: معجم المؤلفین، رقم الترجمۃ: علی القاری، جلد: ۷، ص: ۱۰۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان)

(۱۱) شیخ عالم فقیہ حسین بن محمد سعید بن عبدالغنی المکی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (التوفی ۱۳۶۶ھ) یوں رقمطراز ہیں:

وکان أحد العلماء الأجلاء المحققین، ومن عظماء المصنّفین، متضلعاً فی کثیر من العلوم، عارفاً بدقائقها وأسرارها، ولہ التألیف المشورۃ المحررۃ فی شی الفنون النقلیۃ والعقلیۃ۔

''اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ جلیل القدر محقق علماء میں سے تھے اور عظیم مصنفین میں سے تھے۔ متعدد علوم میں خوب دسترس رکھنے والے بلکہ ان کے اسرار اور دقائق کی معرفت رکھنے والے تھے۔ آپ نے مختلف عقلی اور نقلی فنون پر مشتمل مشہور کتب تصنیف فرمائیں۔'' (حسین بن محمد مکی: ارشاد الساری الی مناسک الملاعلی القاری، ص: ح مطبوعہ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ)

(۱۲) شیخ علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ (التوفی ۱۳۷۱ھ) نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو مذہب حنفیہ کے کبار حفاظ اور کبار محدثین میں سے شمار کیا ہے۔ ملاحظہ

کریں۔(زاہد الکوثری: فقہ أہل العراق وحدیثھم ،بعض کبار الحفاظ وکبار المحدثین من أصحابہ وأہل مذہبہ، ص:۴۳، ص:۵۵مطبوعہ ایچ۔ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی)

استاد اور کتاب سے رغبت:

علوم کے حصول کے لئے عموماً دو ذرائع عمل میں لائے جاتے ہیں اور وہ ہیں ''استاد اور کتاب''۔کوئی بھی شخص جو علوم وفنون کی تحصیل چاہتا ہے وہ پہلے استاذ کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ طے کرتا ہے اور اس سے علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ مصادرِ علم سے فیوض و برکات سمیٹنے کے گر بھی سیکھتا ہے۔اور پھر ساری زندگی کتب سے علوم کی تحصیل میں جت جاتا ہے۔پھر وہ وقت بھی آتا ہے کہ وہ شخص علمی دنیا میں بہت بلند مقام حاصل کر لیتا ہے۔اسے جملہ علوم رائجہ اور فنون متداولہ میں مہارت تامہ حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مرجع خاص وعام بن جاتا ہے۔

امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ میں بھی استاد اور کتاب کی رغبت حد درجہ تھی۔آپ کے مؤرخین میں سے ایک یوں تحریر کرتے ہیں۔

فکان لایری الا ومعه کتاب أوبین یدی شیخ ۔لازم الامام القاری علماء بیت الله الحرام سنوات ۔ راغباً فی العلوم مولعاً بالتعلم والتعلیم حتی صار عالماً یشار الیه بالبنان، ویقصد فی طلب العلم

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ یا تو کتاب کا مطالعہ فرماتے یا پھر اپنے استاد کے سامنے بیٹھے رہتے۔امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کے بڑے بڑے علماء کرام کی صحبت و بارگاہ کو کئی سال خود پر لازم رکھا۔علوم سیکھنے میں بڑے راغب تھے۔تعلیم وتعلم کے بڑے دلدادہ تھے اس قدر بڑے عالم بن گئے یہاں تک کہ کئی علاقوں میں آپ کا شہرہ ہونے لگا اور لوگ طلب علم کی نیت سے آپ کی طرف قصد کرتے۔'' (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ

المصابیح، ترجمۃ الامام ملا علی القاری، نشأتہ العلمیۃ، ص: ۷ا مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

خدمت قرآنِ مجید:

بچپن ہی سے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو کلام الٰہی سے خاص انس تھا اور انہوں نے اسے زبانی یاد کرلیا تھا۔ ہر وقت اس کی تلاوت کرتے۔ قرأت و تجوید اور علم تفسیر کی مشاہیر فضلاء سے تحصیل کی تھی۔ پھر فن قرأت و تجوید اور علوم قرآنی میں ماہر و ممتاز مانے جانے لگے۔ قرآن مجید سے آپ کے خاص شغف اور لگاؤ کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ آپ ہر سال دو قرآن مجید خوبصورت خط کے ساتھ اپنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کی تفسیر پر بھی کام کیا ہے۔ جلالین کا حاشیہ بنام ''جمالین'' تحریر فرمایا۔

قاضی محمد زاہد الحسینی دیو بندی نے لکھا ہے کہ:

''جمالین'' کا ایک مخطوطہ ۱۲۳۴ھ از قلم ملا لطف اللہ بن عبد اللہ سکھری، کتب خانہ عرفانیہ ٹونک میں موجود ہے۔''

(زاہد الحسینی: تذکرۃ المفسرین، ص: ۲۶۵ مطبوعہ دار الارشاد مدینہ مسجد اٹک)

اس کے علاوہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید کی ایک مفصل اور مستقل تفسیر بھی تحریر فرمائی۔ جو آپ کی علوم قرآنیہ، علوم تفسیر و تشریح میں مہارت تامہ کی منہ بولتی تصویر ہے۔ تفسیر کا مطالعہ کرکے زبان سے بے ساختہ نکلتا ہے کہ'' آپ عدیم النظیر مفسر بھی تھے'' آپ نے کلام الٰہی کی خدمت کا حق ادا کرنے کی بھرپور کوشش و سعی عظیم کی ہے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر کا نام: ''انوار القرآن وأسرار الفرقان المعروف بہ تفسیر الملا علی القاری'' ہے اور اس پر تحقیق: ڈاکٹر ناجی السوید نے کی ہے۔ اور آپ کی یہ تفسیر ۵ جلدوں میں ''دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان'' سے مطبوع ہے۔

تجدیدی خدمات:

امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالی بدعات، منکرات اور خرافات کا سختی سے رد فرمایا کرتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا ہاتھ یا زبان سے ان کے سدباب کی بھرپور کوشش فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں کبھی کسی سے خوفزدہ نہ ہوتے، ضرورت پیش آتی تو علماء و حکام کی بھی سرزنش سے نہ چوکتے۔ اپنی کتب میں کئی مقامات پر آپ نے جرأت و دلیری اور دلائل کے ساتھ بدعات، منکرات اور خرافات کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا رد بلیغ بھی کیا ہے۔ چند مقامات ملاحظہ ہوں:

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: مهلا یا خالد فو الذی نفسی بیده لقد تابت توبةً لو تابها صاحب مكسن لغفر له کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

> والعجب كل العجب من علماء زماننا ومشايخ أواننا انهم يقبلون منهم هذا المال ويصرفونه فی تحصيل المنال، ولا يتأملون فی المال نسأل الله تعالیٰ العافية والرزق الحلال، وسن الأعمال .
>
> "تعجب بالائے تعجب ہے ہمارے زمانے کے ان علماء اور ہمارے وقت کے ان مشائخ پر، کہ وہ لوگوں سے یہ حقیر مال لیتے ہیں، اور پھر اسے مناصب کی تحصیل میں خرچ کرتے ہیں، اور انجام کے بارے میں کچھ نہیں سوچتے۔ ہم اللہ تعالیٰ ہی سے عافیت اور رزق حلال اور اچھے اعمال کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔" (ملا علی قاری: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الحدود، تحت الرقم: ۳۵۶۲، جلد: ۶، ص: ۲۳۳۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، لبنان)

☆ اس حدیث: فأما ابل الشياطين فقد رأيتها يخرج أحدكم بنجيبات معه قد أسمنها فلا يعلو بعيرًا منها ويمر بأخيه قد انقطع به فلا يحمله۔ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

وقد حدث في زماننا أعظم منه، وهو أن يكون مع الأكابر اہل كثيرة ويأخذوا ابل الضعفاء سخرةً، وربما تكون مستاجرةً في طريق الحج، فيرموا الحمول عنها ويأخذوها، ولاحول ولاقوة الا بالله

''ہمارے زمانے میں تو اس سے بھی بڑی بات ظہور پذیر ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ آج کل کے اکابر کے ساتھ بہت سے اونٹ ہوتے ہیں، اور کمزور لوگوں کے (لاغر) اونٹوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اونٹ حج کے راستے میں کرائے پر لئے گئے ہوتے ہیں، اور وہ ان کے سامان کو (استہزاءً) نیچے گرا دیتے ہیں۔ اور کبھی (جبراً) لے ہی لیتے ہیں، ولاحول ولاقوة الا بالله۔'' (ملا علی قاری: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الجہاد، باب: آداب السفر تحت الرقم: ۳۹۱۹، جلد: ۶، ص: ۲۵۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت، لبنان)

☆ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ حج کی ادائیگی کے دوران ہونے والی خلاف شرع باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ومن البدع المستنكرة: مايفعله كثير من الجهلة من ملازمة التزام البيت وتقبيله عند ارادة الطواف قبل الشروع فيه، اذ الذي سنه صلى الله عليه وسلم وهو النائب عن الله سبحانه و تعالىٰ انما هو الابتداء من الحجر، فلا يناسب البداءة بغيره۔

''ایک بری بدعت یہ پیدا ہوگئی ہے کہ بہت سارے جہلا بیت اللہ شریف کا طواف شروع کرنے سے پہلے ملتزم سے چمٹ جاتے ہیں اور اسے چومتے ہیں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار یہ تھا اور حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود سے طواف شروع فرماتے تھے، لہٰذا حجر اسود کے علاوہ سے طواف کی ابتداء

مناسب نہیں ہے۔"

☆تھوڑا آگے جا کر مزید یوں لکھتے ہیں:

ومن المنكر الفاحش: ما يفعله الآن نسوان بمكة في تلك البقعة من الاختلاط بالرجال، ومزاحمتهن لهم في تلك الحالة، مع تزينهن بأنواع الزينة واستعمالهن ما يفوح منه الروائح العطرة، فيشوش بذلك على متورعي الطائفين ويستجلن بسببه نظر الناظرين، وربما طاف بعضهن بكشف شيء من أعضائهن، لا سيما من أيديهن وأرجلهن، وقد تقع مما ستهن فتنتقض الطهارة عند الشافعية، وتنعدم صحة طوافهن وطواف من مسهن .

"اور ایک دوسری فحش برائی یہ ہے کہ اس مبارک سرزمین میں قسم قسم کی زیب وزینت اور تیز خوشبوؤں سے معطر عورتوں کا مردوں سے اختلاط ہوتا ہے اور وہ مردوں کی مرکز توجہ بنتی ہیں۔ بسا اوقات ان کا کوئی عضو بے پردہ ہوتا ہے، خاص طور سے ہاتھ اور پاؤں کھلے رہتے ہیں۔ اس حالت میں کبھی کبھی مرد کے جسم کا کوئی حصہ عورت کے بدن سے چھو جاتا ہے جس سے شوافع کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس طرح مرد وعورت دونوں کا طواف جاتا رہتا ہے۔"

(ملا علی قاری: المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط، ص:۲۴۰ مطبوعہ المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمۃ)

☆ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے علماء سوء (برے علماء) کا بھی خوب رد فرمایا لکھتے ہیں:

ويقرب من تقرب السلاطين ببناء المساجد والمدارس بالمال الحرام: تقرب علماء السوء بتعليم العلم للسفهاء والأشرار، والمشغولين بالفسق والفجور، القاصرين هممهم

على مماراة العلماء ومجادلة السفهاء واستمالة وجوه الناس وجمع حطام الدنيا وأخذ أموال السلاطين واليتامى المساكين فان هؤلاء اذا تعلموا كانوا قطاع طريق الله، وانتهض كل واحد (منهم) من بلدته نائبا عن الدجال، يتكالب على الدنيا ويتبع الهوى، ويتباعد عن التقوىٰ ويستجرى الناس بسبب مشاهدته على حب الدنيا، ثم قد ينتشر (ذلك) العلم الى مثله وأمثاله ويتخذونه أيضا آلةً ووسيلةً (فى) الشرو أنواع المعاصى، ويتسلل (ذلك) ووبال جميعه يرجع الى المعلم الذى علمه العلم مع علمه بفسادنيته وقصده ومشاهدته أنواع المعاصى من أقواله وأفعاله وفى مطعمه ومشربه وملبسه ومسكنه (ومكتسبه) فيموت هذا العالم وتبقى آثار شره منتشرةً فى العالم ألف سنة مثلاً (وألفى سنة)

''مالِ حرام سے مساجد اور مدارس بنا کر بادشاہوں کا قرب حاصل کرنے کے قریب قریب یہ برائی بھی ہے کہ علمائے سوء کا بے وقوف، فسق وفجور میں مشغول اور برے لوگوں کو علم سکھا کر تقرب حاصل کرنا جو علماء سے بحث و مباحثہ کرنے اور بے وقوفوں سے مناظرہ کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتے، دنیا کا سامان اکٹھا کرتے اور بادشاہوں، یتیموں اور مسکینوں کا مال لیتے ہیں۔ پس جب یہ لوگ علم حاصل کریں تو یہ اللہ تعالیٰ کی راہ کے ڈاکو ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے شہر میں دجال کا نائب بن کر نکلتا، دنیا کا بے انتہا حریص بنتا اور خواہش کی پیروی کرتا ہے۔ ایسا شخص تقویٰ سے دوری اختیار کرتا ہے تو لوگ اس کو دیکھ کر دنیا کی محبت پر

جری ہو جاتے ہیں پھر بعض اوقات یہ علم اس کی مثل لوگوں کی طرف پھیل جاتا ہے اور وہ اسے برائی اور گناہوں کا آلہ اور ذریعہ بنا لیتے ہیں اور یہ سلسلہ عام ہو جاتا ہے۔ اور اس تمام برائی کا وبال اس معلم کی طرف لوٹتا ہے۔ جس نے اس کی فاسد نیت اور ارادے کو جاننے کے باوجود اسے علم سکھایا اور اس کے اقوال وافعال، کھانے، پینے، لباس، رہائش اور کمانے میں مختلف قسم کے گناہ اس عالم کے مشاہدے میں ہیں پس یہ عالم مر جاتا ہے لیکن اس کے شر کے آثار دنیا میں ہزار (یا دو ہزار) سال تک پھیلے ہوئے باقی رہتے ہیں۔"

(ملا علی قاری: تطہیر الطویۃ بتحسین النیۃ، علماء السوء، ص: ۳۷، ۳۸ مطبوعہ دار الکتب صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور)

دسویں صدی کے مجدد:

امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ ان جلیل القدر علماء ومحدثین میں سے ایک تھے جنہوں نے سنت نبوی کی ترویج واحیاء، بدعات وخرافات کا قلع قمع کرنے، اور علوم ظاہرہ وباطنہ کی نشر واشاعت میں زندگی بسر کردی۔ اور ان کی ذات سے عام نفع ہوا، اور لوگوں کو آپ کی کتب کی احتیاج بہت زیادہ رہی ہے۔ اسی وجہ سے بہت سارے علماء ومؤرخین نے آپ کو دسویں صدی کا "مجدد" قرار دیا ہے۔

(۱) أبی الحسنات محمد عبد الحئ لکھنوی (المتوفی ۱۳۰۴ھ) نے لکھا ہے کہ:

وقد طالعت تصانيفه المذكورة كلها نفيسة في بابها فريدة، وله غير ذلك من رسائل لاتعدو لا تحصىٰ، وكلها مفيدة، بلغته الىٰ مرتبة المجددية علىٰ رأس الألف

"اور میں نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تمام مذکورہ تصانیف کا مطالعہ کیا، ہر ایک اپنے موضوع پر عمدہ اور یکتا ہے، مذکورہ تصانیف کے علاوہ بھی ان کے

بے شمار رسائل ہیں، وہ سب کے سب مفید ہیں، ان رسائل وکتب نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو دسویں صدی کے ''مجدد'' کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔''

(عبدالحیٔ لکھنوی: التعلیقات السنیۃ بہامش الفوائد البہیۃ، ص:۱۰ مطبوعہ مجلس برکات ہند)

(۲) لکھنویؒ صاحب اپنی ایک دوسری کتاب میں یوں رقمطراز ہیں:

''پہلی صدی کے مجدد بالاتفاق حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں اور دوسری صدی کے مجدد بالاتفاق حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں اور تیسری صدی کے مجدد قاضی ابوالعباس ابن شریح شافعی اور ابوالحسن اشعری اور محمد بن جریر طبری رحمہم اللہ ہیں اور چوتھی صدی کے مجدد ابوبکر بن باقلانی اور ابو الطیب صعلوکی وغیرہ ہیں اور پانچویں صدی کے مجدد امام غزالی ہیں اور چھٹی صدی کے مجدد امام فخر الدین رازی ہیں اور ساتویں صدی کے مجدد تقی الدین ابن دقیق العید ہیں اور آٹھویں صدی کے مجدد زین الدین عراقی اور شمس الدین جزری اور سراج الدین بلقینی رحمہم اللہ ہیں اور نویں صدی کے مجدد جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی اور شمس الدین سخاوی رحمہم اللہ ہیں اور خلاصۃ الاثر فی اعیان قرن الحادی عشر وغیرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی کے مجدد شہاب الدین رملی اور ملا علی قاری رحمہما اللہ وغیرہ ہیں۔'' (عبدالحیٔ لکھنوی: مجموعۃ الفتاویٰ (مترجم)، کتاب العلم والعلماء، جلد:۱، ص:۱۸ مطبوعہ ایچ۔ایم۔سعید کمپنی ادب منزل، پاکستان کراچی)

(۳) عبداللہ المرداد نے یوں لکھا ہے کہ:

الحاصل أنه كان فريد عصره وأوانه، ولقد أقسم المحقق العلامة ابن عابدين أنه كان مجدد زمانه

''خلاصہ یہ ہے کہ وہ (امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) وحید عصر اور یکتائے روزگار تھے، محقق علامہ ابن عابدین شامی نے یہ قسم کھائی ہے کہ وہ اپنے

زمانے کے ''مجدد'' تھے۔

(عبداللہ المرداد: مختصر نشر النور، ص: ۳۶۸، مطبوعہ عالم المعرفۃ جدۃ ۱۹۸۶ء)

(۴) امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب میں اپنے ''مجدد'' ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

وقد ثبت عنه عليه الصلاة والسلام: "أن الله يبعث لهذه الأمة على رأس مائة سنة من يجددلها دينها" ورواه أبو دائود والحاكم والبيهقى فى (المعرفة) عن أبى هريرة

فوالله العظيم، ورب النبى الكريم، أنى لو عرفت أحدا أعلم منى بالكتاب والسنة، من جهة مناها أومن طريق معناها، لقصدت اليه ولو حبوا بالوقوف لديه، وهذا لا أقوله فخرًا، بل تحدثا بنعمة الله وشكرًا، واستزيد من ربى مايكون لى ذخرًا ۔

''اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے کہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے اختتام پر ایسے شخص کو مبعوث فرماتا ہے جو اس کے دین کی تجدید کرتا ہے۔'' اور اس روایت کو امام ابوداؤد، امام حاکم، اور امام بیہقی نے اپنی ''المعرفۃ'' میں حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رب اللہ جل جلالہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی کتاب وسنت کا مجھ سے بڑا عالم ہے تو میں ضرور اس کی بارگاہ میں زانوئے ادب تہہ کرتا۔ یہ میں بطور فخر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے مزید کا خواہاں ہوں جو میرے لئے ذخیرۂ آخرت ہو۔'' (ملا علی قاری: شم العوارض فی ذم الروافض، حکم سب الصحابۃ عند

الحنفیۃ،ص:۳۷،۳۸مطبوعہ دار الکتب صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور)

(۵) علامہ شیخ السید محمد امین آفندی المعروف بہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

سیّدی ملا علی القاری وفی کلامه اشارة الی انه مجدد عصره وما اجدره بذلك، ولا ینکر علیه ماهنالك . الا کل متعصب هالك

''سیّدی ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کے ''مجدد'' ہیں۔اور یہ ان کے لئے کیا ہی زیبا ہے! صرف متعصب اور تباہ آدمی ہی اس (بات) کا منکر ہوسکتا ہے۔'' (ابن عابدین: مجموعۃ رسائل ابن عابدین، الرسالۃ الخامسۃ عشرۃ: تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الأنام،جلد:۱،ص:۳۶۸مطبوعہ مکتبہ محمودیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

(۶) مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ تعالیٰ یوں رقمطراز ہیں:

''مشہور زمانہ ہوکر سن ہزار کے سرے پر درجہ مجددیت کو پہنچے۔'' (فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیۃ، حدیقہ یازدہم، رقم الترجمۃ: ملا علی قاری، ص:۴۲۱مطبوعہ مکتبہ ربیعہ سلام مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی)

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

اس عقیدے پر پوری اُمت مسلمہ کا قطعی، یقینی اجماع ہے کہ حضور نبی مکرم، شفیع معظم، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کا عشق ایمان ہے، ایمان کی جان ہے، جان کا چین ہے اور چین کا سامان ہے۔سیّدی اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کو اپنے ایمان افروز کلام میں یوں بیان کیا ہے:

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں

ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

تمام رشتوں، ناتوں، دوستوں اور تعلقات سے بڑھ کر اگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں تو ایمان نامکمل ہے۔ حضرت امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سب سے نمایاں وصف نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت تھا۔ ان کے اس وصف خاص کا اظہار صرف زبان وقلم ہی سے نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ ان کے دل میں رچا ہوا اور رگ وریشہ میں سمایا ہوا تھا۔ شدتِ عشق کی کیفیت یہ تھی کہ خود لکھتے ہیں:

ثم انی بتوفیق الله سبحانه التزمت فی کل وقفة واقعة فی الجمعة أن أحرم عن الحضرة الرسالة المحمدية .

''پھر میں (یعنی ملا علی قاری) نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی توفیق سے ہر جمعہ جو مجھے مکہ مکرمہ میں نصیب ہوا میں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف (سے) عمرہ کا احرام باندھا۔'' (ملا علی قاری: الحظ الأوفر فی الحج الاکبر، ص:۹۴ مطبوعہ المکتبۃ المعروفیۃ کانسی روڈ کوئٹہ)

قارئین عظام! راقم الحروف کی نظر سے بے شمار محدثین، فقہاء، مفسرین اور صوفیاء کرام کا تذکرہ گزرا اور وہ بھی بار بار گزرا، ان سب کی نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کی عجیب وغریب داستانیں جو انہوں نے رقم فرمائیں نظر سے گزریں مگر امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ سرکارِ مدینہ، سرور قلب وسینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کے اس نرالے انداز کے ساتھ منفرد نظر آتے ہیں۔

حضور غوثِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے عقیدت ومحبت:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان وعظمت میں مستقل ایک کتاب بنام ''نزہۃ الخاطر الفاطر فی ترجمۃ سیدی الشریف عبدالقادر'' تحریر فرمائی۔ جو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی حضور غوث اعظم رحمہ اللہ

تعالیٰ سے بے پناہ حسن عقیدت ومحبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انہوں نے عقیدت ومحبت کے باوجود جس خوبصورتی سے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیرت نگاری کے حق کو ادا کیا ہے وہ آپ کی منصفانہ فرائض کی بجا آوری کی اعلیٰ دلیل ہے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے شروع میں حضور غوث اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر پاک جس انداز سے فرمایا ہے اس کا ایک ایک حرف آپ کی عقیدت ومحبت کو خوب ظاہر کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"مولانا و سيّدنا تاج المفاخر......، القطب الرباني والغوث الاعظم الصمداني، سلطان الاولياء والعارفين، الباز الاشهب، والسيف الاشطب، والطراز المذهب السيّد الشريف شيخ الاسلام، محي الملة والدين عبدالقادر الحسني الحسيني الجيلاني قدس الله روحه وفتح علينا فتوحه"

"ہمارے مولا اور ہمارے آقا تاج المفاخر...... قطب ربانی، غوث اعظم صمدانی، ولیوں اور عارفوں کے سلطان، باز اشہب، لاجواب تلوار، بہترین مذہب اور نظریے کے حامل السیّد الشریف، شیخ الاسلام، دین وملت کے زندہ کرنے والے، شیخ عبدالقادر الحسنی الحسینی الجیلانی اللہ تعالیٰ ان کی روح پرفتوح کو اور عظمتیں بخشے اور ہم پر ان کے فیوض وبرکات کو کھول دے۔"

(ملا علی قاری: نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیدی الشریف عبدالقادر سلطان الاولیاء الاکابر، ص:۹ مطبوعہ مؤسسۃ الشریف)

دفاعِ غوثِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ:

امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے دور میں کچھ ناعاقبت اندیشوں، حاسدوں، منافقوں اور رافضیوں نے سیّدی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کچھ

الزام تراشیاں کیں، جس کا ذکر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ یوں کرتے ہیں:

انہ بلغنی ان بعض الرفضة الحسدة المنافقين الخونة المحجوبين الجهلة بمقام مولانا و سیّدنا السیّد الشريف شيخ الاسلام محی الملة والدين عبدالقادر الحسنی الحسينی الجيلانی...... قال ان حضرة سیّدنا الشيخ ليس بسیّد فی النسب وانه لم يعقب اولاد امتی بهم ينتسب الی ان بعض المتفقهة فی المكتب افتی وفی كلام اهل الضلال والطغيان الجملة العامة، حيث لم يوفق بتحقيق الخاصة وكان حقه ان يقول لاادری فانه نصف العلم كماجاء فی الحديث المروی، واما الجرآءة فی باب النسب بنفی او اثبات من غير نقل و تحقيق عن عدول واثبات، فغير لايقة لا رباب العلوم والديانات .

''مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بعض رافضیوں، حاسدوں، منافقوں، خیانت کرنے والوں، گمراہوں جاہلوں نے ہمارے مولیٰ اور ہمارے آقا السیّد الشریف شیخ الاسلام، محی الملۃ والدین شیخ عبدالقادر الحسنی الحسینی الجیلانی...... کی عظمت اور مقام کے بارے میں اعتراض کیا اور کہا کہ آپ نسبی سیّد نہیں ہیں۔ حالانکہ ان گمراہوں اور سرکشوں کے اس اعتراض میں ہی جہالت عامہ پائی جاتی ہے۔ جو خاص اور نکھری ہوئی تحقیق سے موافقت نہیں رکھتی، حق تو یہ تھا کہ نہ جاننے والا جاہل شخص ''لا ادری'' یعنی میں نہیں جانتا کہہ دیتا تو یہ بھی نصف علم تھا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں مروی ہے۔ لیکن نسبت کے باب میں بغیر نقل اور تحقیق کے یونہی نفی یا اثبات کی جرأت کرنا یہ اربابِ علوم و دیانت کا شیوہ نہیں ہے۔'' (ملا علی قاری: نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیّدی الشریف

عبدالقادر، ص:۹،۱۰ امطبوعہ مؤسسۃ الشرف)

ان حالات میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دفاع غوث اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ میں قلم اُٹھایا اور دلائل و براہین سے الزام تراشوں کی الزام تراشیوں کا خوب پردہ چاک کرتے ہوئے ان کا ناطقہ بند کیا۔ اور ان کا ایسا محاسبہ کیا کہ دوبارہ انہیں الزام تراشی کی جرأت نہ ہوئی۔ حضور غوث اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نسب پر وارد تمام اشکالات کا رد بلیغ کرنے کے بعد آپ رحمہ اللہ تعالیٰ یوں گویا ہوئے:

وبه تبين ان حضرة سيّدنا الشيخ رضى الله عنه سيّد شريف الطرفين صحيح النسبين من الابوين للامامين الاحسنين الحسن والحسين رضى الله عنهما بحسب الابتداء الذر عليه مدار الانتهاء متواتر صحيح ثابت كظهور الشمس فى رابعة النهار لايقبل الحمحمة والنزاع والتأويل والدفاع كما عليه الاجماع رغما للمبتدعة الرفضة اهل الزيغ والنفاق والشقاق والحسد حفظنا الله والمسلمين من كيد الحاسدين الضالين المضلين الذين يحسدون الناس على ما آتاهم الله من فضله وهو ارحم الراحمين ۔

"اس سے ثابت ہو گیا کہ ہمارے آقا حضرت شیخ رضی اللہ عنہ اصلی سیّد، شریف الطرفین، والدین کی طرف سے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما سے صحیح منسوب ہیں۔ بلکہ یہ صحت نسب ابتداء سے انتہاء تک متواتر اً صحیح اور ثابت ہے جیسے روشن دن کا سورج، لہٰذا اس امر کے لئے نہ کوئی تاویل نہ کوئی جھگڑا نہ خیال اور نہ ہی وہم مانع ہو سکتا ہے۔ بلکہ آپ کے اصلی نسلی سیّد ہونے پر امت کا ایسا اجماع ہے جو رافضیوں، بدعتیوں، ٹیڑھوں، منافقوں، بدبختوں اور حاسدوں کی ناک خاک آلودہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ اللہ

تعالیٰ ہماری اور مسلمانوں کی حاسدوں، گمراہوں، گمراہ گروں کے شر سے حفاظت فرمائے جو لوگوں سے صرف اس وجہ سے حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو (ان بزرگوں کی صورت میں) اپنا فضل عطا فرمایا ہے اور وہ سب سے بڑا رحم فرمانے والا ہے۔'' (ملا علی قاری: نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیّدی الشریف عبد القادر، ص:۱۲ مطبوعہ مؤسسۃ الشرف)

تصانیف:

امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا شمار گیارہویں صدی کے جلیل القدر اور صدور العلم علماء میں ہوتا تھا۔ آپ عمدۃ المحققین، نبراس المدققین اور اپنے زمانے کے جید اور مشہور علماء میں سے تھے۔ اور اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آپ عظیم فقیہ، بہترین مفسر، عمدہ قاری، اور بے مثال متکلم و محدث تھے حدیث، تفسیر، فقہ، عقائد، قرأت و تجوید، فرائض، تراجم، ادب، لغت، نحو اور مواعظ و نصائح وغیرہ موضوعات پر آپ کی تصنیفات نے اصلاحِ اُمت کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ آپ نے خاص طور پر تحقیق فقہ و حدیث اور دریافت علوم کلام و منقول پر بڑا کام کیا ان موضوعات پر آپ کی علمی کوششیں آج تک اہل علم کے لئے مشعل راہ کا کام دے رہی ہیں۔ آپ کی علمی مقبولیت کا اندازہ صرف اس بات سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''آپ کی تصانیف پر ۱۸۲ فقہاء و محدثین (مؤلفین و معلقین) نے خراجِ عقیدت پیش کیا اور آپ کی تشریحات کو اپنی تصانیف کی بنیاد قرار دیا۔''

(نزہۃ الخاطر الفاتر فی مناقب سیّدنا شیخ عبد القادر جیلانی، ص:۹ مطبوعہ قادری رضوی کتب خانہ لاہور)

مزید لکھتے ہیں کہ:

''آپ کی تجدیدی اور اجتہادی تشریحات نے اہل علم کو بڑا متاثر کیا۔ آپ کے اندازِ فکر نے اپنے معاصرین اور بعد میں آنے والے علماء کے ایک طبقہ کو تشریح حدیث اور تفہیم قرآن پر کام کرنے کا ایک نیا انداز بخشا اس صدی

کے اکثر مشاہیر کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیا جائے۔تو ہم تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ عالم اسلام کے مختلف حصوں میں علمائے کرام کی علمی کاوشوں کا رُخ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اندازِ فکر سے ہم آہنگ ہے۔

پاک وہند میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (جو کہ آپ کے ہم سبق اور شاگرد بھی تھے) حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی، مصر میں علامہ خفاجی (احمد شہاب الدین بن محمد حجر خفاجی المتوفی ۱۰۶۹ھ) مولانا زین العابدین بن ابراہیم بن نجیب مصری (المتوفی ۱۰۷۵ھ مصنف اشباہ والنظائر) علامہ شیخ شہاب الدین شعمی اور شام میں محمد بن علی حصکفی (مصنف درالمختار المتوفی ۱۰۸۸ھ) ابراہیم بن عبدالرحمٰن دمشقی (المتوفی ۱۰۹۵ھ) اور مکہ میں شیخ علی بن جاراللہ قرشی مکی (المتوفی ۱۰۹۶ھ) جیسے مشاہیر کی تصانیف ملا علی قاری کی تشریحات سے متاثر دکھائی دیتی ہیں۔'' (ایضاً،ص:۱۵)

تصانیف ملا علی قاری کی مقبولیت وشہرت کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے وہ وہ دنیا کے تقریباً تمام کتب خانوں میں موجود نظر آتی ہیں۔اس کے علاوہ شاید ہی کوئی لائبریری ہوگی جس میں آپ کی کوئی نہ کوئی کتاب موجود نہ ہو۔ الحمد للہ راقم الحروف کی لائبریری میں آپ کی تقریباً پچاسی (۸۵) کتب و رسائل موجود ہیں۔

محمد امین بن فضل اللہ بن محبّ الدین بن محمد المحبی الحموی الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۱۱۱ھ) آپ کی تصانیف کی افادیت واہمیت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

واشتهر ذكره، وطارصيته، وألف التاليف الكثيرة، اللطيفة التأدية المحتوية على الفوائد الجليلة ـ

''اور وہ (امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) زمانے میں شہرت یافتہ ہیں۔ انہوں نے بہت ساری کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جو نہایت عمدہ، نفع بخش

اور عظیم فوائد پر مشتمل ہیں۔"

(المحبی: خلاصۃ الأثر فی أعیان القرن الحادی عشر، جلد:۳، ص:۱۸۵ مطبوعہ دار صادر بیروت، لبنان)

تصنیفات کی تعداد:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر، حدیث، شروح حدیث، فقہ، قرأت وتجوید، تاریخ، تراجم اور فضائل جیسے موضوعات پر کئی کتب تصنیف وتالیف فرمائی تھیں آپ کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد میں متعدد اقوال آپ کے تذکرہ نگاروں نے سپرد قلم کئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

☆ بعض علماء کہتے ہیں کہ:

سمع من حفید الامام القاری فی مکة المکرمة أنه قال: ان لجدنا ثلاثمائة مؤلف وانه وقفها لأولاده وشرط أن لایمنع من الاستنساخ

"امام ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پوتے سے مکہ مکرمہ میں سنا گیا وہ کہتے تھے کہ "ہمارے دادا کی تین سو تصنیفات ہیں، اور انہوں نے اپنے بیٹوں کے لئے اپنی کتب کو وقف فرمادیا تھا اس شرط کے ساتھ کہ ان کی کتب کے استفادے سے منع نہ کیا جائے گا۔" (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ترجمۃ الامام ملاعلی القاری، مؤلفاتہ، جلد:۱، ص:۲۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

☆ مرقاۃ المفاتیح کے شروع میں جس تذکرہ نگار نے ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات قلمبند کئے ہیں، وہ اپنی تحقیق یوں بیان کرتے ہیں:

فوقفت علی فهرسة لمؤلفات الامام القاری...... ما یرید علی مائتین وستین کتاباً

"پس میں امام ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیفات کی فہرست پر واقف ہوا ہوں،...... جو ۲۶۰ سے زیادہ کتابیں ہیں۔" (ایضا)

☆ ڈاکٹر خلیل احمد قوتلائی نے اپنی کتاب ''الامام علی القاری وأثرہ فی علم الحدیث'' میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیفات کی تعداد ۱۴۸ بیان کی ہے۔

تصانیف کے اسماء:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مختلف موضوعات پر لکھی گئی غیر مطبوعہ تصنیفات کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) الأثمار الجنية فى أسماء الحنفية

(۲) تشييع فقهاء الحنفية لتشنيع سفهاء الشافعية

(۳) حاشية على شرح الجعبرى للقصيدة الشاطبية

(۴) الازهار المنثورة فى الأحاديث المشهورة

(۵) اقتداء الحنفية بالسادة الشافعية

(۶) رسالة فى بيان صفة مزاح النبى صلى الله عليه وسلم

(۷) رسالة فى حماية مذهب الامام أبى حنيفة

(۸) رسالة فى الجمع بين الصلاتين

(۹) الجمالين علىٰ الجلالين (۱۰) حاشية على فتح القدير

(۱۱) فيض السماوى فى تخريج قرأت البيضاوى

(۱۲) الناموس فى تلخيص القاموس (۱۳) شرح الرسالة القشيرية

(۱۴) شرح مغنى اللبيب عن كتب الاعاريب

(۱۵) شرح صحيح مسلم

(۱۶) شرح الجامع الصغير للسيوطى (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ترجمۃ الامام ملا علی القاری، مؤلفاتہ، جلد:۱، ص:۲۳، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مختلف موضوعات پر لکھی گئی مطبوعہ کتب کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱۷)اربعون حدیثاً من جوامع الکلم

(۱۸)رفع الجناح وخفض الجناح بأربعین حدیثاً فی باب النکاح

(۱۹)تحفة الخطیب وموعظة الحبیب

(۲۰)اعراب کلمة (اول) فی حدیث البراء بن عازب رضی اللّٰہ عنہ فی صحیح البخاری

(۲۱)معرفة النساك فی معرفة فضیلة الاستیاك

(۲۲)زبدة الشمائل وعمدة المسائل (۲۳)رسالة فی أبناء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

(۲۴)تعلیقات القاری علی ثلاثیات البخاری

(۲۵)اعراب القاری علی اول باب البخاری

(۲۶)تسلیة الأعمی عن بلیة العمی (۲۷)فضائل بیت اللّٰہ الحرام

(۲۸)استیناس الناس بفضائل ابن عباس

(۲۹)البرة فی حب الهرة

(۳۰)الضابطیة للشاطبیة اللامیة

(۳۱)الانباء بان العصامن سنن الأنبیاء

(۳۲)العلامات البینات فی فضائل بعض الآیات

(۳۳)تعقیب علی البیضاوی فی قوله تعالیٰ: (واخرین مقرنین فی الأصفاد)

(۳۴)البینات فی بیان بعض الآیات

(۳۵)التبیان فی بیان مافی لیلة النصف من شعبان ولیلة القدر من رمضان

(۳۶)صنعة اللّٰہ فی صیغة صبغة اللّٰہ

(۳۷)فتح الاسماع فی شرح السماع

(۳۸)المسالة فی البسملة

(۳۹)الاعتناء بالغناء فی الفناء

(۴۰)شفاء السالك فی ارسال مالك

(۴۱)رسالة فی بیان افراد الصلاة عن السلام هل یكره أم لا؟

(۴۲)الاهتداء فی الاقتداء (۴۳)لب لباب المناسك

(۴۴)بدایة السالك فی نهایة المسالك

(۴۵)تزیین العبارة لتحسین الاشارة

(۴۶)صلات الجوائز فی صلاة الجنائز

(۴۷)الوقوف بالتحقیق علی موقف الصدیق

(۴۸)الصنیعة فی تحقیق البقعة المنیعة

(۴۹)بیان فعل الخیر اذا دخل مكة من حج عن الغیر

(۵۰)رسالة فی بیان التمتع فی أشهر الحج للمقیم بمكة من عامه

(۵۱)الاصطناع فی الاضطباع

(۵۲)أنوار الحج فی اسرار الحج

(۵۲)البرهان الجلی العلی علی من سمی من غیر مسمی بالولی

(۵۳)ذیل البرهان الجلی العلی علی من سمی من غیر مسمی بالولی

(۵۴)المقالة العذبة فی العمامة والعذبة

(۵۵)تحقیق الاحتساب فی تدقیق الانتساب

(۵۶)فیض الفائض لشرح روض الرائض فی مسائل الفرائض

(۵۷)التجرید فی اعراب كلمة التوحید وما یتعلق بمعناها من التمجید

(۵۸)الأجوبة المحررة فی البیضة الخبیثة المنكرة

(۵۹)التوکیل فی النکاح
(۶۰)الاستدعاء فی الاستسقاء
(۶۱)التصریح فی شرح التسریح
(۶۲)الملمع شرح نعت المزصع
(۶۳)ادلۃ معتقد ابی حنیفۃ فی ابوی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۶۴)النسبۃ المرتبۃ فی المعرفۃ والمحبۃ
(۶۵)شرح تصریف العزی
(۶۶)مرتبۃ الوجود ومنزلۃ الشھود
(۶۷)ذیل مرتبۃ الوجود ومنزلۃ الشھود
(۶۸)سلالۃ الرسالۃ (۶۹)شرح الفاظ الکفر
(۷۰)فر العون من مدعی ایمان فرعون
(۷۱)تبعید العلماء عن تقریب الأمراء
(۷۲)الرسالۃ التائیۃ فی شرح التائیۃ
(۷۳)ذیل الرسالۃ التائیۃ فی شرح التائیۃ
(۷۴)شم العوارض فی ذم الروافض
(۷۵)القول السدید فی خلف الوعید
(۷۶)المبین المعین لفھم الأربعین
(۷۷)الکلام علی تحریم سماع الأغانی
(۷۸)الرد علی القائلین بوحدۃ الوجود
(۷۹)الفتح الربانی فی شرح تصریف الزنجانی
(۸۰)شرح عین العلم وزین الحلم
(۸۱)رسالۃ فی ما یتعلق بلیلۃ النصف من شعبان

(۸۲)الحرز الثمین للحصن الحصین لابن الجزری

(۸۳)جمع الوسائل فی شرح الشمائل

(۸۴)أنوار القرآن وأسرار الفرقان المعروف به تفسیر الملا علی القاری (۵ جلدیں)

(۸۵)شرح الشفاء فی حقوق المصطفٰی

(۸۶)شرح مسند الامام أبی حنیفة

(۸۷)المشرب الوردی فی مذهب المهدی

(۸۸)کشف الخدر عن حال الخضر

(۸۹)ضوء المعالی شرح بدء الأمالی

(۹۰)شرح المؤطاء (۹۱)الحذر فی امر الخضر

(۹۲)المنح الذکریة بشرح المقدمة الجزریة

(۹۳)فتح باب العنایة بشرح کتاب النقایة

(۹۴)شرح الوقایة فی مسائل الهدایة

(۹۵)شرح بانت سعاد

(۹۶)الفضل المعول فی الصف الاول

(۹۷)فرائد القلائد علی أحادیث شرح العقائد

(۹۸)الدرة المضیة فی الزیارة المصطفویة

(۹۹)الأربعون فی الأحادیث القدسیة

(۱۰۰)المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ان کتب کے اسماء درج ذیل ہیں جو ترجمہ، تخریج، تحشیہ اور تحقیق کے ساتھ مطبوع ہیں:

(۱۰۱)تطهیر العیبة من دنس الغیبة:

اس کتاب کا اردو ترجمہ وتحقیق بنام: ''غیبت کی خرابیاں'' حضرت مولانا محمد شمشاد عالم مصباحی صاحب نے کیا ہے۔اور اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن حیدر آباد، دکن سے شائع ہو چکا ہے۔

(۱۰۲)المقدمة السالمة فی خوف الخاتمة:

اس کا ترجمہ، تحقیق وتعلیق کی سعادت حضرت مولانا محمد رئیس اختر مصباحی بارہ بنکوی صاحب نے حاصل کی ہے۔اور ترجمہ بنام: ''خوف خاتمہ'' اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن حیدر آباد، دکن سے شائع ہوا ہے۔

(۱۰۳)الادب فی رجب:

اس کے ترجمہ، تخریج اور تحقیق کو حضرت مولانا محمد عرفان طریقتی القادری صاحب (مدیر ماہنامہ بہار اسلام) نے بااحسن انجام دیا ہے۔اور یہ بہار اسلام پبلی کیشنز لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

(۱۰۴)الذخیرة الکثیرة فی رجاء المغفرة للکبیرة:

اس کا اردو ترجمہ: ''ذخیرہ کثیرہ حاجیوں کی توبہ، نوید مغفرت کبیرہ'' کے نام سے جمعیت اشاعت اہلسنت کراچی پاکستان سے مطبوع ہے۔اس کا ترجمہ: حضرت مولانا مختار اشرفی صاحب اور تخریج وتحشیہ کا کام حضرت مولانا بلال رضا معروف قادری صاحب نے بخوبی انجام دیا ہے۔

(۱۰۵)الحظ الأوفر فی الحج الاکبر:

اس کتاب کا اردو ترجمہ: حضرت مولانا مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی صاحب (رئیس دار الحدیث والافتاء جامعۃ النور) نے کیا ہے، ترجمہ کے ساتھ مفتی صاحب کی لکھی ''تائید الحظ الأوفر فی الحج الاکبر'' اور تخریج وتحشیہ نے کتاب کی اہمیت کو مزید دوبالا کر دیا ہے۔ترجمہ بنام: ''حج اکبر کی حقیقت'' جمعیت اشاعت اہلسنت کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

(۱۰۶)رسالة فی بیان الوضع والارسال فی حالة الطواف:

اس کا اردو ترجمہ بنام: ''حالت طواف میں ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے کا حکم'' کرنے کا فریضہ حضرت مولانا مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی صاحب نے انجام دیا ہے۔ مفتی صاحب نے اس کی تخریج وحواشی لکھ کر وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اور یہ جمعیت اشاعت اہلسنت کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

(۱۰۷)تطهیر الطویة فی تحسین النیة:

اس کا اردو ترجمہ بنام: ''اسلام اور حسن نیت'' کرنے کی سعادت حضرت مولانا محمد آفتاب رضا العطاری المدنی صاحب نے حاصل کی ہے۔ اس پر تقدیم، تحشیہ و تخریج کا کام حضرت مولانا مہتاب احمد رضوی نعیمی صاحب نے کیا ہے۔ جمعیت اشاعت اہلسنت کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۱۰۸):معدن العدنی فی فضائل أویس القرنی رضی اللہ عنہ:

اس کا اردو ترجمہ وتخریج ''تاجدارِ یمن رضی اللہ عنہ'' کے نام سے حضرت مولانا ابو زہیب محمد ظفر علی سیالوی صاحب نے کیا ہے۔ اور یہ اکبر بک سیلرز اردو بازار لاہور سے مطبوع ہے۔

(۱۰۹)المورد الروی فی مولد النبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

اس کتاب کا اردو ترجمہ کے فرائض کو فضیلۃ الشیخ مفتی ابو محمد اعجاز احمد صاحب نے بخوبی انجام دیا ہے۔ اور تخریج ابو زہیب محمد ظفر علی سیالوی صاحب نے کی ہے۔ یہ زاویہ پبلشرز دربار مارکیٹ لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

(۱۱۰)نـزهة الخاطر الفاتر فی ترجمة سیّدی الشریف عبدالقادر سلطان الاولیاء الاکابر:

اس کتاب کا اردو ترجمہ پیرزادہ حضرت مولانا اقبال احمد فاروقی (ایم۔اے) صاحب نے کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اور تکمیل ترجمہ وتخریج کے فرائض

ابوذہیب محمد ظفر علی سیالوی صاحب نے انجام دیئے اور اشاعت کے فرائض کو قادری رضوی کتب خانہ لاہور نے انجام دیا ہے۔

(۱۱۱)شرح فقہ اکبر:

اس کتاب کا اردو ترجمہ وشرح کا کام بنام: ''شرح شرح فقہ اکبر'' حضرت مولانا لیاقت علی رضوی صاحب نے کیا ہے۔اور یہ کتاب شبیر برادرز اردو بازار لاہور سے شائع ہوچکی ہے۔

(۱۱۲)الفصول المهمة فی حصول المتمة:

اس کا اردو ترجمہ بعنوان: ''نمازیں ضائع مت کیجئے'' حضرت مولانا حافظ ابو الحارث عبدالرحمٰن المدنی صاحب نے کیا ہے۔اور تخریج مترجم اور مولانا ابوحمزہ محمد عمران المدنی صاحب نے کی ہے۔جمعیت اشاعت اہلسنت کراچی سے مطبوع ہے۔

(۱۱۳)جمع الاربعین فی فضل القرآن المبین:

اس کا اردو ترجمہ حضرت مولانا محمد مختار اشرفی صاحب (صدر مدرس جامعۃ النور کراچی) نے کیا ہے۔اور تخریج وحواشی کا کام حضرت مولانا مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی صاحب نے کیا ہے۔جمعیت اشاعت اہلسنت کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۱۱۴)الأسرار المرفوعة فی أخبار الموضوعة:

اس کا اردو ترجمہ حافظ محمد انور زاہد نے اور اس پر تحقیق وتخریج کا کام ابو ہاجر محمد السعید بن بسیونی زغلول نے کیا ہے۔یہ کتاب نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور سے شائع ہوچکی ہے۔

(۱۱۵)الحزب الاعظم والورد الأفخم لانتسابة واستناده الی الرسول الأکرم صلی اللہ علیہ وسلم:

اس کتاب کا اردو ترجمہ مولوی بدر عالم میرٹھی دیوبندی نے کیا ہے۔اور اسے مکتبۃ

البشری کراچی والوں نے شائع کیا ہے۔

(۱۱۶)مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح:

اس کتاب کا اردو ترجمہ دیوبندی مولوی راؤ محمد ندیم نے کیا ہے۔اور یہ کتاب مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور سے مطبوع ہے۔یہ کتاب آپ کے علم وفکر کا عظیم مجموعہ اور آپ کی حیاتِ علمیہ کا لاثانی سرمایہ ہے۔یہ کتاب ''مشکاۃ المصابیح'' کی سب سے زیادہ مفصل اور مستند شرح مانی جاتی ہے۔

(۱۱۷)الزبدۃ فی شرح قصیدۃ البردۃ:

یہ کتاب امام شرف الدین محمد بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ''قصیدہ بردہ'' کی معروف شرح ہے۔یاد رہے کہ صاحب قصیدہ مصر کے رہنے والے ایک ذہین وفطین عالم تھے۔ کیونکہ وہ مصر کے ایک گاؤں ''بوصیر'' میں رہتے تھے اسی لئے ''بوصیری'' کہلاتے ہیں۔ آپ عربی علوم کے عالم اور بڑے فصیح و بلیغ لہجہ والے تھے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بھرے مجمعوں میں ان جیسا فصیح و بلیغ دیکھنے میں نہیں آیا۔ابتدائی عمر میں آپ بادشاہوں کے قریبی اور سب کے ہاں مانے ہوئے تھے۔

> ''ایک دن آپ ایک بادشاہ سے مل کر گھر واپس آرہے تھے کہ بازار میں ایک بزرگ شیخ سے ملاقات ہوگئی،انہوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آج رات آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہے؟ امام بوصیری بتاتے ہیں کہ میں نے گزشتہ رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت تو نہیں کی تھی تاہم ان کی اس بات پر میرا دل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت سے بھر گیا۔چنانچہ میں گھر واپس آکر سو گیا تو خواب میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی،آپ کے صحابہ بھی ہمراہ تھے اور آپ ان میں یوں دکھائی دے رہے تھے جیسے ستاروں میں سورج نمایاں نظر آتا ہے۔میں جاگا تو میرے دل میں محبت اور خوشی بھر چکی

تھی اور پھر میرے دل میں اس نور سے پیار عرصہ تک قائم رہا چنانچہ میں نے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں "قصیدہ مضریہ" اور "قصیدہ ہمزیہ" جیسے بہت سے قصیدے لکھے۔

امام بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ ہی بتاتے ہیں کہ اس کے بعد مجھ پر فالج کا ایسا حملہ ہوا جس نے میرا آدھا جسم بے کار کر دیا اور مجھے ہلنے جلنے سے بھی روک دیا۔ اسی دوران مجھے خیال آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھ کر اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے تندرستی مانگتا ہوں چنانچہ میں نے یہ قصیدہ لکھا، میں سویا تو خواب میں مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگئی۔ میں نے آپ کو پورا قصیدہ پڑھ کر سنایا جس پر آپ نے میرے جسم کے حصوں پر اپنا دست اقدس پھیر دیا، میں خواب سے بیدار ہوا تو پوری طرح تندرست ہو چکا تھا اور کوئی تکلیف باقی نہ رہی تھی۔ اسی دوران سویرے سویرے میں گھر سے نکلا تو اپنے دوست شیخ ابو الرجاء سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے بھائی! مجھے وہ قصیدہ تو دکھاؤ جس میں آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کی ہے حالانکہ ابھی تک میں نے اس قصیدے کے بارے میں کسی سے بات نہیں کی تھی چنانچہ میں نے پوچھا: آپ کس قصیدے کی بات کر رہے ہیں میں نے تو آپ کی شان میں کئی قصیدے لکھے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہی قصیدہ جو "امن تذکر جیران الخ" کے شعر سے شروع ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اے ابو الرجاء! میں نے تو اپنے پاس آنے والے کسی بھی شخص کو یہ قصیدہ پڑھ کر نہیں سنایا تو آپ نے کہاں سے یاد کر لیا ہے؟ اس پر انہوں نے بتایا کہ میں نے اسی گزشتہ رات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تمہیں سناتے ہوئے سنا ہے جس پر وہ خوشی سے یوں جھوم رہے تھے جیسے صبح کی

ہواؤں سے پھل دار ٹہنیاں ہلتی ہیں۔ چنانچہ میں نے انہیں وہ قصیدہ دے دیا اور وہ سب لوگوں میں مشہور ہو گیا۔'' (الخرپوتی: عصیدۃ الشہدۃ شرح قصیدہ البردۃ، ص:۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی)

امام بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قصیدہ مبارکہ کو چہار دانگ عالم میں وہ مقبولیت ملی جو شاید آپ کے بعد کسی دوسرے کے قصیدے کو نہ مل سکی۔ اس قصیدہ کی بے شمار شروحات لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ اس قصیدہ کے فیوض و برکات بھی کسی ذی شعور سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ اس قصیدہ کی معروف شروحات میں امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ شرح سرفہرست ہے۔

مولانا ابو ذہیب محمد ظفر علی سیالوی صاحب نے اس کتاب کا ''شرح قصیدہ بردہ شریف'' کے نام سے اردو ترجمہ کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اس کتاب میں موجود مکمل احادیث و آثار کی تخریج فرما کر دورِ حاضر کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی سعی عظیم کی ہے۔ میری معلومات کے مطابق یہ کتاب جدید تحقیق کے ساتھ پہلی بار منظر عام پر آ رہی ہے۔ مولانا سیالوی صاحب اپنی اس کاوش پر جماعتی شکریہ کے مستحق ہیں۔

تلامذہ:

حضرت امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی علم و فن سے خصوصی محبت ہی تھی کہ آپ کی شہرت کا نقارہ بلاد اسلامیہ کے طول و عرض میں بجنے لگا اور طالبان علم جوق در جوق آپ کی مجالس علم میں حاضر ہونے لگے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب و تالیفات، وعظ و ارشاد سے جہاں کثیر عام و خاص مستفیض ہوئے وہیں ایک خلق کثیر نے آپ کے بحر علم سے تشنگی بجھائی۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں آپ کے خوانِ علم سے بے شمار تلامذہ نے خوشہ چینی کی اور اپنے اپنے علاقوں میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ لیکن حیرت ہے کہ آپ کے وقت

میں کثیر علماء واجلاء کی موجودگی کے باوجود اہل تراجم نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر انتہائی مختصر انداز میں کیا ہے۔ بلکہ آپ کے تلامذہ کے اسماء لکھنے میں بھی اختصار سے کام لیا ہے۔اور آپ کے محض چند بڑے تلامذہ کے ذکر پر ہی اکتفا کیا ہے۔آپ کے تلامذہ کے اسماء حسب ذیل ہیں:

(۱) امام، مفتی، شیخ عبدالقادر بن محمد بن یحییٰ الطبری الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۳۳ھ)

(۲) علامہ، فقیہ، قاضی عبدالرحمٰن بن عیسیٰ العمری المرشدی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۳۷ھ)

(۳) علامہ، فقیہ، محقق علی الاطلاق، شیخ عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۵۲ھ)

(۴) شیخ، فقیہ، علامہ محمد بن عبدالعظیم المکی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۶۱ھ)

(۵) السید معظم الحسینی البلخی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۶) شیخ سلیمان بن صفی الدین الجانی رحمہ اللہ تعالیٰ ۔(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ترجمۃ الامام ملا علی القاری، تلامذۃ، جلد:۱، ص:۱۸، ۱۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ، زاہد الکوثری: فقہ اہل العراق وحدیثہم بعض کبار الحفاظ وکبار المحدثین من اصحابہ واہل مذہبہ، ص:۴۳، ص:۵۵ مطبوعہ ایچ۔ایم سعید کمپنی، ادب منزل پاکستان چوک کراچی)

(۱) شیخ عبدالقادر بن محمد الطبری الحسینی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۳۳ھ):

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا لقب: محی الدین اور مکمل نام: عبدالقادر بن محمد بن یحییٰ بن مکرم الحسینی، الطبری، الشافعی، المکی رحمہ اللہ تعالیٰ ہے۔آپ نواسۂ رسول جگر گوشۂ بتول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولادِ امجاد میں سے ہیں اسی لئے آپ کو "الحسینی" کہا جاتا ہے۔ فقہی مذہب شافعی ہونے کی وجہ سے شافعی اور مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت کی وجہ سے مکی کہلاتے ہیں۔آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ۲۷ صفر المظفر ۹۷۶ھ کو شہر امن مکہ مکرمہ

میں پیدا ہوئے۔

شیخ محمد امین بن فضل اللہ بن محبّ الدین بن محمد المحبی الحموی الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۱۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

امام أئمة الحجاز قد ترجم نفسه فی بعض کتبه فقال بعد ان ذکر نسبه هکذا سرد نسبه هذا أئمة التاریخ والعلماء الأکابر وهو متلق له کابرا عن کابر .

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ائمہ حجاز میں سے ایک عظیم امام تھے۔آپ نے اپنی بعض کتب میں اپنا تعارف تحریر کیا ہے،اور اس کے بعد اپنا سلسلہ نسب بھی بیان کیا ہے۔پھر آپ کے اسی سلسلہ نسب کو ائمہ تاریخ اور اکابر علماء نے اپنی کتب میں اسی طرح نقل کر دیا۔لہٰذا آپ کا یہ سلسلہ نسب بڑے بڑے علماء کا اعتماد یافتہ ہے۔'' (المحبی: خلاصۃ الأثر فی أعیان القرن الحادی عشر، حرف العین المہملۃ، جلد:۲،ص:۱۸۵،مطبوعہ دار صادر بیروت، لبنان)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا شجرۂ نسب ''خلاصۃ الاثر'' میں یوں مرقوم ہے:

''عبد القادر بن محمد بن یحییٰ بن مکرم بن محب الدین بن رضی الدین بن محب الدین ابن شہاب الدین بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن ابی بکر بن محمد بن ابراہیم بن ابی بکر بن علی بن فارس بن یوسف بن ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد الواحد بن موسیٰ ابن ابراہیم بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین السبط بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔'' (ایضاً)

جیسا کہ ذکر ہو چکا آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی اور پروان چڑھے۔اور اپنے والدین کے زیر سایہ تربیت پائی۔آپ نے بارہ سال کی عمر میں قرآن مجید کے حفظ کی سعادت حاصل کی، اور پھر اسی سال مقامِ ابراہیم کے پاس ہی سارا قرآن پاک نمازِ تراویح میں سنا دیا۔آپ کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ کئی کتب زبانی یاد کر رکھی

تھیں مثلاً علم حدیث میں ''اربعین نووی'' اپنے اشارات سمیت ''عقائد نسفیہ''، علم نحو میں ''الفیہ ابن مالک'' اور علم فقہ میں شیخ الاسلام زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''المنہج'' کا ایک تہائی حصہ زبانی یاد تھا۔

بعد ازاں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حفظ کردہ مذکورہ تمام کتب کو ۹۹۱ھ میں کئی مشائخ کے سامنے پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ جن میں سے چند کے اسماء یہ ہیں:

(۱) شافعی العصر شیخ شمس الدین محمد رملی مصری شافعی، (۲) علامہ شمس الدین محمد نحراوی حنفی، (۳) شیخ عبدالرحمٰن شربینی خطیب، (۴) شیخ امام علی بن جار اللہ بن ظہیرہ حنفی، (۵) شیخ یحییٰ بن محمد الخطاب مالکی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہم۔

ان تمام علماء نے آپ سے مذکورہ کتب زبانی سننے کے بعد آپ کو ان تمام کتب کی روایت کی اجازت سے نوازا۔ بعد ازاں اسی سال آپ نے ان تمام کتب کو انہیں علماء سے شرح وتوضیح کے ساتھ پڑھنا شروع فرمادیا۔

علاوہ ازیں علم صرف ونحو جلیل القدر شیخ علامہ عبدالرحیم بن ابوبکر بن حسان حنفی کی مجالس علمیہ میں شرکت کر کے حاصل کیا، علم العروض میں ادیب وقت شیخ جمال الدین بن اسماعیل عصامی اور علم منطق میں شیخ علی عصامی سے مہارت تامہ حاصل کی۔ بلکہ انہیں کے پاس حاضر ہو کر امام ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''شرح آداب البحث''، علامہ ابن ہشام رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''المغنی'' کا ابتدائی حصہ اور کافیہ کی شرح ''شرح ملا جامی'' کا ایک حصہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ اور ''المنہج'' کی شرح کا ایک حصہ پڑھنے کے لئے شیخ ابو البقاء غمری کی بارگاہ کی طرف رجوع کیا جہاں آپ نے علامہ محلی کی ''الورقات'' کی شرح بھی پڑھی۔ نیز ''المنہج'' کی شرح کا ایک ابتدائی حصہ علامہ شیخ نصر اللہ بن محمد سے اور دوسرا حصہ علامہ شیخ محمد بن عبدالعزیز زمزمی سے پڑھا۔ پھر امام نووی کی ''المنہاج'' کے متن کا ایک حصہ علامہ شیخ محمد بھنسی سے پڑھا۔ اور ''شاطبیہ'' کا نصف حصہ زبانی یاد کر لینے کے بعد اس کے متن کا ایک حصہ امام ملا علی قاری حنفی ہروی سے

پڑھا، بلکہ ان کے پاس مکمل سورہ بقرہ سات قرأتوں کے مطابق پڑھی، اور پھر علامہ قاضی زکریا کی ''تہذیب المنطق'' کا ایک حصہ شیخ علی بن ظہیرہ کے پاس پڑھا، ساتھ ہی ساتھ ان کی صحبت وخدمت میں بھی سرگرم رہے جس سے ان کے فہم وتدبر، نظم وانشاء کی مہارت اور رسائل بدیعہ کے فن میں خوب نکھار آیا۔

چنانچہ آپ عربی ادب سے متعلق مختلف علوم میں ماہر ہوئے، اور اس میں ید طولیٰ کا درجہ پایا، بعد ازاں کئی اور بڑی بڑی شخصیات کی طرف رخ کیا جن میں سے علم ہیئت میں ''شرح چغمینی'' کا ایک حصہ اور شیخ ملا علی قوشجی کی ''شرح التجرید'' کا ابتدائی حصہ علامہ نصیر الدین بن محمد غیاث الدین منصور سے جاکر پڑھا بلکہ ان کے پاس رسالہ ''اسطرلاب'' کا ایک حصہ بھی پڑھا، اور علم طب میں علامہ نفیسی کی ''شرح الموجز'' کا ایک حصہ فاضل یوسف کیلانی سے پڑھا، علامہ میر قاضی حسین کی ''شرح ہدایۃ الحکمۃ'' کا ایک حصہ شیخ سیّد غضنفر کے پاس جاکر پڑھا۔ (ایضاً، جلد:۲، ص:۴۵۴ تا ۴۵۷)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ان کثیر علماء ومشائخ سے علوم وعرفان اور فیوض وبرکات سمیٹ کر باقاعدہ تحقیق وتصنیف کی طرف متوجہ ہوئے اور کئی بہترین اور مفید کتب تصنیف فرمائیں۔ آپ کی چند کتب کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) ''عیون المسائل من أعیان الرسائل''۔

اس کتاب میں آپ نے چالیس علماء کرام کے تراجم تحریر فرمائے ہیں۔

(۲) درة الاصداف السنیة فی ذروة الاوصاف الحسنیة۔

(۳) فشأة السلافة بمنشآت الخلافة (۴) عرف الشبه والفرق بین ما اشتبه۔

(۵) کشف النقاب عن أنساب الأربعة الأقطاب (۶) شرح المقصورة الدیدیة

(۷) الآیات المقصورة علی الأبیات المقصورة۔

(۸) کشف الخافی من کتاب الکافی فی علیمی العروض والقوافی

(۹) حسن السریرۃ و حسن السیرۃ ۔ (ایضاً، جلد:۲،ص:۴۵۶، الزرکلی: الاعلام فی قاموس تراجم، رقم الترجمۃ: الطمری، جلد:۴،ص:۴۴مطبوعہ دار العلم للملایین بیروت، لبنان، عمر بن رضا کحالۃ: معجم المؤلفین، رقم الترجمۃ: عبدالقادر الطمری، جلد:۵،ص:۳۰۳مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۲) شیخ قاضی عبدالرحمٰن بن عیسیٰ المرشدی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۳۷ھ):

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کنیت: ابوالوجاہۃ، لقب: مفتی الحرم المکی اور نام: عبدالرحمٰن بن عیسیٰ بن مرشد العمری المرشدی ہے اور مرشدی کے نام سے معروف ہیں۔ آپ کا فقہی مذہب حنفی تھا۔ خیر الدین بن محمود الزرکلی (المتوفی ۱۳۹۶ھ) کے بقول آپ کی پیدائش ۹۷۵ھ مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ (الزرکلی: الاعلام فی قاموس تراجم، رقم الترجمۃ: ابوالوجاہۃ المرشدی، جلد:۳، ص:۳۲۱مطبوعہ دار العلم للملایین بیروت، لبنان)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ میں ہی پروان چڑھے، قرآن مجید کے حفظ کی سعادت بچپن میں ہی حاصل کر لی۔ آپ نے ''الفیہ، اربعین نووی اور الجزریہ'' جیسی کتب حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ ''کنز الدقائق'' کا اکثر حصہ بھی حفظ کر رکھا تھا۔

۹۸۹ھ میں باقاعدہ طور پر آپ حصولِ علم میں مشغول و مصروف ہو گئے اور درج ذیل اساتذہ کرام سے بھرپور اکتسابِ فیض کیا:

(۱) شیخ عبدالرحیم بن حسان، (۲) شیخ علی بن جار اللہ بن ظہیرہ
(۳) شیخ ملا عبداللہ کردی، (۴) شیخ سیّد غضنفر
(۵) شیخ عبدالسلام وزیر السلار، (۶) شیخ محمد بن علی رکووک، جزائری
(۷) شیخ شمس الدین نحراوی
(۸) اور شیخ امام ملا علی قاری حنفی (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) سے علم القرأت

سیکھا۔ (المحی: خلاصۃ الأثر فی أعیان القرن الحادی عشر، حرف العین المھملۃ، جلد: ۲، ص: ۳۶۹، مطبوعہ دار صادر بیروت، لبنان)

جب آپ علوم کی تحصیل کے ساتھ مختلف فنون میں مہارت تامہ حاصل کر چکے تو ۹۹۹ھ میں مرحوم محمد پاشا کے مدرسہ میں درس وتدریس کے منصب پر فائز ہوئے۔ جہاں آپ نے ''صحیح بخاری'' پڑھانے کا آغاز کیا، اور اسے ایک مفصل شرح کی صورت میں املاء کروانا شروع کر دیا۔ جب آپ ''باب رفع العلم وظہور الجہل'' تک پہنچے تو آپ کو وہاں سے معزول کر دیا گیا۔

بعد ازاں ۱۰۰۵ھ میں آپ مسجد الحرام میں تدریس کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۰۱۲ھ میں آپ کے شیخ قاضی علی بن جار اللہ بن ظہیرہ حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوا، اس کے بعد آپ مسند افتاء وقضاء پر رونق افروز ہوئے۔ آپ حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ آپ نے مسند افتاء پر متمکن ہونے کے بعد سب سے پہلا فتویٰ ''مسئلہ وقف'' پر لکھا۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو بعد ازاں ۱۰۲۰ھ کے شروع ہوتے ہی ''مسجد الحرام'' کی امامت وخطابت اور شاہی مفتی کا منصب بھی سونپ دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے ۶ محرم الحرام بروز پیر ۱۰۲۰ھ کو باقاعدہ اپنے منصب کو سنبھالا اور حنفی مصلے پر پہلی نماز ظہر پڑھائی۔ یہ منصب آپ کے پاس تقریباً تین سال تک رہا، پھر ۱۰۲۳ھ کے آخر میں یعنی ذوالحج کے مہینے میں جمعۃ المبارک کے دن نماز جمعہ کا خطبہ دینے اور نماز پڑھانے سے فراغت کے بعد شریف مکہ ''شریف ادریس'' نے آپ کو شریف مصر کی موجودگی میں اعزاز شاہی اور خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا۔

چند سال بعد آپ کی تقرری مسجد الحرام کے نواح میں سلطان سلیمان مرحوم کے بنائے ہوئے مذاہب اربعہ کے الگ الگ جامعات میں سے مذہب حنفی کے مشہور جامعہ ''مدرسہ سلیمانیہ حنفیہ'' میں کر دی گئی، اس مدرسہ کو خاص حنفیت کے لئے ہی بنایا گیا تھا،

یہاں کے سب سے پہلے مدرس اور مفتی مکہ مکرمہ کے سابق مفتی شیخ قطب الدین مکی نہروانی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ان کی وفات کے بعد علامہ خیر الدین رومی حنفی، پھر قاضی علی بن جار اللہ حنفی، اور پھر

(۹)"وقف الهمام المنصف عند قول الامام ابی یوسف"

جب آپ ۱۰۱۲ھ میں مسند افتاء پر متمکن ہوئے تو آپ سے پہلا سوال "مسئلہ وقف" سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے مختار قول پر فتویٰ دے دیا، چنانچہ بعض قاضیوں نے اس مسئلہ میں آپ سے اختلاف کیا تو آپ نے اس سلسلہ میں یہ مکمل رسالہ تصنیف فرمایا۔ پھر اس رسالہ کو آپ نے مصر کی جانب روانہ کر دیا وہاں کے علماء نے آپ کی تائید کی اور اس رسالہ کی تصدیق فرمائی اور مخالفین کے قول کو غلط قرار دیا۔ اور یہ ۱۰۱۸ھ کا واقعہ ہے۔

(۱۰)"شرح عقود الجمان"

یہ علم معانی میں امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی لکھی گئی کتاب "عقود الجمان" کی ایک نہایت ہی نفیس شرح ہے۔ جس کی عبارات کتاب کے اکثر مقامات پر حسن نظم کے لحاظ سے ماتن کی عبارات پر بھی فوقیت لے گئیں۔

(۱۱)"زهر الروض المقتطف ونهر الحوض المرتشف"

اس کا موضوع تاریخ ہے۔

(الزرکلی: الاعلام فی قاموس تراجم، جلد:۳، ص:۳۲۱، المحبی: خلاصۃ الأثر، جلد:۲، ص:۳۶۹ تا ۳۷۰)

شیخ محمد امین المحبی رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

مفتي الحرم المكي وعالم قطر الحجاز وأوحد أهله في الفضل والمعرفة والأدب وهو من بيت العلم والفضل والديانة...... وكان هو من كبار العلماء الأجلاء انعقدت عليه صدارة الحجاز

"آپ اہل حجاز کے جید عالم، اہل حجاز میں فضل، معرفت اور ادب میں یکتا تھے، آپ کا تعلق علم وفضل اور دیانت دار گھرانے سے تھا...... آپ کا شمار جلیل القدر بڑے علماء میں ہوتا ہے، بلکہ علم و معرفت میں اہل حجاز کی سرداری آپ ہی پر بس تھی۔" (المحی: خلاصۃ الاثر، جلد:۲،ص:۳۶۹)

علم وعرفان کے دریا بہا کر آخر کار مکہ مکرمہ ۱۰۳۲ھ میں آپ اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے۔ آپ کی تدفین بھی مکہ مکرمہ میں ہی عمل میں لائی گئی۔ ان کی وفات کے بعد وہاں شیخ مصلح الدین رومی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے اور سن ۱۰۱۳ھ میں ان کی وفات کے بعد وہاں مکہ مکرمہ کے سابق خطیب قاضی ؟؟ بن ابی السعادات بن ظہیرہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقرری ہوئی، پھر ۷ رجب المرجب ۱۰۲۷ھ میں ان کی وفات کے بعد شریف مکہ "شریف ادریس" نے آپ کی تقرری کر دی اور یہ واقعہ اسی سال کے ۱۷ رجب المرجب کو ہوا۔ آپ نے باقاعدہ پہلا سبق ۶ شعبان المعظم کو علماء واعیان کی موجودگی میں پڑھایا۔ (ایضا،ص:۳۶۹ تا ۳۸۰)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے درس و تدریس، افتاء و قضاء کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رکھا۔ آپ کی چند کتب کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) "ترصیف فی فن التصریف"

یہ کتاب آپ کے علم الصرف میں لکھے گئے پانچ سو اشعار کا مجموعہ ہے۔

(۲) "فتح اللطیف"

"ترصیف فی فن التصریف" کی آپ نے خود ہی ایک جامع اور نفیس شرح لکھی جس کا نام آپ نے "فتح اللطیف" رکھا۔

(۳) "الوافی فی شرح الکافی"

یہ کتاب علم عروض وقوافی میں لکھی گئی معروف کتاب "الکافی" کی شرح ہے۔

(۴) "براعۃ الاستھلال فیما یتعلق بالشھر والھلال"

علم بدیع پر یہ آپ کی تصنیف ہے۔

(۵)"مناهل السمر فی منازل القمر"

اس تصنیف کا موضوع چاند کی منازل ہے۔ پھر آپ نے اس کی ایک لطیف شرح بھی تحریر فرمائی۔

(۶)"الفتح القدسی"

یہ کتاب آیت الکرسی کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

(۷)"شرح کنز الدقائق"

یہ کتاب ۱۰۰۸ھ میں آپ نے لکھنی شروع فرمائی۔

(۸)"تعميم الفائدة بتتميم سورة المائدة"

آپ سے تفسیر جلالین میں موجود سورۂ مائدۃ کے آخر کی تفسیری عبارات کے سلسلہ میں سوال ہوا جس کے جواب میں آپ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی۔

(۳) شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۰۵۲ھ):

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کنیت: ابوالمجد، لقب: شیخ محقق اور نام: عبدالحق ہے۔ آپ محرم الحرام ۹۵۸ھ شہر دہلی میں پیدا ہوئے "شیخ الاولیاء" سے ان کی تاریخ ولادت برآمد ہوتی ہے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت والد گرامی کے سایہ عاطفت میں ہوئی۔ والد گرامی نے آپ کو دو تین ماہ میں قرآن پاک پڑھا دیا۔ اس کے بعد میزان الصرف سے مصباح وکافیہ تک انہوں نے خود پڑھایا۔ شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تعلیمی زندگی کو یوں بیان کرتے ہیں:

"میرے والد بزرگوار فرماتے کہ ہر علم میں سے ایک مختصر پڑھ لو، یہ تمہارے لئے کافی ہے اس کے بعد انشاء اللہ برکت وسعادت کے دروازے تم پر کھل جائیں گے اور تم تمام علوم بلا تکلف حاصل کر لو گے، ان کے ان پاکیزہ ارشادات کا یہ اثر ہوا کہ میں نے علوم کی تحصیل اتنی جلدی کر لی کہ جسے طے

زمان ومکان کہتے ہیں، فن نحو کے مختصرات جیسے کافیہ اور لب ارشاد کے ایک ایک جز بلکہ اس سے بھی زیادہ بعض اوقات پڑھ لیتا، علوم کی تحصیل سے فراغت اور تکمیل کا شوق وحرص اس قدر تھا کہ اگر ان مختصرات میں کسی کا صحیح اور حاشیہ والا کوئی نسخہ ہاتھ آجاتا تو اسے استاد سے پڑھنے کی ضرورت نہ پیش آتی اور دوران مطالعہ متن سمجھ لینے کے لئے محض حواشی دیکھ لینا کافی ہوتا اور پھر دوسرے جزو کے مطالعہ میں منہمک ہو جاتا اور اگر کوئی آسان بحث ہوتی یا وہ مضمون پڑھا ہوا یا پہلے سے معلوم ہوتا تو میری طبیعت اس میں غور وفکر پر آمادہ نہ ہوتی بلکہ آگے بڑھ جاتا...... بارہ یا تیرہ برس کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھی اور پندرہ یا سولہ برس کی عمر میں مختصر ومطول ختم کر لی پھر میں نے علوم عقلیہ ونقلیہ کی پوری تحصیل کر لی...... الحمد للہ کہ اس کے بعد قرآن مجید کے حفظ کی توفیق بھی نصیب ہوئی...... یہ نعمت مجھے ایک برس سے کچھ زیادہ عرصہ میں حاصل ہوگئی جس کے ایک حرف کا شکر سو برس میں بھی ادا نہیں ہوسکتا...... اور ادب وعربیت اور منطق وکلام کی کتابوں میں مکمل دستگاہ ہو جانے کے بعد سات آٹھ برس بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ عرصہ تک ماوراء النہر علماء سے اس طرح درس لیا کہ شب وروز میں دو تین ساعت کے لئے مطالعہ، غور وفکر اور مشغولیت سے فرصت ملتی۔'' (عبدالحق دہلوی: اخبار الاخیار فارسی، تکملہ، ص: ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰ مطبوعہ النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور)

شیخ صاحب نے ۶ شوال ۹۸۵ھ میں جب کاروانِ عمر تیسویں منزل طے کر رہا تھا شیخ موسیٰ پاک شہید ملتان (المتوفی ۱۰۰۱ھ) کے دست اقدس پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور ان کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوئے۔ آپ نے ۹۹۵ھ میں حج وزیارت حرمین کی نیت سے رخت سفر باندھا اور راجین ہوتے ہوئے احمد آباد پہنچے یہاں جتنا عرصہ قیام رہا شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (المتوفی ۹۹۸ھ) سے قادریہ طریقہ کے

بعض اعمال واشغال کی تحصیل کی اور ۹۹۶ھ میں حج کیا، دس مہینے مکہ مکرمہ میں قیام کر کے ۲۴ ربیع الثانی ۹۹۷ھ میں مدینہ منورہ پہنچے اور رجب ۹۹۸ء تک یہیں رہ کر پھر مکہ مکرمہ واپس چلے گئے اور ایک زمانے تک حرم اقدس میں مقیم رہے۔ پھر دوسرا حج کیا۔ شعبان ۹۹۹ھ کے آخری ایام میں طائف تشریف لے گئے پھر مکہ مکرمہ تشریف لائے اور تھوڑا عرصہ رہ کر اسی سال ہندوستان واپس آگئے۔

سرزمین حجاز میں شیخ کا قیام کم وبیش تین برس رہا اور زیادہ تر زمانہ شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں گزارا۔ شیخ موصوف نے اس طویل مدت میں ان سے خصوصی استفادہ کیا اور شیخ متقی نے ان کو اپنی جملہ مرویات کی اجازت دی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا۔ (فوائد جامعہ برعجالہ نافعہ، ص: ۱۴، ۱۵ افقہاء، محدثین حنفیہ، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی)

حافظ سیّد مرتضیٰ الزبیدی رحمہ اللہ تعالیٰ (التوفی ۱۲۰۵ھ) نے اپنی کتاب ''تاج العروس'' میں شیخ صاحب کے شیوخ حدیث میں حافظ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے طبقہ کے محدثین سے روایت کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

> **وفد الی الحرمین فأخذ عن الشهاب احمد بن حجر المكي، وطبقة، كالشيخ عبدالوهاب المتقي، وملا علي قاري وغيرهما .**
>
> ''آپ جب حرمین شریفین تشریف لے گئے اور شہاب الدین احمد بن حجر مکی اور اس طبقہ کے دیگر شیوخ جیسے عبدالوہاب متقی، ملا علی قاری وغیرہ سے حدیث کی تکمیل کی۔''

(الزبیدی: تاج العروس من جواہر القاموس، جلد: ۲۸، ص: ۵۱۴ دحل، مطبوعہ دارالہدایہ)

شیخ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران اپنے اوپر ہونے والے انعامات واحسانات کا ذکر یوں کیا ہے:

آنچہ من فقیر حقیر از اکرام و انعام حضرت خبیر بشیر نذیر صلی اللہ علیہ وسلم بشارت یافتہ ام اشارت نتوانم کردا

”مجھ فقیر حقیر کو حضرت سیّدنا خبیر و بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ وسلم کے انعامات و اکرامات سے جو کچھ بشارتیں ملیں وہ بیان میں نہیں آسکتیں۔“

(عبدالحق دہلوی: اخبار الاخیار، ص: ۳۱۴)

شاہ صاحب حرمین شریفین چھوڑ کر ہندوستان واپس آنے کے لئے تیار نہ تھے مگر سرکار کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے واپس تشریف لے آئے۔

دیوبندی مسلک کے ”حکیم الامت“ مولوی اشرف علی تھانوی نے کہا ہے کہ:

”بعض اولیاء اللہ ایسے بھی گزرے ہیں کہ خواب میں یا حالت بیداری میں روزمرہ ان کو دربار نبوی میں حاضری کی دولت نصیب ہوتی تھی ایسے حضرات صاحب حضوری کہلاتے ہیں انہیں میں سے ایک حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں کہ یہ بھی اس دولت سے مشرف تھے اور صاحب حضوری تھے ان کا ایک قصہ یہ ہے کہ جب شیخ کو ہندوستان آنے کا حکم ہوا تو انہوں نے عرض کیا کہ مجھ کو مفارقت گوارا نہیں حکم ہوا پریشان مت ہو تم کو روزانہ زیارت ہوا کرے گی اس پر مطمئن ہو کر جب مدینہ منورہ سے ہندوستان آنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو ارشاد ہوا کہ غریبانِ ہند پر نظر عنایت رکھنا۔ اس کا حضرت شیخ پر بہت اثر ہوا چنانچہ جب ہندوستان تشریف لے آئے تو اس وقت سے شیخ نے اپنا یہ معمول کر لیا تھا کہ جب سنتے کہ فلاں مقام پر کوئی باخدا درویش اور فقیر ہے تو اس کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس سے ملاقات کرتے۔“

(اشرف علی تھانوی: الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، ملفوظ نمبر: ۱۲۷، جلد: ۹، ص: ۱۳۸ مطبوعہ المکتبۃ الاشرفیہ جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور)

یہی وجہ ہے کہ ۱۰۰۸ھ میں جب خواجہ محمد باقی باللہ رحمہ اللہ تعالیٰ دہلی تشریف لائے تو شیخ صاحب خبر ملتے ہی ان کی خدمت میں پہنچ گئے اور پھر بعد میں ان سے نسبت نقشبندیہ کی تکمیل بھی کی، خود فرماتے ہیں کہ:

ومن هنا كان توجهي والتجائي الى صحبته خواجه محمد الباقي قدس سره واستفادتي منه النسبة النقشبندية .

"اور اس وجہ نے میرا خیال خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ کی طرف گیا اور میں نے ان کی صحبت اختیار کی اور ان سے نسبت نقشبندیہ کی تکمیل کی۔"

(عبدالحق دہلوی: اخبار الاخیار مع المکاتیب والرسائل، الرسالۃ السابعۃ والخمسون، ص: ۳۱۷ مطبوعہ النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور)

شیخ صاحب کی مساعی جمیلہ سے ہندوستان میں حدیث کی بڑی اشاعت ہوئی ہے، اشاعت حدیث اور ترویج سنت میں شیخ صاحب کو جو شرف وفضیلت حاصل ہے اس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔ شیخ صاحب کو فنون وفقہ حدیث میں غیر معمولی بصیرت و مہارت اور مسند وقت ہونے کی وجہ سے محدثین کی اصطلاح میں ہی آپ کو "محدث دہلوی" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

شیخ صاحب کو تجوید وقرأت، تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ وتذکرہ، شعر وادب اور جملہ فنون میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ ان کے تبحر علمی، جامعیت، وسعت نظر اور فضل و کمال پر تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے۔

آپ نے تصنیفی میدان میں بھی بہت خدمات انجام دیں آپ کی ان کتب کے اسماء درج ذیل ہیں جو راقم الحروف کی لائبریری میں موجود ہیں:

(۱) اخبار الاخیار،

(۲) تکمیل الایمان

(۳) جذب القلوب الی دیار المحبوب،

(۴) زاد المتقین

(۵) زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار،

(۶) شرح سفر السعادۃ

(۷) شرح فتوح الغیب،

(۸) ماثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ

(۹) مدارج النبوۃ،

(۱۰) مرج البحرین

(۱۱) مکتوبات ورسائل،

(۱۲) اشعۃ اللمعات

(۱۳) لمعات التنقیح علی مشکوٰۃ المصابیح،

(۱۴) روضات

(۱۵) رسالہ اصول حدیث،

(۱۶) استیناس انوار القبس فی شرح دعاء انس

(۱۷) کشف الالتباس فی استحباب اللباس،

(۱۸) تصور عظمت رب العباد المعروف عظمت الٰہی

(۱۹) المعتقدات السنیۃ فی رد مذہب القدریۃ والجبریۃ

(۲۰) تنبیہ اولی الالباب بالمواظبۃ علی الادعیۃ والاحزاب

(۲۱) تحصیل البرکات والطیبات ببیان معنی التحیات،

(۲۲) فروع الاسماع

(۲۳) تحصیل التعرف ومعرفۃ الفقہ والتصوف

آپ کا وصال ۲۳ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو دار السلطنت دہلی میں ہوا۔ فخر العالم سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ وصال کے وقت آپ کی عمر چورانوے برس تھی۔

(۴) شیخ محمد بن عبدالعظیم المکی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (التوفی ۱۰۶۱ھ):

آپ کا لقب: ابن ملا فروخ اور نام: محمد بن عبدالعظیم ہے۔

خیرالدین بن محمود الزرکلی (التوفی ۱۳۹۶ھ) نے آپ کے متعلق یوں لکھا ہے:

فقیه حنفی من اهل مكة، كان مفتيا بها

''آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اہل مکہ مکرمہ میں سے حنفی فقیہ تھے اور وہاں (مکہ مکرمہ) کے مفتی بھی تھے۔''

(الزرکلی: الاعلام فی قاموس تراجم، رقم الترجمۃ: ابن ملا فروخ، جلد: ۶، ص: ۲۱۰ مطبوعہ دارالعلم للملایین بیروت، لبنان)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ مصلیٰ احناف کے امام اور مسجد حرام کے خطیب تھے۔ آپ نے فقہ حنفی میں متعدد کتب تصنیف فرمائی ہیں جن میں ''**القول السديد في بعض مسائل الاجتهاد والتقليد**'' اور ''**اعلام القاضي والداني بمشروعية تقبيل الركن اليماني**'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

نوٹ: باقی دو تلامذہ کے حالات و واقعات بندہ کو تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملے۔

وصالِ باکمال:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال شوال ۱۰۱۴ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا جیسا کہ مشہور مؤرخ محمد امین بن فضل اللہ بن محب الدین بن محمد المحبی الحموی الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ (التوفی ۱۱۱۱ھ) نے لکھا ہے:

وكانت وفاته بمكة في شوال اربع عشرة والف، ودفن بالمعلات

''اور آپ کا انتقال مکہ مکرمہ میں شوال ۱۰۱۴ھ میں ہوا اور جنت المعلاۃ میں

تدفین عمل میں آئی۔"

(المحبی: خلاصۃ الاثر فی اعیان الحادی عشر، جلد:۳،ص:۱۸۵مطبوعہ دار صادر بیروت، لبنان)

آپ کے ایک تذکرہ نگار نے آپ کی قبر مبارک کا محل وقوع یوں بیان کیا ہے:

بالشعب الأول على يسار الذاهب الذى يخرج منه الى الحجون وبهذه الحوطة الشيخ العلامة ملا على بن سلطان محمد الهروى

"شعب اوّل سے نکل کر حجون کی جانب جاتے ہوئے راستے کی بائیں جانب واقع احاطہ میں شیخ، علامہ ملا علی بن سلطان محمد ہروی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر ہے۔" (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ترجمۃ الامام ملا علی القاری، وفاتہ، ص:۲۷، ۲۸ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

ابی الحسنات محمد عبدالحیٔ لکھنوی (المتوفی ۱۳۰۴ھ) نے "السعایۃ" کے مقدمے میں کہا ہے کہ:

"میں نے جنت المعلیٰ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر کی زیارت کی ہے۔" (عبدالحیٔ لکھنوی: السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ، مقدمۃ، جلد:۱،ص:۳۹مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

اَلزُّبْدَۃُ فِیْ شَرْحِ الْبُرْدَۃِ

ترجمہ بنام

شرح قصیدہ بردہ شریف

تصنیف

امام علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری

متوفی ۱۰۱۴ھ

ترجمہ و تخریج

ابو ذہیب محمد ظفر علی سیالوی غفرلہ

ناشر
اکبر بُک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

"ہم اسی سے مدد کے طلبگار ہیں"

میں اسی کی حمد کرتا ہوں، اس کے حکم کی پیروی میں، اس کا بے انتہاء شکر ادا کرتا ہوں، اور میں اس کے حبیب وصفی اور رسول و نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں اور ان کی آل اور ان کے اصحاب اور ان کے تابعدار اور ان کے ماننے والوں پر بھی۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد!

چنانچہ "قصیدہ برءہ" جو "قصیدہ بردہ" کے نام سے مشہور ہے اس قصیدہ کے منظم کرنے والے کے بارے میں روایت کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے فالج کے مرض نے آلیا جس سے میرا نصف جسم بے کار ہو گیا، تو میں نے سوچا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک قصیدہ پیش کروں جس کو میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا شفیع بناؤں چنانچہ میں نے یہ قصیدہ لکھ ڈالا اور میں سو گیا، تو میں نے اسی رات خواب میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک مجھ پر پھیرا جس کی برکت سے مجھے اسی وقت اس مرض سے عافیت ہو گئی چنانچہ اگلی صبح جب میں اپنے گھر سے نکلا تو اچانک ایک فقیر میرے سامنے میرے ہی قصیدے کا یہ مطلع سنانے لگا:

امن تذکر جیران بذی سلم

تو مجھے بڑا تعجب ہوا کیونکہ میں نے ابھی تک اس بارے میں کسی کو بھی نہیں بتایا تھا، پھر وہ بولا اللہ کی قسم! میں نے خود اس شعر کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پڑھا جاتا ہوا سنا ہے کہ آپ اسے سن کر درخت کی ٹہنیوں کی طرح جھوم رہے

تھے چنانچہ میں نے اس فقیر کو اپنا وہ سارا قصیدہ دے دیا تو اس نے اس واقعہ کو لوگوں میں پھیلا دیا اور جب وہ اس خبر کو بادشاہ ظاہر کر کے وزیر (بہاء الدین بن حنا) کے پاس لے گیا تو اس نے اس قصیدہ کو نقل کر لیا اور منت مان لی کہ وہ اس قصیدہ کو کھڑے ہو کر، ننگے پاؤں اور ننگے سر ہی سنا کرے گا چنانچہ اس نے اور اس کے گھر والوں نے اس قصیدہ سے بہت زیادہ خیر و برکت دیکھی۔

آنکھیں بحال ہو گئیں:

پھر کچھ عرصہ بعد اسی وزیر کے مہر بردار (سعد الدین فاروقی) کو آنکھوں کے ایک بڑے مرض کا سامنا کرنا پڑا جس سے وہ نابینا ہونے کے قریب پہنچ گیا چنانچہ اس نے خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ وزیر کے پاس جا اور اس سے ''بردہ'' لے لے اور اسے اپنی آنکھوں پر لگا، چنانچہ اس نے وہ معاملہ وزیر کے سامنے پیش کیا تو وہ بولا میرے پاس تو ''بردہ'' نامی کوئی شے نہیں بلکہ میرے پاس تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھا ہوا ایک قصیدہ ہے اور ہم تو اسی سے شفاء لیتے ہیں چنانچہ اس نے وہ قصیدہ نکالا اور اس کی آنکھوں پر رکھا اور اس کے بیٹھے بیٹھے اس کے سامنے پڑھا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اسے آنکھوں کی تکلیف سے نجات دے دی، پھر تو اس قصیدہ کا نام ''بردہ'' ہی رکھ دیا گیا۔

یہ قصیدہ مبارکہ طلب حاجات اور نزولِ مہمات کے وقت بے حد مجرب ہے اور شاید اس قصیدہ کا نام ''بردہ'' اسی لئے رکھا گیا کہ ایک معنی کے لحاظ سے یہ قصیدہ بزرگی والے ''کسوہ'' (لباس یا غلاف) کی حیثیت رکھتا ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور حلیہ کو مجازی طور پر ''کسوہ'' (لباس یا غلاف) کے معنی میں استعمال کرنا مشہور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ بے نیاز پروردگار کے بندوں میں سے سب سے بڑے فقیر

علی بن سلطان محمد الہروی القاری کے دل میں اس بات کا خیال آیا کہ میں اس مبارک رحمت والے قصیدہ کی اس امید پر خدمت کروں کہ میرا ظاہر و باطن بدترین اخلاق کے امراض سے شفاء یاب رہے اور (یہ سب کچھ) قولی اور فعلی گناہوں کو چھپانے والی خلعت عافیت کو پانے کے لئے ہے، (میرا ارادہ) اس مبارک قصیدہ کے مقصود پر ایک ایسی لطیف شرح وضع کرنا ہے جو جامع ہو لیکن طویل نہ ہو اور نہ ہی ذہنوں میں خلل ڈالنے والی ہو، اللہ تعالیٰ اسے خالص اپنی رضا کریم کے لئے کر دے کیونکہ وہی اپنے بندوں پر غفور و رحیم ہے اور میں نے اس شرح کا نام "الزبدۃ فی شرح البردۃ" رکھا ہے۔

جان لو کہ بلاشبہ یہ قصیدہ شریفہ کئی لطیف فوائد پر مشتمل ہے:

فوائد قصیدہ

☆- ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ: شعراء کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے قصائد کے آغاز میں اپنے دکھ اور شوق کو انوکھے انداز کے ساتھ اپنے عشق کے لوازمات سے نیز دوری اور جدائی کے تکلیف دہ لمحات کو اپنی قوتِ برداشت سے ملا کر ذکر کرتے ہیں اور ایسے اشعار کو غزل اور تشبیب کا نام دیتے ہیں اور اسے آغازِ قصیدہ کے تمام لطائف کا تقریباً مجموعہ شمار کرتے ہیں۔

☆- ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ: شعراء اپنی طرف سے ایک مخاطب فرض کر لیتے ہیں جسے وہ اپنے محاوروں میں رہنمائی کرتے اور عتاب کرتے رہتے ہیں اور اس سے سوال و جواب بھی کرتے ہیں، اس سے ان کا مقصد اپنے باخبر ہونے کا اشارہ کرنا ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ عشق کے رموز و اسرار کا اظہار بھی کر لیتے ہیں اور ان کا مقصد سننے والوں کو ایسے سچے دوستوں کی کمی کا شعور دلانا بھی ہوتا ہے جن کے دلوں میں یہ محبت کے خزانے انڈیل سکیں۔

☆- ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ: وہ لوگ اپنے کلام کو ایک اسلوب سے نکال کر دوسرے اسلوب کی طرف تبدیل کرتے رہتے ہیں، کبھی خود کو متکلم، کبھی مخاطب اور کبھی غائب بنا کر متوجہ رہتے ہیں، یہ سب کچھ وہ کلام میں دلکشی پیدا کرنے اور سامع کو ہوش دلانے کے لئے کرتے ہیں چنانچہ وہ روحوں کی میزبانی کرتے ہوئے اسی طرح نئے نئے اسلوب کے ساتھ کلام میں بدلتے رہتے ہیں جس طرح لوگ بھوکوں کو کھانا کھلانے کے لئے رنگ برنگے کھانے تیار کرتے ہیں۔

☆- ان میں سے ایک لطیف فائدہ محبت اور عشق کی معرفت سے متعلق بھی ہے چنانچہ لغوی اعتبار سے ''محبت'' سے مراد نفس کا ایسی چیز یا ذات کی طرف میلان ہو جانا جو حسن واحسان میں اس کے تصورات سے موافقت رکھتی ہو، اور ''عشق'' سے مراد انسان پر اس میلان کا حد سے زیادہ غالب آ جانا ہے اور حسن واحسان میں سے ہر ایک کبھی تو ظاہری بینائی سے معلوم ہو جاتے ہیں اور کبھی دل کی بینائی سے، اور محبت تو بصارت وبصیرت دونوں کی ہی تابع ہو جاتی ہے اور ان دونوں (عشق ومحبت) کا کمال ''حق تعالیٰ'' کے لئے حقیقی ہے اس لئے کہ: نہ تو اس کا اس سے جدا ہونا صحیح ہے اور نہ ہی حق تعالیٰ سے اس کا، بخلاف مخلوق کی صفات کے کیونکہ مخلوق کی صفات تو مانگ کر پہنے ہوئے کپڑوں کی طرح ہے۔ پھر (عشق ومحبت) مجازی کی دو قسمیں ہیں:

ا-نفسانی:

اس کی علامت یہ ہے کہ: محب پر محبوب کے شمائل دیکھ یا سن کر اکثر اوقات خوشی کی کیفیت طاری رہتی ہے اور وہ اپنے نفس کو انتہائی نرم اور وجد وسرور والا بنا لیتا ہے، پھر وہ محبوب کے سوا سب سے ہی الگ تھلگ سا رہنے لگتا ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ: ''عشق مجازی عشق حقیقی کا پل ہے۔''

۲-حیوانی:

یہ ہے کہ: انسان نفس امارہ کو فوری لذت پانے کے لئے عقل پر بھی ترجیح دے دیتا ہے اور اس کا نتیجہ عموماً حقیقی یا حکمی فسق و فجور کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

☆-ایک فائدہ یہ ہے کہ: یہ مبارک قصیدہ دس ابواب پر ترتیب دیا گیا ہے!

۱-غزل کہنے اور نفس کی بیماری اور اس کی دواء کے بیان میں۔

۲-جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاضت کے بیان میں۔

۳-کائنات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے بیان میں۔

۴-آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت کے بیان میں۔

۵-آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارہاصات کے بیان میں۔

۶-آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بیان میں۔

۷-قرآن کے بیان میں۔

۸-آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے بیان میں۔

۹-آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے بیان میں۔

۱۰-آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں معروضات پیش کرنے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات کرنے کے بیان میں۔

چنانچہ قصیدے کے ناظم علامہ شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن سعید بوصیری مصری/ بعض نے کہا: دمشقی شامی "اللہ انہیں مغفرت کے حلے پہنائے اور انہیں اپنی جنتوں کے سائے میں رکھے۔(آمین)" یوں فرماتے ہیں کہ:

(۱)

اَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِیْ سَلَمٍ
مَزَجْتَ دَمْعًا جَرٰی مِنْ مُّقْلَةٍ بِدَمِ

ترجمہ: کیا تو نے ذی سلم کے پڑوسیوں کو یاد کرنے کی وجہ سے گوشہ چشم سے بہنے والے آنسو کو خون سے ملا دیا؟

لفظی تشریح: یہاں پر ہمزۃ الاستفہام مضمون کو مزید پختہ کرنے کے لئے ہے۔ اس کو صدارت کی وجہ سے مقدم کیا گیا اور من تذکر (جار مجرور) فعل مزجت کے متعلق ہے اور اس کو حصر کے واسطے مقدم کیا گیا ہے۔ تذکر مصدر ہے جو اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہو رہا ہے اور اس کا فاعل محذوف ہے۔ اصل میں ہے: تذکرك جیرانًا لفظ جیران جار کی یا مجاور کی جمع ہے اور یہی اس مقام پر مناسب ہے اور ذی سلم گاؤں میں درخت کا مالک۔ یہ جار مجرور کا متعلق محذوف ہے۔ (اصل میں مفہوم یہ ہے) یعنی وہ پڑوسی ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں یہ خاص قسم کا درخت ہے۔ (سلم) اس کے لام پر زبر پڑھی جاتی ہے اور زیر پڑھنا بھی مروی ہے۔ دمعا رونے کے سبب آنکھ سے نکلنے والے پانی کو دمع (آنسو) کہتے ہیں۔ یہ فعل مزجت کا مفعول بہ ہے اور جری (پورا جملہ ہو کر) دمعا کی صفت ہے۔ من مقلة یہ جار مجرور جری کے متعلق ہے۔ آنکھ کے اندرونی حصہ کو مقلۃ کہتے ہیں۔ بدم یہ جار مجرور مزجت کے متعلق ہے۔

معنوی شرح: شاعر مخاطب کو اپنے خیال میں جدا کرتے ہوئے اس سے سرگوشی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسے وہ شخص جو رونے میں اس قدر مبالغہ کر رہا ہے۔ ضرور بالضرور تیرے رونے کا کوئی نہ کوئی سبب ہے۔ پس (بتاؤ) کہ وہ کیا سبب ہے۔

آیا وہ فراق کی جلن اور اس کی مشقت ہے کہ تم کو ایسے دوستوں کے فراق میں مبتلا کیا گیا ہے جن کو پا کر تم خوش تھے اور اب تم ان کے ہجر میں (اپنی سابقہ خوشی سے) غمی کی طرف لوٹ گئے ہو یا کوئی اور سبب ہے، جس کا ذکر آنے والے شعر میں آ رہا ہے:

(۲)

اَمْ هَبَّتِ الرِّيْحُ مِنْ تِلْقَآءِ كَاظِمَةٍ
وَاَوْمَضَ الْبَرْقُ فِي الظَّلْمَآءِ مِنْ اِضَمِ

ترجمہ: کیا کاظمہ کی جانب سے ہوا چلی ہے یا تاریک رات میں اضم پہاڑ سے بجلی چمکی ہے۔

لفظی تشریح: ام منقطع ہے اور هبت فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔ الریح، یہ مؤنث سماعی ہے۔ هبت کا فاعل۔ تلقاء کا مطلب جہت، سمت، جانب، من تلقاء کاظمة: یہ سب فعل ہبت کے متعلق ہے۔ کاظمه، ایک جگہ کا نام ہے اور یہ ضرورت شعری کے سبب منصرف ہے۔ او معض بمعنی لمع چمکنا۔ یہ فعل ہبت پر معطوف ہے۔ البرق اومض کا فاعل ہے۔ فی الظلمآء اس کا متعلق محذوف ہے۔ یہ فاعل (البــــرق) کا حال واقع ہو رہا ہے یعنی اس حال میں کہ بجلی تاریک رات میں واقع ہوئی۔

من اضم: ہمزہ کو زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ جار مجرور اومض کے متعلق ہے۔ اضم مضاف الیہ ہو کر استعمال ہو رہا ہے اور اس کا مضاف تلقاء مقدر ہے۔ اصل میں ہے: من تلقاء اضم: یہ ایک پہاڑ ہے اور بجلی پہاڑ سے نہیں بلکہ اس کی سمت سے چمکتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ ذی سلم، کاظمه اور اضم مدینۃ الاسلام کے قریب کی جگہیں ہیں۔ یہی بات اس جگہ زیادہ مناسب اور مقصودی معنی کے زیادہ قریب ہے۔

معنوی تشریح: تیرے رونے کا سبب یا تو وصال کی چمک ہے کہ تم نے وصال کی آرزو کی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ نسیم صبح ان پڑوسیوں کی خبریں اور راز تمہارے پاس لائی اور تم پر ان کے دیار و مساکن کے نشانات کے ظہور کی ابتداء ہوئی۔

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ان کا مسکن (پناہ گاہ) اس قدر دور ہے کہ صرف ہوا ہی وہاں پہنچ سکتی ہے اور اس قدر اونچا ہے کہ صرف بادل ہی وہاں تک چڑھ سکتے ہیں۔اس جگہ کی طرف قصد کرنے والا مسلسل محنت برداشت کرتا ہے اور لگاتار دُکھ سہتا ہے۔

پھر بعد مسافت، بعد مرتبہ کے لئے اور جگہ کی بلندی، قدر و منزلت کی بلندی کے لئے استعارہ ہے۔شاعر نے **فی الظلماء** (تاریکی میں) اس لئے کہا کیونکہ تاریکی میں روشنی زیادہ واضح اور اونچے مقام سے زیادہ جلیل القدر ہوتی ہے۔

دونوں شعروں کا ماحصل یہ ہے، تیرا رونا یا تو زمانہ ماضی میں واقع ہونے والے وصال کو یاد کرنے کی وجہ سے ہے جس کا تجھے علم ہے یا زمانہ حال میں متوقع وصال کی طلب کے باعث ہے۔

ان معانی کو حقیقت پر مقدمہ کی تمہید کے ساتھ محمول کرنا ممکن ہے وہ یہ ہے کہ طلب گار اپنی ریاضت کے سبب ایسے مقام کو پہنچ جاتا ہے جہاں نورِ حق سے آگاہ ہونے کے سبب اس پر، جذبات وخلسات عارض ہوتے ہیں۔گویا کہ وہ بجلیاں ہیں جو (بار بار) اس کی طرف چمکتی ہیں پھر اس کے سامنے (آکر) بجھ جاتی ہیں۔ان خلسات کو وقت کہا جاتا ہے۔یہ (منزل مقصود کا) وجدان اور (اس کے) حصول کا پہلا درجہ ہے اور طالب ہر وقت دو قسم کے غموں میں مبتلا ہوتا ہے۔ایک غم مطلوب کے حصول میں تاخیر پر اور دوسرا غم اور افسوس اس کے فوت ہونے پر۔

پس شاعر فرماتے ہیں کہ اے ریاضت کے ذریعے خدا کے طلب گار! کیا تیرے

رونے کا سبب ان لذیذ جذبات کی یاد اور ان کے منقطع ہونے کے بعد ان کے حصول کا شوق ہے یا اس قسم کے ان سے اعلیٰ جذبات کی تلاش تیرے رونے کا سبب ہے تا کہ (منزل مقصود تک) رسائی ثابت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل (منزل مراد کا) حصول دے۔ (جب شاعر نے اپنے مخاطب سے یہ سوالات پوچھے) تو گویا اس نے محبت سے انکار کیا۔ شاعر پھر اسے کہتے ہیں:

(۳)

فَمَا لِعَيْنَيْكَ اِنْ قُلْتَ اكْفُفَا هَمَتَا
وَمَا لِقَلْبِكَ اِنْ قُلْتَ اسْتَفِقْ يَهِمِ

ترجمہ: تو پھر تیری آنکھوں کو کیا ہوا ہے کہ اگر تو ان کو رکنے کے لئے کہتا ہے تو یہ اور زیادہ آنسو بہاتی ہیں اور تیرے دل کو کیا ہوا ہے کہ تو اس کو افاقہ کرنے کو کہتا ہے تو مزید پریشان ہوتا ہے۔

لفظی تشریح: فا شرطِ محذوف کا جواب ہے۔ اس فا کا نام فصیحت (تغیریہ) یعنی اگر تیرے رونے کے یہ دونوں سبب نہیں ہیں (تو پھر تیری آنکھوں اور دل کو کیا ہے؟)

یہاں دونوں جگہ ما استفہامیہ اور مبتداء ہونے کے باعث محل رفع میں ہے۔ دونوں (مصرعوں) میں جار مجرور کا متعلق محذوف اور خبر ہونے کے باعث محل رفع میں ہے اس کی تقدیر یوں ہے۔ اے مخاطب! تیری آنکھوں کو کیا ہوا ہے۔ جب تو ان کو کہتا ہے کہ رونے سے باز آ جاؤ تو یہ آنسو بہاتی ہیں اور تیرے دل کو کیا حادثہ پیش آیا ہے کہ جب تو اس کو کہتا ہے کہ افاقہ کر اور (جسم میں تسلی واطمینان کے ساتھ) حاضر رہ تو یہ مزید حیران و پریشان ہو جاتا ہے۔

حنفی نے اپنی شرح قصیدہ میں فرمایا ہے: کفا ادغام کے ساتھ اور اکففا بغیر

ادغام دونوں جائز ہے۔ یہ ان کا اپنا ذاتی خیال ہے حالانکہ صرفیوں نے کتب صرف میں ایسے ادغام کو واجب قرار دیا ہے۔ اور عصام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی قصیدہ کی شرح میں فرمایا ہے کہ یہاں پر فلك ادغام (ادغام نہ کرنا) ضرورت کے ماتحت ہے۔

ابو شامہ نے اپنی شرح میں فرمایا ہے کہ یہاں فک ادغام خلافِ قیاس ہے۔

کہا گیا ہے کہ آنکھ کی گنتی (دونوں آنکھیں) صرف صورت کے اعتبار سے ہے البتہ معنی مطلوب میں ایک ہی مراد ہے۔ اسی وجہ سے کبھی ایک چیز کو دو چیزیں خیال کیا جاتا ہے تو وحدت حقیقی میں تعدد صوری کو برا نہیں کہا جا سکتا ہے جیسا کہ بعض صوفیاء کا مذہب ہے جو وجودیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

پس لفظ اکففا حقیقت کے اعتبار سے مفرد ہے اگر چہ صورت تثنیہ کی ہے اور یہ (بحث) محض تکلف ہے جیسے کہ تم دیکھ رہے ہو اور کہا گیا ہے کہ فلك ادغام مفرد خیال کرتے ہوئے کہا گیا۔ اس لئے فصاحت کو مخل نہیں ہے جیسے کہ کسی کے قول الحمد للہ العلی الاجلل میں مخل ہے۔ پھر کہا اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہ اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ قصیدہ گو نے یہ شعر زبانِ حیرت سے کہا ہے اور سبقت لسانی پر عیب چینی نہیں کی جاتی۔ طرزِ بیان میں اس قسم کی چیزیں بلغاء کی ظرافت شمار ہوتی ہیں۔

اگر تم انکار کرتے ہو کہ یہ رونا عشق و محبت کے آثار میں سے نہیں بلکہ دیگر اسباب کی بناء پر ہے تو پھر تم اپنی آنکھوں اور دل پر اختیار کیوں نہیں رکھتے کیونکہ تم آہ و فغاں ترک کرنے کا ارادہ کرتے ہو تو آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور جب تم غم سے دل کو نجات کی سوچتے ہو تو یہ مزید حیران و سرگرداں ہوتا ہے۔ اس قسم کی گریہ زاری سوائے محبت کے اور کسی وجہ سے نہیں ہو سکتی اور اس قسم کی وارفتگی سوائے (محبوب کے) بعد یا قرب کے نہیں ہوتی۔

پھر شاعر نے صیغۂ خطاب سے صیغۂ غائب کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہا:

(۴)

اَیَحْسَبُ الصَّبُّ اَنَّ الْحُبَّ مُنْکَتِمٌ
مَا بَیْنَ مُنْسَجِمٍ مِّنْہُ وَمُضْطَرِمٖ

ترجمہ: کیا عاشق خیال کرتا ہے کہ محبت چھپنے والی شے ہے۔ درمیان جوش سے بہنے والے (آنسو) اور زور سے آتش عشق میں سلگنے والے (دل) کے۔

لفظی تشریح: شعر ہمزہ استفہام برائے تعجب یا انکار یا توبیخ کے ساتھ شروع کیا گیا ہے مفہوم یہ ہے کہ یوں گمان کرنا مناسب نہیں ہے۔ یحسب سین پر زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ الصب: عاشق۔ اصل میں اس کا معنی انڈیلنا ہے۔ عاشق کے معنی پر اس کا اطلاق اس لئے غالب ہے کہ وہ بھی زیادہ تر آہ وفغاں اور اکثر خون کے آنسو روتا ہے۔

ما زائدہ ہے۔ بین۔ یہ منکتم کی طرف ہے۔ الانسجام، پانی کا شدت کے ساتھ بہنا۔ الاضطرام: پوری قوت کے ساتھ (محبوب کے خیالات میں) مشغول ہونا۔ اس کی لفظی صورت یوں ہوگی۔ بین دمع منسجم وقلب مضطرم۔

منہ میں ضمیر الصب کی طرف راجع ہے۔ اس کو بالاشباع پڑھیں گے۔ مضطرم کے بعد بھی منہ ہونا چاہئے تھا لیکن وہ حذف کیا گیا کیونکہ پہلا منہ دوسرے (محذوف) پر دلالت کرتا ہے۔

معنوی تشریح: محب کو یہ گمان کرنا مناسب ہے کہ اس کی محبت لوگوں سے مخفی رہے گی جب کہ وہ دل کی بے قراری اور آنکھوں کی اشکباری سے خوب ظاہر ہو رہی ہے۔ بے شک یہ دونوں (آنکھ اور دل) محب کی محبت پر گواہ ہیں اور اس بات کے بھی

مخبر ہیں کہ یہ جزع فزع کب سے ہے۔ پس محبت کے اخفاء کا گمان ان دونوں نے باطل کردیا۔ شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ۔ پھر شاعر نے اس کے محبّ ہونے پر استدلال کیا اور مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

(۵)

لَوْلَا الْھَوٰی لَمْ تُرِقْ دَمْعًا عَلٰی طَلَلٍ
وَلَا اَرِقْتَ لِذِکْرِ الْبَانِ وَالْعَلَمِ

ترجمہ: اگر محبت نہ ہوتی تو تم ٹیلوں پر آنسو نہ بہاتے اور نہ ہی بان کے درخت اور علم کے پہاڑ کو یاد کر کے راتوں کو جاگتے۔

لفظی تشریح: الھوی: ھوی کا مصدر ہے، محبت کرنا۔ الاراقۃ: بہانا، انڈیلنا۔ الطلل : کچی اینٹوں اور پتھروں وغیرہ کے مٹے ہوئے نشان جہاں پہلے گھر بنایا گیا ہو۔ ارق: رات کو جاگنا، شب بیداری کرنا۔ البان :ایک قسم کا درخت ہے۔ قد وقامت کی طوالت ڈیل ڈول کی خوشنمائی اور پاکیزہ خوشبو کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔

العلم اس سے مقصود یا تو علامت ہے یا پہاڑ۔ اس پر (ال) الف لام یا جنس کا ہے یا عہد کا۔ الف لام عہدی ہو تو مطلب ہوگا: وہ علامات یا پہاڑ جو ان کی منازل کے پاس تھے۔

اسی طرح علی طلل میں تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے (تقدیر یہ ہے) علی طللھم اور ظاہر یہی ہے کہ مضاف کے مقدر ماننے کی وجہ تنوین ہو یعنی علی تذکر طلل اگر یہ صورت نہ مانیں تو پھر منزلِ محبوب تک رسائی اور مطلوب کے نشان پر آگاہی کا کوئی راستہ نہیں۔

کلمہ ''لا'' یا تو نفی پر عطف کرنے کے لئے زائد کیا گیا ہے۔ اس صورت میں

تاویل یہ ہوگی۔ لم ترق ولا ادقت ۔ کیونکہ حرف لم ماضی پر داخل نہیں ہوتا۔اور ''یا'' نافیہ استعمال کیا گیا ہے۔باوجود اس کے کہ ''لا'' ماضی پر بغیر تکرار کے داخل نہیں ہوتا۔تاویل گزر گئی ہے۔

معنوی تشریح: قرب کی رسائی کے بغیر حصولِ محبت پر استدلال کیا جارہا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اگر محبت کا بادشاہ تیرے مدینۂ قلب پر حکمران نہ ہوتا کہ اس کی خواہش پر تیرا معاملہ موقوف ہے (جو کچھ تیرا دل کہتا ہے وہی تو کرتا ہے) تو پھر تم کسی خبر کو سن کر یا کسی نشان کو دیکھ کر آنسو نہ بہاتے اور نہ ہی کسی پہاڑ یا درخت کی یاد میں رات بیداری میں گزار دیتے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ تمہارا آنسو بحر محبت کا قطرہ ہے اور تمہاری شب بیداری، آتش عشق (کی سوزش) ہی ہے۔اس میں اس شعر کی طرف اشارہ ہے:

وماحب الديار شغفن قلبی
ولكن حب من سكن الديار

ترجمہ: شہروں کی محبت نے میرے دل کو مشغول نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کی محبت نے (مشغول کیا ہے) جو ان شہروں میں رہتے ہیں۔

محبت ظاہر ہونے کے بعد بھی عاشق کے انکار سے شاعر متعجب ہوئے اور فرمایا:

(٦)

فَكَيْفَ تُنْكِرُ حُبًّا بَعْدَ مَا شَهِدَتْ
بِهِ عَلَيْكَ عُدُوْلُ الدَّمْعِ وَالسَّقَمِ

ترجمہ: تم محبت کا انکار کیسے کرتے ہو بعد اس کے کہ تیرے خلاف آنسو اور بیماری عشق نے گواہی دے دی ہے۔

لفظی تشریح: استفہام انکاری توبیخ کے لئے یا استبعاد (کسی بات کو محال سمجھنا) اور تعجب کے لئے ہے۔ فاء فصیحۃ (تفسیر) کی ہے۔شرطِ محذوف کے جواب میں واقع

ہوئی۔وہ اس طرح ہے جب دلائل مطلوب پر دلالت کر رہے ہیں جو کہ محبوب کی محبت ہے تو پھر انکار ہے؟

حباً پر تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ ما مصدر یہ ہے۔ بہ میں ضمیر محبت کی طرف راجع ہے آنسو اور بیماری کو عدول کہنا۔ ایسا ہی جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: **فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا** (پارہ ۲۸ سورۃ تحریم آیت ۴) کہا گیا ہے کہ عدول سے مراد دونوں آنکھوں کے آنسو بمعہ بیماری اور مختلف قسم کے آنسو اور بیماری کی قسمیں مراد ہیں۔ یہاں پر اضافت بیانیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے آنسو اور بیماری جو محبت اور درد سے پیدا ہوتے ہیں۔

(۷)

وَاَثْبَتَ الْوَجْدُ خَطَّىْ عَبْرَةٍ وَّضَنًى
مِّثْلَ الْبَهَارِ عَلٰى خَدَّيْكَ وَالْعَنَمِ

ترجمہ: غم نے کمزوری اور آنسو کے دو نشان تیرے دونوں رخساروں پر مثل بہار اور عنم کے نقش کر دیئے ہیں۔

لفظی تشریح: اثبت کا عطف شهدت پر ہے۔ الوجد: محبت کے سبب غم اور دارالحکم کے کاتب کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ الضنا کمزوری، ضعف، عام طور پر چہرے کی زردی کے ساتھ لازم ہے۔ البهار: با پر زبر کے ساتھ، زرد گلاب کے پھول کی ایک قسم ہے۔ العنم: ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں سرخ اور نرم و نازک ہوتی ہیں۔ انگلیوں کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ ضنا یہ رحیٰ کے وزن پر ہے۔ اس کا عطف عبرة پر ہے جو کہ فطرة کے وزن پر ہے۔

یعنی تیرے دونوں رخسار جو کہ بمنزلہ دو پتوں کے ہیں ان پر غم نے ایک نشان مثل عنم کے خون آلود آنسو کا اور ایک نشان مثل زرد گلاب کے پھول کے کمزوری کا

گاڑ دیا۔اس شعر میں نشر مشوش ہے(مرتب نہیں ہے یعنی عبرہ کا تعلق عنم سے اور ضنا کا تعلق بہار سے ہے)

کہا گیا ہے کہ خطین سے مراد دونوں رخساروں پر دونوں آنکھوں کے آنسو ہیں اور ''ضنا'' کا عطف خطب پر ہے۔اور مثل البھار والعنم، خطب کی صفت ہے لیکن اس صورت میں صفت اور موصوف کے درمیان اجنبی کے ذریعے سے فاصلہ ہو جاتا ہے جو کہ ضنا ہے۔اولیٰ یہ ہے کہ ضنا کا خطی پر عطب کیا جائے اور مثل البھار والعنم کو معطوف معطوف علیہ کے مجموعہ کی صفت بنا دیا جائے۔

معنوی تشریح: دونوں شعروں کا معنی یہ ہے کہ تم ایسے دو عادل گواہوں کی گواہی کے بعد جن کے متعلق تم جرح کرنے پر قادر نہیں ہو اور ایسے قاضی کے فیصلے کے بعد جس کا حکم گواہوں کی موجودگی کے سبب توڑا نہیں جا سکتا، کیسے محبت کا انکار کر سکتے ہو۔ اور (دکھ اور غم کے) قاضی نے دونوں رخساروں کی زردی پر منشورِ محبت دو سرخ رنگ کے خطوط سے تحریر کر دیا یا ظہور اثر کے سبب قضیہ محبت کی دستاویز تیرے رخسار کے دونوں اوراق پر سرخ اور زرد رنگ کے خط میں رقم کر دی۔پس جو کوئی تمہیں دیکھتا ہے، تیرے چہرے سے نمودار ہونے والی محبت کی نشانی پڑھتا ہے اور تیرے رخسار پر واضح علامت کا مطالعہ کرتا ہے۔پس رنگت کے انحراف سے انکار بالکل کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے سرخی اور زردی کو چہرے کی طرف منسوب کیا۔ اس لئے کہ وہ ہی حیرانگی، بے قراری اور شب بیداری کے سبب دل کے حالات عارض ہونے کا سبب قریب ہے اور مرض محبت، آنسوؤں کی روانی وانقطاع، چہرے کی سرخی اور زردی بلا اختیار ہے۔

اوّل اور بالذات محبت غم کا سبب ہے۔اس کے بعد ثانیاً بالعرض ان احوال کا سبب ہے جو محبت کے بعد لازم ہوتے ہیں اور جب بیماری کا معاملہ چہرے کو زرد

کرنے پر اور آنسوؤں کا معاملہ سرخی کے ساتھ رنگنے پر ختم ہوا، تو علامہ نے ان کو عدالت سے موصوف کیا کیونکہ ان کو باطل کرنا یا مہتم کرنا کسی کی مجال نہیں ہے۔ پس ضرور ہے کہ ظاہر اور باطن عشق اور محبت سے متاثر ہوئے ہیں اور محبت نے اپنی ذات کو محبت میں فنا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ رازوں کو خوب جانتا ہے۔

جب مخاطب کا محب ہونا ظاہر ہو گیا اور حقیقتاً وہی متکلم تھا تو وہ غائب سے متکلم کی طرف لوٹ آیا اور محبت کا اعتراف کر کے کہا:

(۸)

نَعَمْ سَرٰی طَیْفُ مَنْ اَھْوٰی فَاَرَّقَنِیْ
وَالْحُبُّ یَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِاالْاَلَمِ

ترجمہ: جی ہاں، مجھے اپنے محبوب کا خواب آیا جس نے میری نیند کو اچاٹ کر دیا، محبت دکھ اور درد دے کر آرام کو زائل کر دیتی ہے۔

معنوی تشریح: یہ اس امر کی تصدیق ہے جو حالات کے قرائن، گواہی کے ثبوت اور قاضی کی محبت کے بارے میں فیصلے سے استدلال کے ساتھ ثابت کیا گیا تھا یعنی تو نے میرے خلاف محبت کا دعویٰ کیا اور اس کو صحیح ثابت کیا۔ اس دعویٰ کے درست ہونے کو کمال حاصل ہے۔ بے شک میرے محبوب کے خیال نے مجھے رات کو بیدار رکھا اور میرے مطلوب کے فراق نے مجھے سخت تکلیف دی یعنی مجھے رات کو جگا دیا حالانکہ میں اس کے حال سے غافل ہو کر نیند کی لذت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ محبت اپنے محبوب کے دکھ کے سبب لذات سے منع کرتی ہے اور کہا گیا ہے کہ محبت محبوب اور لذات دونوں کے درمیان خلل انداز ہوتی ہے۔

والحب یعترض...... الخ یہ جملہ حالیہ یا جملہ معترضہ، لذت پسندیدہ چیز کے حصول کو کہتے ہیں اور **الم** اس کا الٹ ہے۔ محبت مولا کے طریقہ میں مناسب یہ ہے

کہ لذت کی تفسیر محبوب کے خیال کے ساتھ کی جائے اور الم کی تفسیر یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو محبوب کے ماسوا محب کے دل میں کھٹکے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ مجھے لیلۃ القدر میں وصال کا خیال آیا اور مجھے غفلت کی نیند سے بیدار کر دیا۔ مجھے ارباب کمال کی طرح اپنے ذکر اور فکر میں مشغول کر دیا۔ ظاہری لذتیں، باطنی درد و آلام میں تبدیل ہوئیں اور محبت میں دکھ درد معنی لحاظ سے لذتیں ہیں۔ پس ان کے لئے کتنی سعادت کا مقام ہے۔

پھر شاعر نے زبانِ حال سے ملامت کرنے والے کو مخصوص ندا کے ساتھ پکارا اور مخاطب کرتے ہوئے کہا:

(۹)

يَا لَائِمِيْ فِي الْهَوَى الْعُذْرِيِّ مَعْذِرَةً

مِنِّيْ إِلَيْكَ وَلَوْ أَنْصَفْتَ لَمْ تَلُمِ

ترجمہ: بنی عذرا کی طرح محبت کرنے پر اے مجھے ملامت کرنے والے! میری طرف سے معذرت قبول کر اور اگر تو انصاف کرتا تو مجھے ملامت نہ کرتا۔

لفظی تشریح: العذری: عین کلمہ پر پیش کے ساتھ۔ بنی عذرہ قبیلہ کی طرف منسوب ہے جو عرب کے علاقہ یمن میں آباد ہے۔ جب وہ لوگ عشق کرتے تو عشق میں مر جاتے کیونکہ ان کی عورتیں خوب صورت، پاکباز اور حیاء دار ہوتی تھیں اور ان کے نوجوان محبت میں جلدی گرفتار ہونے والے، کم صبر والے اور زیادہ حیاء والے ہوتے تھے۔

اور کہا گیا ہے کہ ھوی العذری سے مراد وہ حد سے بڑھنے والا ہے جو ہر ایک کے نزدیک مقبول العذر ہو۔

معذرۃ :اقبل فعل مقدر کا مفعول بہ یا اعذرنی فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے۔
اور منی معذرۃ کے متعلق ہے۔اور کہا گیا ہے کہ کسی محذوف کے متعلق ہے۔
الیک: یہ حال واقع ہو رہا ہے یا دونوں (معذرۃ والیک) حال واقع ہو رہے ہیں یعنی اس حال میں کہ معذرت میری طرف سے صادر ہو رہی ہے۔ جو کہ تیری طرف متوجہ ہے یا تیری طرف پہنچائی گئی ہے۔

معنوی تشریح: معنی یہ ہے کہ میں تیری خدمت میں عذر پیش کرتا ہوں کیونکہ میں مذکورہ محبت میں مبتلا ہوں۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اور اگر تو انصاف کرے تو محبت کے بارے میں مجھے ملامت نہ کرے اور ملامت کو ترک کر دے کیونکہ تو جانتا ہے کہ یہ چیز اختیاری نہیں بلکہ عشق اضطراری ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ معذرۃ سے محضتنی النصح...... الخ کی طرف اشارہ ہے۔اور والحب یعترض اللذات بالالم بھی ہوسکتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے۔اے مجھے ملامت کرنے والے! اس حال میں کہ حد سے زیادہ مخمور محبت میری عذرت ہے۔لہٰذا تو مجھے ملامت کر کے مجھ پر ظلم نہ کر، بے شک محبت نے میرا گوشت پگھلا دیا ہے، میرا خون بہا دیا ہے اور میری آنکھوں سے آنسو زائل کر دیئے ہیں، میرے چہرے کی رنگت کو زرد رنگ میں رنگ دیا ہے، میرے قرار کو لوٹ لیا ہے، میرے اختیار کو میری الفت نے چھین لیا ہے۔ ملامت تو اس وقت مناسب معلوم ہوتی ہے جب کوئی کام اپنے اختیار سے کوئی آدمی کرے لیکن جب ایک کام جبلی اور فطری طور پر ہو تو اس میں کوئی تعجب نہیں۔

پس معذرت کا حال یہ ہے کہ میری محبت میرا دشمن ہے اور عذری کی محبت میرا عذر ہے۔

مولانا عصام الدین نے کہا ہے کہ لفظ معذرۃ عذری کی نسبت سے تمیز ہے اور

منی الیك کے متعلق ہے۔ یہ اسم فعل بمعنی ابعد ہے۔

(۱۰)

عَـدَتْكَ حَـالِـيَ لَاسِرِّيْ بِمُسْتَتِرٍ
عَنِ الْوُشَاةِ وَلَا دَائِـيْ بِمُنْحَسِمِ

ترجمہ: میرا حال تجھ تک پہنچ گیا، میرا کوئی راز چغلخوروں سے پوشیدہ ہے اور نہ ہی میری کوئی بیماری ختم ہونے والی ہے۔

لفظی تشریح: عَدٰی عَنْہُ تجاوز کرنے کو کہتے ہیں۔ سَرٰی اِلَیْہِ سَرَایَةً ہر تقدیر پر یہاں ایک محذوف حرف جر کا ہونا ضروری ہے اور مشہور یہ ہے کہ الی حرف جار مقدر کیا جائے تا کہ اس پر بددعا بن جائے۔ اس حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے کہ جو آدمی اپنے بھائی کو کسی گناہ پر عار دلاتا ہے تو وہ اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسے گناہ میں مبتلا نہ کردے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث:۲۵۰۵)

الوشاۃ: واش کی جمع ہے یعنی وہ جھوٹے جو میرے اور میرے محبوب کے درمیان فساد ڈالنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔

الانسجام: انقطاع کو کہتے ہیں۔

معنوی تشریح: چاہئے کہ تیرا حال میرے حال جیسا ہو جائے تا کہ تو بھی میرا وبال اور میرے قلب وجگر کی سوزش کو چکھے۔ وہ یہ کہ میرا راز چغل خوروں اور ملامت کرنے والوں سے مخفی نہیں۔ تا کہ میں دشمنوں کے طعنے اور ملامت سے خلاصی حاصل کروں اور میرا مرض وصال کے ساتھ بھی ختم ہونے والا نہیں کہ میں سلامتی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یوں ہے کہ میرا مال تجھ سے تجاوز کر کے چغل خوروں تک پہنچا اور مخالفین پر میرا راز فاش ہو گیا، دوستوں اور دشمنوں تک پھیل گیا۔ یہ بیماری ختم نہیں ہوتی جب کہ دوستوں کے پاس اس کا کوئی

کوئی علاج بھی نہیں۔ جب تو نے اس مقام پر میرا حال جان لیا۔تو انصاف کر اور ملامت کو چھوڑ دے۔

ممکن ہے کہ یہاں عــن کومقدر کیا جائے جو اس کے حال میں مبتلا نہ کرنے کی اس کے لئے دوا ہے۔اور مرتبہ کمال تک پہنچنے سے محرومی کی اس کے لئے بددعا ہے۔

دونوں جگہ پر حرف (لا) نفی جنس کے لئے ہے۔ یہاں پر (لا) نہیں ہوسکتا کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک لا کا معرفہ پر داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

شاعر نے جب ملامت کرنے والے کی ملامت میں مبالغے کو دیکھا اور ظاہر ہوگیا کہ اس کا زخمی، سلامتی میں منحصر ہے اور اس نے اس پر ظلم کرنے میں مبالغہ اور عذر اس بات کا ہے جو اس کی عدم موجودگی میں اس پر لزام لگایا جارہا ہے۔ پھر جب اس نے یقین کرلیا کہ اس کا عذر نفع مند نہیں ہے اور اس کی تدلیس فائدہ مند نہیں ہے تو اس نے انصاف کیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ قصور ہر حال میں اس کی اپنی جانب سے ہے تو شاعر نے اس مقام پر کہا:

(۱۱)

مَحَضْتَنِي النُّصحَ لٰكِنْ لَّسْتُ اَسْمَعُهٗ
اِنَّ الْمُحِبَّ عَنِ الْعُذَّالِ فِيْ صَمَمِ

ترجمہ: اس نے تو مجھے خلوصِ دل سے نصیحت کی تھی لیکن میں نے اس کی نصیحت نہ سنی اور نہ ہی سنوں گا۔ بے شک محبت کرنیوالا ملامت گروں سے بہرہ ہوتا ہے۔

لفظی تشریح: النصیحت: دوسرے کے لئے بھلائی کا ارادہ کرنا۔

المحض: خلوص اور صفائی قلب۔ یہاں پر اس سے عدم سماع مراد ہے۔

الصمم : بہرہ پن۔ یہاں اس سے مراد عدم توجہ اور عدم قبول ہے اور جواب نہ

دینا۔

والعذال: جمع عاذل کی۔ ملامت کے ساتھ نصیحت کرنے والے۔

عقل اور عشق: اے مخاطب! تو نے اپنی نصیحت کو میرے لئے خاص کیا اور تو نے مجھے محبت کے سلسلہ میں ملامت کرنے میں اپنی نصیحت کو اغراض فاسدہ سے پاک وصاف کیا۔ یہ ملامت محبت کے اسباب کی وجہ سے تھی۔ جیسے ضروری باتوں کی طرف توجہ کرنا، ان پر آگاہی حاصل کرنا، ان کی خوبیوں کے متعلق سوچنا اور اس محبت میں والہانہ طور پر شیدا ہونا لیکن اے میرے مخاطب! (ان تمام چیزوں کے باوجود) میں تیری نصیحت کو قبول نہیں کروں گا کیونکہ میں عشق کا قیدی ہوں اور تو عقل کا امین ہے اور عقل کا حکم عشق کی سلطنت میں جاری نہیں ہوسکتا۔ عقل تعمیر کرتی ہے اور عشق ان تعمیرات کو گرادیتا ہے۔ عقل تجارت میں کام آتی ہے اور عشق جنگل میں لے جاتا ہے۔

اس شعر میں ایک حدیث صحیح کی طرف تلمیح ہے جو حضور نے ارشاد فرمایا: حبك الشیء یعمی ویصم کسی شیء کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کردیتی ہے۔ اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد اور بخاری رحمہم اللہ نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

(مسند احمد: ۲۱۶۹۴، ابوداؤد: ۵۱۳۰، التاریخ الکبیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۷، جلد ۵ صفحہ ۱۷۱)

ملامت کرنے والوں کی بات کو نہ سننا ایک ایسی حالت ہے جو تمام محبت کرنے والوں کو عام ہے۔ یہ عام حالت ذکر کرنے کے بعد شاعر نے اپنی رسوا کن حالت میں نصیحت قبول نہ کرنے کا ذکر کیا جو اس کے ساتھ ہی خاص ہے۔

(۱۲)

اِنِّیْ اتَّھَمْتُ نَصِیْحَ الشَّیْبِ فِیْ عَذَلٍ
وَالشَّیْبُ اَبْعَدُ فِیْ نُصْحٍ عَنِ التُّھَمِ

ترجمہ: میں نے اپنی ملامت کے سلسلے میں بڑھاپے کی نصیحت پر تہمت

لگائی حالانکہ بڑھاپا نصیحت کرنے میں تہمت سے کہیں دور ہے۔

لفظی تشریح: نصیح بمعنی ناصح ہے اور یہاں پر اضافت بیانیہ ہے۔ العذل بفتح ذال ہو تو اسم مصدر ہے اور العذل بالسکون ہو تو مصدر ہے۔ عصام نے کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں مصدر ہے۔ والشیب الخ جملہ اتھمت کے مفعول کا حال واقع ہو رہا ہے جو کہ الشیب ہے۔

معنوی تشریح: نصیحة الشیب سے شاعر کی مراد یہاں پر یہ ہے کہ وہ (بڑھاپا) بہ زبان حال بوڑھے سے کہہ رہا ہے کہ وہ (بوڑھا)، (دنیا سے) کوچ کرنے کے قریب ہے۔ اب بدکاریوں سے منتقلی اور توبہ کا وقت آ گیا ہے۔ عشق مجازی کو چھوڑنا ضروری ہو گیا اور عشق حقیقی کو اپنانا لازم ہوا اور حالات کی عدم اصلاح اور تضیع اوقات میں جو نقصان ہوا اس کا تدارک کرے۔

اسی وجہ سے ابویزید بسطامی قدس سرہ العزیز نے جب آئینہ دیکھا اور اس میں غور کیا تو چہرہ انور پر داڑھی شریف میں سفیدی نظر آئی۔ فرمایا: بڑھاپا ظاہر ہو گیا وہ کوئی عیب نہیں لے گیا (گناہ ختم نہیں ہوئے) اور میں نہیں جانتا کہ آئندہ کیا ہوگا۔

جب عاشق کا یہ حال ہے کہ وہ بڑھاپے کی نصیحت بھی قبول نہیں کرتا جو کہ عیب اور تہمت سے سراسر خالی ہے تو ملامت کرنے والوں کی بات کو بلا حیل و حجت بدرجہ اولیٰ قبول نہیں کرے گا۔ نیز کہا گیا ہے کہ بڑھاپے کا وقت سے قبل آنے پر محمول ہے تاکہ بڑھاپے کے زمانے میں جو ضروری چیزیں ہیں ان کو بعید نہ جانے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اوباش لوگ محنتی لوگوں کی بہ نسبت جلدی بوڑھے ہونے والے ہیں۔ عربوں کا محاورہ ہے: الشیب نور الھموم۔

اس شعر کا یہ معنی ہے کہ میں نے ایسے ناصح پر تہمت لگائی جو ہر تہمت سے بری اور ہر ناصح سے سچا ہے اور وہ بڑھاپا ہے، وہ دل کے ٹوٹنے اور جسم کے گرنے (موت) پر

دلیل ہے۔پس سعادت مند وہ ہے جو اس کے وعظ سے نصیحت حاصل کرے۔

کہا گیا ہے کہ ایک آدمی نے اپنے سر میں بڑھاپے کو دیکھا تو اس نے اپنی عورتوں کو اکٹھا کیا۔کہا:اے میرے گھر والیو!میرا بعض حصہ مرگیا۔اور یہ شعر کہا:

اذامـا مـات بـعضك فـانك بعض

فبـعـض الشـي مـن شيـىء قـريب

ترجمہ: جب تیرا بعض حصہ مرگیا تو اب تو بعض ہے کسی چیز کا بعض کسی شے (موت) کے قریب ہے۔

پھر شاعر نے بڑھاپا وقوع پذیر ہونے کے بعد اس کی تہمت کو علت بناتے ہوئے کہا:

(۱۴)

فَـاِنَّ اَمَـارَتِـیْ بِـالسُّـوْءِ مَـا اتَّعَظَتْ

مِـنْ جَهْـلِهَـا بِـنَـذِيْرِ الشَّيْبِ وَالْهَرَمِ

ترجمہ: بے شک مجھے برائی کی طرف حکم دینے والے (نفس امارہ) نے اپنی جہالت کے سبب بڑھاپے اور معمری کے ڈرانے سے کوئی نصیحت حاصل نہ کی۔

لفظی اور معنوی تشریح: **فـا** اس جگہ **اتهـمـت** پر عطف کے لئے شیب کو فائدہ دے رہی ہے یعنی جب میں نے بڑھاپے جیسے ناصح پر تہمت لگائی تو یہ بات جہالت اور ڈرانے والے کی نصیحت سے عبرت حاصل نہ کرنے کا سبب بنی حالانکہ موت کے پہنچنے کی خبر دینے والا ہے اور وہ مکمل بڑھاپا ہے۔یہاں نذیر بمعنی منذر ہے۔

یہاں اضافت، صفت کو موصوف کی طرف مضاف کرنے کی قسم میں ہے۔

الهـرم: بڑھاپے کی انتہا۔ **الـمـنـذر**: موت کی قربت سے خوفزدہ کرنے والا جو تمام

اطاعات اور توبہ کو فوت کرنے والی ہے۔ **ومن جھل** :یہ عدم اتعاظ کی علت ہے۔ کہا گیا ہے کہ **نذیر** بمعنی **انذار** جو اتعاظ یا جہل سے متعلق ہے۔

جاننا چاہئے کہ نفسی یعنی قوت حیوانیہ جو کہ قوتِ مدرکہ اور قوتِ محرکہ پر مشتمل ہے جب وہ قوتِ عاقلہ کی مطیع نہ ہو تو وہ بمنزلہ چوپائے کے ہے جو کہ قوت عاقلہ کی خواہش اور غضب کے مطابق نہیں ہوتی اور نہ ہی قوتِ عاقلہ اس سے خدمت لے سکے، تو ایسی صورت حال میں وہ قوت نفس امارہ ہوگی اور قوت عاقلہ اضطراری طور پر چاروناچار تابع فرمان ہوتی ہے۔

ہاں! جب قوت عاقلہ اس کو اپنا تابع بنالے اور اس کو ان مختلف اسباب سے روکے تو اگر وہ اس کی خدمت میں کمربستہ ہو جائے۔ اس کی اطاعت پر اس طرح کوشش سے عمل کرے کہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرے، اس کے روکنے سے باز رہے تو اس وقت عاقلہ نفس مطمئنہ ہوگی۔

اگر قوتِ حیوانیہ کبھی تو عاقلہ کی اطاعت کرے اور کبھی نافرمانی، تو جب وہ نافرمانی کرلے تو وہ اس کی خواہش کی اتباع کرتی ہے، پھر نادم ہوتی ہے تو اپنے آپ کو ملامت کرتی ہے۔ وہ نفس لوامہ ہوگا۔ قصہ مختصر یہ کہ امارہ نافرمانی کرنے والے کو، مطمئنہ تابع فرمان کو اور لوامہ ملے جلے خیالات کا ارادہ رکھنے والے نفس کو کہیں گے۔

(۱۴)

وَلَا اَعَدَّتْ مِنَ الْفِعْلِ الْجَمِيْلِ قِرٰى
ضَيْفٍ اَلَمَّ بِرَأْسِيْ غَيْرَ مُحْتَشَمِ

ترجمہ: اور نفس نے اس غیر محتشم مہمان کی میزبانی کے طور پر کسی اہتمام خاص کی تیاری نہیں جو میرے سر اترا ہے (یعنی بڑھاپا)

لفظی تشریح: **فعل جمیل** ہر وہ فعل ہے جس کو شرع یا طبع مستحسن گردانے۔

قـــــری :زیر سے میزبانی۔ یہاں اس سے مراد توبہ اور دیگر نیک اعمال ہیں۔
الالمام :اترنا۔ **الاحتشام** : بہ سبب احترام کے شرمانا۔ نفی احتشام کی قید بزرگوں کے نزدیک قرأت کی آسانی پیدا کرنے کے لئے ہے۔ سر کی تخصیص اس لئے کی کہ وہی پہلا مقام ہے جہاں بڑھاپا ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ بڑھاپا اس کے سر پر بحالت غفلت آیا ہے۔ کہا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بڑھاپا نفس کے نزدیک غیر محتشم ہے کیونکہ وہ اس کو ناپسند کرتا ہے۔ **ولاعدت بر سبیل عطف الخاص علی العام، اتعظت** پر عطف ہے کیونکہ اتعاظ زواجر سے اجتناب اور اوامر پر عمل کرنے سے ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اتعاظ سے اجتناب اور اعداد سے خوبیوں کو اپنانا مراد ہو۔

معنوی تشریح: پہلے شعر سے اپنے نفس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قوت عاقلہ کے منع کرنے کے باوجود (برائیوں سے) باز نہیں آیا۔ دوسرے شعر سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ نفس نے قوتِ کاملہ (عاقلہ) کے حکم کی تعمیل نہیں کی جس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ (نفس) نافرمانی میں حد کو پہنچ گیا اور سرکشی کا حکم کرنے میں بھی انتہا کر دی۔

غیـر : **الـم** کی ضمیر سے بوجہ واقع ہونے کے منصوب ہے۔ معنی یہ ہوا کہ نفس امارہ نے برائیوں سے اجتناب نہیں کیا اور طاعات پر عمل نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اس نے معزز مہمان کی مہمان نوازی نہیں کی۔ اس سے مراد وہ مختلف قسموں کے خیالات بھی ہو سکتے ہیں جو بغیر احتشام کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ مہمان کی عزت افزائی عقلاً ونقلاً ضروری ہے بالخصوص جب بڑھاپا آ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تیرے پاس (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے عزت والے مہمانوں کا قصہ نہیں پہنچا۔ (پارہ ۲۶ سورۃ الذاریات آیت ۲۴) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا

ہے اسے (ضرور) چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ (صحیح بخاری: ۶۰۱۸، صحیح مسلم: ۱۷۳-۱۷۲) نیز فرمایا: بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا اللہ تعالیٰ کی عزت وتکریم میں داخل ہے۔ (سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۳، دار المعرفہ بیروت)

(۱۵)

لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ اَنِّىْ مَا اُوَقِّرُهٗ
كَتَمْتُ سِرًّا بَدَالِىْ مِنْهُ بِالْكَتَمِ

ترجمہ: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں اس کی توقیر نہیں کروں گا تو جو راز اس کی وجہ سے نمودار ہوا ہے میں اس کو خضاب سے چھپا لیتا۔

لفظی تشریح: الکتم ایک نباتات ہے جسے وسمہ یا مہندی سے ملا کر خضاب لگایا جاتا ہے۔ السر: اس سے مراد بڑھاپے کا غفلت سے ڈرانا اس کا موت کے قریب ہونے پر تنبیہ کرنا ہے۔

معنوی تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس (بڑھاپے) کا ظہور میرے علاوہ کسی اور کے پاس ہوتا تو میں اس کے رازوں اور بھیدوں کو خضاب سے چھپا لیتا جو کہ میرے سر پر نمودار ہوئے ہیں تاکہ میں رسوائی اور زبان حال کی نصیحت کے عدم سماع کی طرف منسوب نہ کیا جاتا، کیونکہ زبانِ حال باتوں سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔

(۱۶)

مَنْ لِّىْ بِرَدِّ جِمَاحٍ مِنْ غَوَايَتِهَا
كَمَا يُرَدُّ جِمَاحُ الْخَيْلِ بِاللُّجُمِ

ترجمہ: کون ہے میرے لئے جو اس (نفس) کو سرکشی سے روکے۔ جس طرح کہ گھوڑے کی سرکشی کو لگام سے روکا جاتا ہے۔

لفظی تشریح: الجماح: جیم پر زیر، جموح کی جمع ہے۔ اخلاق ذمیمہ کو برے

چوپائیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ الجماح مصدر ہے۔ الرد: نفس کو اس کی سرکشی سے دور کرنا۔ من غوایتھا جماح کی صفت ہے یعنی ایسی سرکشی جو اس کی گمراہی اور لاعلمی کی وجہ سے پیدا ہوتی۔ اس شعر میں استفہام برائے تضرع، استعانت بالغیر اور استعطاف برائے نفس خود ہے۔

معنوی تشریح: کون ہے جو مجھے مکار اور غدار نفس امارہ کے سبب واقع ہونے والے صفات اور برے اخلاق کے تبدیل ہونے اور احوال جمیلہ اور مقامات جلیلہ کی تحصیل کی ضمانت دے جیسا کہ غیر مہذب گھوڑوں کی ناپسندیدہ حرکات لگام سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ مواعظ حسنہ کو لگام سے تشبیہ دی گئی ہے۔ عصام الدین نے فرمایا: نفس کو گھوڑے سے تشبیہ دینا لسان شرع سے ماخوذ ہے۔ ''نَفْسُكَ مَطِيَّتُكَ فَارْفُقْ بِهَا'' تیرا نفس تیری سواری ہے پس اس کے ساتھ نرمی اختیار کر۔ کہا گیا ہے (لگام سے) مقصود مرشد کامل ہے۔ جو عالم باعمل ہوتا ہے۔ پھر شاعر نے اپنے عیب کو محسوس کرتے ہوئے یوں کہا:

(۱۷)

فَلَا تَرُمْ بِالْمَعَاصِیْ کَسْرَ شَهْوَتِهَا
اِنَّ الطَّعَامَ یُقَوِّیْ شَهْوَةَ النَّهِمِ

ترجمہ: پس تو (نفس کی) خواہش توڑنے کے لئے گناہ کا ارادہ نہ کر۔ بے شک کھانا زیادہ کھانے کی خواہش کو مضبوط کرتا ہے۔

لفظی تشریح: النھم: ہاء پر زیر کے ساتھ اور زبر کے ساتھ بھی ہے۔ کھانے کی خواہش میں زیادتی بطور صفت واقع ہوا ہے۔

معنوی تشریح: جب تو گناہ سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے سرکشی کو روکنے کا ارادہ کرے تو پھر مناہی کے ساتھ نفس کی خواہش کو توڑنا اور لہو ولعب کے ساز وسامان

کے ساتھ اس کی شہوت کو جڑ سے اکھیڑنے کی تدبیر نہ کر یعنی یہ گمان نہ کر کہ جب تو اس کو اس کے مقصد کے ساتھ پورا کر دے گا تو یہ نقصان دینے سے باز آ جائے گا۔ (ایسا ہرگز نہیں ہے) بے شک طلب مطلوبہ شیء کے پانے سے زیادہ ہوتی ہے اور طبیعت حسب تمنا حاصل کر لینے سے قوت پکڑتی ہے جیسے کوئی معدہ نارجیہ یا جوع البقر میں مبتلا ہو۔ اس کی قوتِ مریضہ چوپائیوں کی طرح کھانے سے بڑھتی ہے۔ مریض استسقاء کی پیاس مسلسل پانی پینے سے زیادہ ہوتی ہے۔ پس گناہ اس کی خواہش کو بڑھائیں گے، گھٹائیں گے نہیں بلکہ اس کو (مزید) خراب کر لیں گے۔ اس کی اصلاح نہیں کریں گے۔ روحانی طبیبوں کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ دوائی کا استعمال تقویت کے لئے ہوتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نفس کے لئے ماسوائے پرہیز کے کوئی دوا نہیں۔ مالوفات کی محبت میں اس کے لئے ابتلاء ہے اور شاعر کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے۔

(۱۸)

وَالنَّفْسُ كَالطِّفْلِ اِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلٰى
حُبِّ الرَّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

ترجمہ: نفس بچے کی مانند ہے، تو اگر اس کو مہلت دے تو یہ دودھ پینے کی عادت پر ہی جوان ہو جائے گا اور اگر اس کا دودھ چھڑا دے تو خود بخود چھوڑ دے گا۔

لفظی تشریح: شب الصبی: بچہ جوانی کو پہنچ گیا۔ الرضاع: راء پر کسرہ اور فتحہ دونوں ہیں۔

معنوی تشریح: نفس، دودھ پیتے بچے کی مانند ہے کیونکہ نفس مضرت رساں مرغوبات میں مصروف ہے اور ان پر عمل پیرا ہوتے وقت اس کی طبع میں اکتاہٹ پیدا

نہیں ہوتی کیونکہ یہ دودھ پیتے بچے کی مانند ہے۔ بعینہٖ اسی طرح اگر تو بچے کو دودھ پینے کی عادت پر چھوڑ دے تو وہ مطابق طبیعت اسی عادت پر نشو ونما پائے گا۔ پھر وہ غیر ضروری حالات واوقات میں بھی دودھ پینے پر بضد ہوگا۔ (جس سے) اس کا مزاج اخلاط ردیہ سے اس وقت فاسد ہو جائے گا اور اگر تو پھر یہ لطائف الجبل پستان سے نفرت دلانے اور محبت وشفقت سے کھانوں کی لذت سے مانوس کرنے سے اس کا دودھ چھڑادے گا تو وہ چھوڑ دے گا اور بھلائی کی لڑی میں شامل ہو جائے گا۔

جس نے کہا، خوب کہا۔ (اس نفس کو) اگر تو رغبت دلائے گا تو یہ رغبت کرنے والا ہے اور اگر تو اس کو قلیل کی طرف لوٹائے گا تو (یہ اسی پر) قانع ہو جائے گا۔ فرمایا:

(۱۹)

فَاصْرِفْ هَوَاهَا وَحَاذِرْ اَنْ تُوَلِّيَهٗ
اِنَّ الْهَوٰى مَا تَوَلّٰى يُصْمِ اَوْ يَصِمِ

ترجمہ: پس روک لے اس (نفس) کی خواہش کو اور احتیاط کر، کہیں یہ تجھ پر غالب نہ ہو جائے کیونکہ جب نفسانی خواہشات غالب ہو جاتی ہیں تو یہ یا تو ہلاک کر دیتی ہیں یا عیب ناک بنا دیتی ہیں۔

لفظی تشریح: الصرف: روکنا۔ کہا گیا ہے کہ کسی شیء کو اس کے غیر سے روک لینا۔ الھوی: ہدایت کی انگیخت کے علاوہ نفس کا ایسی چیز کی طرف میلان ہونا جس کو وہ لذیذ سمجھتا ہے۔ حاذر: احذر کا مبالغہ ہے کیونکہ باب مفاعلہ جب تغلیب کے لئے نہ ہو تو وہ مبالغہ کے لئے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے۔ اس کا معنی ہے: احذرا احذر (یعنی بار بار بچ) ولاہ: کسی کو والی بنانا، ولایت کا قلادہ پہنانا۔ تولی الامر: قلادہ پہن لینا۔ اور اس معاملہ کو لازم کر لینا، کسی کام پر والی بن جانا۔ ما: شرطیہ زمانیہ ہے یا عمومیہ۔ بعض نے کہا ہے کہ موصولہ ہے۔ عصام نے اسی کو پختہ کہا ہے۔

اصمی الصید: شکار کو اسی جگہ قتل کر دینا جہاں وہ گرا ہو۔ وصم: عیب دار بنانا۔ یصم اور یصم کے درمیان تجنیس خطی ہے اور یہ صنعت بدیعیہ ہے۔

معنوی تشریح: جب تمہیں معلوم ہے کہ نفس بڑے بڑے مفاسد کا تابع ہے (اس کے باوجود) وہ عظیم چیزوں (نصیحتوں) کے سبب ان مفاسد کے قطع کرنے کے قابل ہے (تو اس وجہ سے) اس کو اپنی خواہش سے باز رکھ اور اس کو اپنی چاہت سے متغیر کر اور اس بات سے ہر طرح بچنے کی کوشش کر کہ تو ہویٰ کو اپنے دل کے قلعہ اور عقل کی مملکت پر امیر مقرر کرے۔ بے شک وہ گمراہی اور خیانت کا سبب ہے، حکومت اور امارت کی صلاحیت نہیں رکھتی، اور ہویٰ (ہوس) جب والی بن کر مولیٰ کی مخالفت کرتی ہے تو انسان کو فوراً بدامیدوں کے سبب ہلاک کر دیتی ہے یا بداعمالی کے باعث اس کو گمراہی میں خراب کر دیتی ہے۔

یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ماخوذ ہیں: وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ...... (پارہ ۲۳ سورۃ ص آیت ۲۶)

اور خواہش کا اتباع نہ کر (نہیں تو) وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر دے گی۔ بے شک جو اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ روزِ قیامت کو بھول گئے۔ یوم قیامت کے نسیان سے مراد اس کی حقیقت پر عدم اعتقاد کر لیا گیا ہے۔ پس یہ ضلالت اضافی ہے۔

جب علامہ بوصیری اس بیان سے فارغ ہوتے کہ نفس میں تربیت حاصل کرنے کی قابلیت ہے تو خلوت کا بیان شروع کیا جو جلوت پر مقدم ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ نفس کی ریاضت سے مقصد، اس کو اپنی ہوس سے روکنا اور اپنے مولیٰ کی اطاعت پر مجبور کرنا ہے، اول زہد ہے اور ثانی عبادت ہے اور اسی وجہ سے فرمایا:

(۲۰)

وَرَاعِهَا وَهِيَ فِي الْأَعْمَالِ سَائِمَةٌ
وَإِنْ هِيَ اسْتَحَلَتِ الْمَرْعٰى فَلَا تُسِمِ

ترجمہ: اور تو اس (نفس کی) نگرانی کر اس حال میں کہ وہ اعمال کو چرنے میں مشغول ہے (لیکن) اگر وہ چراگاہ کو میٹھا گمان کرے تو پھر تم اس کو چراگاہ کی طرف نہ نکالو۔

لفظی تشریح: المراعات: نگرانی کرنا۔ سامت الماشية: چوپائے کو اس وقت کہتے ہیں جب وہ چرنے لگے۔ الاسامہ: چوپائے کو چراگاہ کی طرف نکالنا۔ استحلی: میٹھا شمار کرنا۔

علامہ بوصیری نے اعمال سے مراد اعمال صالح لئے ہیں۔ برے اعمال چونکہ نفع سے خالی ہوتے ہیں اس لئے گویا وہ اعمال ہیں ہی نہیں۔ السوم: اس کا لغوی معنی تو چرنا ہے، اعمال میں چرنے سے علامہ نے اس میں مشغول ہونا مراد لیا ہے۔ المرعی: اس سے مراد نوافل ہیں، واجبات اور مستحبات نہیں کیونکہ یہ دونوں استحلاء کے سبب ترک کا باعث نہیں بنتے۔

معنوی تشریح: نفس کی دیکھ بھال اور نگرانی کر جب کہ وہ اعمال صالح میں مشغول ہو قطع نظر اس سے کہ وہ باقی میں مشغول ہے یا کہ نہیں۔ اس کو جھڑک جب وہ خلوص نیت اور حضور قلب کے بغیر جو کہ عادتِ انسانیہ ہے۔ نوافل میں مصروف ہو، کیونکہ عبادت غیر عادت ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ارادہ ترکِ عادت ہے۔

کہا گیا ہے کہ معنی یہ ہے: عبادت کے دوران اپنے نفس کا خیال رکھ تا کہ اس کے ارکان، شرائط، سنن اور آداب کے ترک سے محض عادت کے قائمقام نہ ہو جائے یا عبادت عجب، ریا، غرور، تکبر اور حصول دنیا کے مانند خارجی یا داخلی مفسدات کے سبب

فاسد نہ ہو جائے۔ اگر نفس ظاہری عبادت پر قناعت کر جائے اور عبادت کی معنوی اور صوری مفسدات کی پرواہ نہ کرتو اس کو بہتری کی طرف لا کیونکہ وہ عبادت نہیں ہے بلکہ محض عادت ہے۔ یہ معنی صاحب معاون کے قول کے مطابق ہے اور ممکن ہے کہ اس شعر کو ایک ایسے عارف کے لئے خطاب بنایا جائے جو معارف کو سمجھتا ہے تو کہا جائے گا (اے عارف!) نیک عمل کر اور اپنے عمل میں انتظار نہ کرتا کہ تو بادشاہ حقیقی (اللہ تعالیٰ) تک پہنچ جائے۔ اگر نفس اعمال کی زینت سے مزین ہونے کے سبب غرور کرے اور احوال کے زیور (کے ساتھ آراستہ ہونے کے سبب) خود پسندی کرنے لگے ہو تو اس کو جھڑک دو، کیونکہ انہی اعمال اور احوال (کے حصول کے بعد) وصولِ کمال ہوتا ہے اور یہی وصال کی حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی یہ مقام عطا فرمائے جو کہ حفاظت کرنے والا بلند و بالا ہے۔

(۲۱)

كَمْ حَسَّنَتْ لَذَّةً لِّلْمَرْءِ قَاتِلَةً

مِنْ حَيْثُ لَمْ يَدْرِ اَنَّ السَّمَّ فِى الدَّسَمِ

ترجمہ: کتنی ہی ایسی حسین لذتیں ہیں جو انسان کو یوں قتل کر دیتی ہیں کہ وہ نہیں جانتا کہ اس پُر تکلف کھانے میں زہر ہے۔

لفظی تشریح: یہ شعر فلا تسم کی علت بیان کر رہا ہے۔ کم: خبر یہ ہے یہ منصوب المحل بطور مصدر یا بطور ظرف ہے۔

اور یہ فعل حسنت کے متعلق ہے۔ یا علی سبیل التنازع لذۃ کے متعلق ہے یا قاتلۃ کے متعلق ہے۔ حیث: اصل میں تو مکان کے معنوں میں ہے۔ استعارۃً یہاں پر بمعنی جہت استعمال ہوا ہے۔ والسم: سین پر تین حرکات ہیں لیکن مناسبت کے لئے یہاں پر فتحہ کی روایت ہے۔ حسنت کا معنی یہ ہے: کسی شیء کو خوب صورت

بنانا اور حسن کی طرف منسوب کرنا۔ لــلــمــرء: یہ لفظ قاتلۃ کا مفعول ہے۔ اس لام (حرف جار) متعدی بنانے کے لئے ہے۔

معنوی تشریح: نفس امارہ، غدار، مکار اور دھوکے باز ہے۔ کئی بار اس نے انسان کو دھوکہ دیا۔ وہ چیزیں انسان کی نظر میں حسین معلوم ہوئیں جنہوں نے اس کی فطرت کو خراب کر دیا۔ بس وہ اس طرح نفس کی بے ہودہ باتوں سے دھوکہ کھا گیا اور اس کی چابک دستی سے ان ہلاکت کی چیزوں کو اچھا گمان کیا۔ پس وہ مقابلہ میں ہار گیا اور اس کے زہر کو تناول کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

پس اس نے اپنی بہتری کو نہ سمجھا اور ناگہاں اپنی ہلاکت میں جا گرا۔

اس شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف بھی اشارہ ہے: وَهُمْ يَحْسِبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (پارہ ۱۶ سورۃ الکہف آیت ۱۰۴) (وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں) اس شعر میں ایک لطیفہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ لفظ اسم، الدسم میں مذکور ہے۔ جیسا کہ کسی کہنے والے کے اس قول میں ہے: السفر قطعة السقر یعنی سفر میں ایک نقطہ زیادہ کر کے سقر بنا دیا۔ یا فائز پر قاف بحساب جمل زیادہ کیا اور اس کا معنی یہ ہے کہ سفر جہنم کے عذاب کی ایک قسم ہے۔ بے شک منجملہ اس کے عذاب کی تمام اقسام کے ایک قسم صعود ہے۔ وہ آگ کا ایک عظیم رسہ ہے۔ بشمول عذاب کی بقیہ اقسام کے جہنمی کو اس پر چڑھنے اور اترنے کی تکلیف دی جائے گی۔

یہ معانی ظاہر کرتے ہیں کہ شاعر کا تمسک اس قسم کا فائدہ نہیں دیتا۔ اگر چہ یہ تھوڑا مبالغے کا فائدہ دیتا ہے جو کہ بحسب عادت خارج کے غیر مطابق ہے۔ اس کی مثال یہ ہے:

العيادة افضل من العبادة (بیمار پرسی عبادت سے بہتر ہے) **واللہ اعلم۔**

پھر شاعر نے بیان کیا کہ جس طرح نفس عبادات میں توجہ کرتا ہے اسی طرح

ایسے مباحات میں بھی توجہ اور میلان کرتا ہے جن سے سالک کو (مخصوص) حالات میں چھٹکارا نہیں ہے، تو اس نے کہا:

(۲۲)

وَاخْشَ الدَّسَائِسَ مِنْ جُوْعٍ وَّمِنْ شِبَعٍ
فَرُبَّ مَخْمَصَةٍ شَرٌّ مِنَ التُّخَمِ

ترجمہ: تم بھوک اور شیر شکمی کی دسیسہ کاریوں سے ڈرو بسا اوقات شدت کی بھوک، سیر شکمی سے بدتر ہوتی ہے۔

شرح: یعنی بھوک اور سیر شکمی سے حاصل ہونے والے خبیث مکروں اور حقیر ذلالتوں سے بچ۔ شب بیداری اور نیند، خاموشی اور گفتگو، میل جول اور گوشہ تنہائی، فقر اور غنیٰ، کنوارپن اور شادی بھی ان ہی دونوں (بھوک اور سیر شکمی) کے معنی میں ہے۔ ان میں سے ہر ایک میں منافع بھی ہے اور نقصانات بھی۔ پس کھانے پینے میں زیادتی دنیا میں مصائب کا سبب بنتی ہے اور آخرت میں عتاب کا۔ بے شک یہ ساری چیزیں جسد انسانی کی سیرابی کے لئے کوشاں ہیں جو کہ سالک کی روح کی سواری ہے اور نفس کو ہلاکتوں میں گرانے اور اس کو جکڑنے کی طرف لے جاتی ہے اور انہی سے ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں جو سستی، ضیاعِ عمر اور دل کی سختی، غفلت اور لمبی امیدوں کی وجہ سے اس کی موت کے مقتضی ہوتے ہیں۔ کم کھانا پینا حدت مزاج کا سبب بنتے ہیں، اکتاہٹ اور تھکاوٹ تحصیل کمال میں ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ غذا میں میانہ روی رکھو کیونکہ کمی وزیادتی گھٹیا ہیں اور میانہ پن میں فضائل ہیں۔ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ماخوذ ہے: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو) (پارہ ۸ سورۃ الاعراف، آیت ۳۱) جس نے یہ بات کہی بہت خوب کہی کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صوری اور معنوی طب جمع کر دی ہے۔

شاعر نے اس شعر میں فرمایا کہ بسا اوقات سخت بھوک تخم سے بدتر ہوتی ہے۔ تخم تخمۃ کی جمع ہے۔ تخمہ کہتے ہیں طعام کا معدہ میں ہضم نہ ہونا، معدہ میں متعفن ہو جانا اور تکلیف دینا۔ مطلب یہ ہے کہ حد سے زیادہ پیٹ بھرنا، عرب اور دانا لوگ قلیل خرد ونوش پر مدح کرتے ہیں اور کثرت پر مذمت۔ دوسرا یہ کہ تھوڑا کھانا، قناعت، نفس پر کنٹرول اور خواہش کو ختم کرنے پر دلیل ہے اور دل کی صفائی اور ذہن کی تیزی کا سبب ہے۔ بسیار خوری، حرص، شرارت، غلبۂ شہوت اور ان کے علاوہ جن کا بیان ابھی گزر چکا ہے، پر دلیل ہے۔ بادی الرائے میں تو اس بات کا وہم ہوتا ہے کہ بھوک میں کوئی خرابی یا برائی نہیں۔ پھر جب دقت نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں ایک نہیں کئی برائیاں ہیں۔ پس اس طرح وہم دور ہو گیا اور حقیقت حاصل واضح ہو کر پختہ ہو گئی۔

رُبَّ تقلیل کے لئے ہوتا ہے اور کبھی تکثیر کے لئے بھی ہوتا ہے۔ پھر شاعر نے توبہ پر اکساتے ہوئے اور رجوع پر برانگیختہ کرتے ہوئے کہا:

(۲۳)

وَاسْتَفْرِغِ الدَّمْعَ مِنْ عَيْنٍ قَدِ امْتَلَأَتْ
مِنَ الْمَحَارِمِ وَالْزَمْ حِمْيَةَ النَّدَمِ

ترجمہ: پس فارغ کر آنسوؤں کو ایسی آنکھ سے جو بھر گئی ہے حرام چیزوں سے اور ندامت کی پرہیز کو لازم رکھ۔

لفظی تشریح: استفراغ علم طب پر شکمی کا علاج بھی ہے۔ الحمية (پرہیز) بمعنی احتماء جو کہ ندامت اور بعض نے کہا ہے: حمية الندم کا معنی یوں ہے ایسی پرہیز جو ندامت سے حاصل ہو۔ والمحارم: محرمہ کی جمع بمعنی حرام ہے۔ حمية الندم میں اضافت بیانیہ ہے۔ آنکھ کا محارم سے امتلا، کثرتِ مناہی کے ارتکاب اور

شہوات اور کھیل کود کے سامان کے ساتھ التذاذ سے کنایہ ہے۔

معنوی تشریح: اگر تیرا معنوی معدہ فاسد اور ردی اشیاء سے پر ہو گیا ہے تو تم امور منہیہ کے ارتکاب کے سبب ندامت کے ساتھ اپنی حسی آنکھ کے مدخل (معدہ کو) خالی کرو۔ پھر پرہیز کو لازم رکھو جو کہ ندامت ہے، کیونکہ توبہ کرنے میں یہی اصل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں اسی پر دارومدار ہے۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ندامت توبہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۲) جیسا کہ ارشاد فرمایا: حج عرفہ ہے۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث ۱۹۴۹، جامع ترمذی: رقم الحدیث ۹۰۴، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث ۳۰۱۵) اگرچہ ان دونوں (توبہ، حج) کے اور ارکان بھی ہیں اور یہ دونوں (ندامت، عرفہ) ہر ایک (توبہ اور حج) کی حقیقت میں معتبر ہیں کیونکہ ندامت جب آجاتی ہے تو توبہ کے باقی ارکان عموماً لازم ہو جاتے ہیں جیسے معصیت کا ختم ہو جانا، دوبارہ معصیت کی طرف عدم رجوع کا عزم کرنا اور جو ان ارکان کے تابع ہوتے ہیں (وہ بھی لازم ہوتے ہیں) جیسے اللہ تعالیٰ کے حقوق اور حقوق العباد کا ادا کرنا۔ (مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۴۰۵، مسند احمد: ۱۸۷۷۴، سنن ابن ماجہ: ۳۰۱۵، جامع ترمذی: ۳۰۱۵، شرح معانی الآثار: ۳۹۴۶، معجم ابن الاعرابی: ۹، ابن خزیمہ: ۲۸۲۲، الاحاد والمثانی: ۹۵۷، سنن کبریٰ نسائی: ۳۹۹۷-۴۰۳۶-۱۴۶۶)

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مسلسل آنسوؤں کا بہانا گناہوں کو گراتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا (پارہ ۱۰ سورۃ توبہ آیت ۸۲) ترجمہ: پس چاہئے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ (پارہ ۲۷، سورۃ رحمٰن، آیت ۵۰) کے متعلق کہا گیا ہے۔ جس کی آنکھوں میں آج آنسو ہیں وہ بہیں گے۔ اربابِ حال میں سے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

کیف تری لیلی بعین تری بها
سواها وما طهرتها بالمداع

اور کسی نے کہا:

طهر العین بالمداع سبعا
من شهود السوی نزل کل علة

پھر شاعر نے مراتب مشاہدہ کی طرف پہنچانے والے مقام مجاہدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

(۲۴)

وَخَالِفِ النَّفْسَ وَالشَّيْطَانَ وَاعْصِهِمَا
وَإِنْ هُمَا مَحَّضَاكَ النُّصْحَ فَاتَّهِمِ

ترجمہ: (اے سالک!) تو نفس اور شیطان کی مخالفت کر اور ان دونوں کی نافرمانی کر۔ اگر وہ تمہیں مخلصانہ نصیحت بھی کریں تو پھر بھی ان کو متہم کر۔

شرح: (اے سالک!) تحقیق تو نفس کی وارفتگی اپنی خواہش پوری کرنے میں اور اس کی حرص اور مبالغہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں پہچان چکا ہے۔ نفس کا ایک مددگار بھی ہے جو اس کے اپنے ارادے حاصل کرنے پر برانگیختہ کرتا ہے اور اس کے مقصودات کو اس کے لئے مزین کرتا ہے۔ وہ شیطان ہے جس کو توبہ نہ کرنے والے پر غلبہ حاصل ہے۔ پس یہ دونوں تمہیں جن باتوں کا حکم دیں یا جن سے منع کریں، تمہارے دشمن ہیں۔ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو کہ تمہارے پہلو کے درمیان ہے۔ داخلی چور ایک لاعلاج بیماری ہے جس سے بچنا کسی صورت میں ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ دشمن محبوب ہے اور محبوب کا عیب مستور و محجوب ہوتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ کسی شے کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔ (مسند احمد ۲۱۶۹۴،

ابوداؤد: ۵۱۳۰' تاریخ کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۷) اور شعر ہے:

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة

کما ان عین السخط تبدی السماویا

ترجمہ: رضا کی آنکھ ہر عیب سے تھکی ہوئی ہے۔ جیسا کہ ناراضگی کی آنکھ برائیوں کو ظاہر کرتی ہے۔

چونکہ وہ حصول امید کے مقام تک پہنچنے کے لئے سواری ہے۔ اس لئے تیرے لئے قوت اور سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس کی موافقت ممکن ہے (بصورت موافقت) وہ تمہیں ہلاک کر دے گا۔ اس کا موٹاپا تمہیں کھالے گا اور اس کی بھوک تمہیں رسوا کر دے گی۔ پس تم پر اعتدال لازم ہے تاکہ وہ (اعتدال) تمہیں وصال کی منزل تک پہنچائے۔ البتہ شیطان تو تمہارا ایسا دشمن ہے جس کے ساتھ کسی قسم کی صلح نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ تیری عداوت پر فطری طور پر پیدا کیا گیا ہے اور تجھے گمراہ کرنے کے درپے ہے۔ پس اس سے محفوظ رہنے کے لئے آستینیں چڑھا لے اور مخالفت کرنے میں کوشش کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے پس اس کو دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لئے بلاتا ہے تاکہ وہ زخمی ہو جائیں۔ (پارہ ۲۲ سورۃ فاطر آیت ۶) بعض نے کہا ہے کہ شیطان کے شر سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگ کیونکہ وہ اس کے ہٹانے اور دور کرنے پر قادر ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ جنگ و جہاد کر۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ان دونوں چیزوں کو جمع کرو۔ پس اگر تم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کے ذریعہ کامیاب ہو جاؤ تو بہتر۔ اور اگر تم پر غالب آجائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد سے جہاد کر۔

مقصد یہ کہ تو ان دونوں (نفس اور شیطان) کی مخالفت کر جب کہ وہ کسی بات کا حکم کریں اور ان کی نافرمانی کر جب کہ یہ تمہیں کسی بات سے روکیں۔ اگر یہ دونوں

بظاہر تمہیں پر خلوص نصیحت کریں تو ان کو عذر و خیانت اور مکر و حیلہ کی طرف منسوب کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک نفس برائی کی طرف بہت زیادہ حکم کرنے والا ہے۔(پارہ ۱۳ سورۃ یوسف آیت ۵۳) اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور غلط باتوں کا حکم دیتا ہے۔(پارہ ۲ سورۃ البقرۃ آیت ۱۶۸)

حکایت مثنوی: میں یہاں پر دو لطیف حکایتیں سناتا ہوں۔ ان میں سے ایک مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مثنوی معنوی میں ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ صبح کے وقت سوئے ہوئے تھے، تو شیطان آیا اور حی علی الفلاح کہنے لگا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس طرح ظاہر ہو کر حکم کرنے میں اس کے مکر اور دھوکے کو بھانپ لیا۔ فرمایا: تم تو صرف گناہ کا ہی حکم دیتے ہو تو تم نے مجھے طاعت کا حکم کیسے دے دیا۔ اس نے بہت تعلیاں کیں لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ دی اور عاقل کو ان تعلیوں کے ساتھ دھوکہ دینا بھی ناممکن ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں اس بات کا سبب ضرور ظاہر کرنا ہوگا۔ یہ بڑی حیران کن بات ہے۔ شیطان بولا: ہاں، ایک روز آپ نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح کی نماز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا نہ کر سکے۔ آپ اس کے فوت ہونے پر بڑے نادم ہوئے اور اس کی ادائیگی میں حسرت کی تو جس قدر آپ نے طاعات کی تھیں اس سے کئی گنا آپ کے لئے ثواب عطا کیا گیا اس لئے مجھے اندیشہ ہوا کہ دوبارہ آپ نماز سے رہ گئے تو دوبارہ آپ کو زیادہ ثواب حاصل ہوگا۔

(انوار العلوم، ترجمہ مثنوی مولانا روم، دفتر روم، صفحہ ۴۹)

حکایت: دوسری حکایت کو امام غزالی نے منہاج العابدین میں ذکر کیا ہے: ہمیں ایک نیک آدمی کی خبر پہنچی جس کو احمد بن ارقم بلخی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے نفس نے جنگ کی طرف نکلنے کے لئے جھگڑا کیا۔ میں بڑا حیران ہوا اور

سبحان اللہ! پڑھی کہ اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے کہ نفس برائی کا حکم دیتا ہے۔ (پارہ ۱۳ سورہ یوسف آیت ۵۳) اور یہ نفس مجھے نیکی کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ (ایسا کبھی نہیں ہو سکتا) دراصل یہ نفس تنہائی سے گھبرا گیا ہے اور لوگوں سے ملاقات کا خواہشمند ہے تا کہ ان سے راحت حاصل کرے۔ لوگ اس کے بارے میں سنیں تو تعظیم و تکریم کے ساتھ اس کا استقبال کریں۔ میں نے (نفس سے) کہا میں نہ تو تمہیں آبادی میں اتاروں گا اور نہ ہی کسی جان پہچان والے کے پاس اتاروں گا۔ تو اس نے میری بات کو قبول کر لیا۔ میں نے اس کے ساتھ بدگمانی کی اور کہا، اللہ تعالیٰ زیادہ سچا ہے۔ میں نے اسے کہا: میں غیر مسلح ہو کر دشمن کے ساتھ جنگ کروں گا اور سب سے پہلا قتیل بنوں گا، تو پھر بھی اس نے میری تمام بات کو قبول کر لیا۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے میرے رب! مجھے (اس نفس کے بارے میں) آگاہ کرو۔ میں تیری تصدیق کرنے والا ہوں اور اس کی تکذیب۔ مجھے مکاشفہ ہوا گویا کہ وہ (نفس) کہہ رہا ہے۔ اے احمد! تم میری خواہشات سے باز رکھنے کے لئے ہر روز مجھے قتل کرتے ہو اور کوئی بھی اس کو محسوس نہیں کرتا (لیکن) اگر تم جنگ کرتے تو ایک ہی مرتبہ قتل ہو جاتے۔ میں بھی تمہارے ساتھ نجات پا جاتا۔ لوگ ایک دوسرے کو سناتے اور کہتے کہ احمد شہید ہو گیا، تو میرا چرچا اور وقار ہوتا۔ (احمد بن ارقم نے) کہا پھر میں بیٹھ گیا اور اس سال جہاد کی طرف نہ نکلا۔

(منہاج العابدین، صفحہ ۲۰۵، مکتبۃ المدینہ کراچی)

نفس کے دھوکے اور مکر کی طرف غور کرو تمہیں معلوم ہو گا کہ نفس موت کے بعد بھی کام کرنے سے باز نہیں آتا۔ کسی نے بہت خوب کہا: اپنے نفس سے محتاط رہو اس کی سرکشی سے مامون نہ رہو۔ نفس کا شر ستر شیطانوں سے زیادہ ہے۔

شاعر نے پھر سابقہ بات کی تاکید کی اور فرمایا:

(۲۵)

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمَا خَصْمًا وَّلَا حَكَمًا
فَأَنْتَ تَعْرِفُ كَيْدَ الْخَصْمِ وَالْحَكَمِ

ترجمہ: بصورت حکم یا خصم ان دونوں (نفس اور شیطان) کی اطاعت نہ کر کیونکہ تم خصم اور حکم کے مکر کو جانتے ہو۔

لفظی تشریح: منھما مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے اور تثنیہ کی ضمیر نفس اور شیطان کی طرف راجع ہے۔ فاء علت بیان کرنے کے لئے ہے۔ ایک نسخہ میں بجائے فاء کے واو ہے۔ بعض علماء کے قول کے مطابق الف لام عہد خارجی کے لئے ہے، لیکن اظہر یہ ہے کہ یہاں الف لام تجنیس کے لئے ہے۔ الخصم وہ ہے جو اپنے آپ کو ان دونوں کی طرف سے ہونا ظاہر کرے۔

الحکم وہ ہے جو یہ بات پوشیدہ رکھے اور ہلاکتوں میں گمانے کے لئے وہ دھوکا دیتا رہے۔

معنوی تشریح: جس بات کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ شیطان اور نفس کی طرف سے ہے جیسے ظاہری بدعتی لوگ یا چھپے ہوئے فاسق لوگ ہیں، تو ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کر۔ کیونکہ (حکم و خصم میں سے) ہر ایک کی بات مین مکر اور تلبیس ہے اور ہر کام میں دھوکا اور تدلیس ہے۔ دشمن کے ساتھ محبت کرنے والا دشمن ہے اور دوست کو ناراض کرنے والا ابلیس ہے۔

تم میرے دشمن کے ساتھ پیار کرتے ہو پھر خیال کرتے ہو کہ میں تمہارا دوست ہوں، یہ بات ناممکن ہے۔

شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: لَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كُفُوْرًا ۔(پارہ ۲۹ سورۃ الدھر آیت ۲۴)

یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: **لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق ۔** خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ (مسند البزار: رقم الحدیث ۱۹۸۸، صحیح بخاری: رقم الحدیث ۶۸۳۰، صحیح مسلم: رقم الحدیث ۱۸۴۰)

جب عاقل صادق، ناصح فاسق کو دیکھے کہ وہ مناہی کے ساتھ متلون ہے اور لہو ولعب کے ساتھ متشبہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ کتاب (قرآن) بھی پڑھتے ہو۔ کیا تمہیں سمجھ نہیں آتی) (پارہ ۱ سورۃ البقرہ آیت ۴۳)

نیز فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کرتے ہو جو تم خود نہیں کرتے ہو، بطور غصہ دلانے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم ایسی بات کہو جو تم خود نہیں کرتے۔ (پارہ ۲۸ سورۃ الصف آیت ۳-۲)

نیکی پر عمل کرنے والے کا، نیکی کا حکم دینا، اگرچہ اچھی بات ہے لیکن عرف ظاہری کے مطابق گناہ ہے۔

(۲۶)

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ قَوْلٍ بِلَا عَمَلٍ
لَقَدْ نَسَبْتُ بِهٖ نَسْلًا لِذِیْ عُقُمٍ

ترجمہ: میں ایسی بات سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں جس پر عمل نہ

ہو۔اس طرح سے میں نے بانجھ کے ساتھ اپنا نسب ملایا۔

لفظی تشریح: **النسل** اولاد، **العقم** بروزن **فرسٌ وعنقٌ** ۔ اولاد کا نہ ہونا۔ بانجھ پن۔شاعر کا خیال ہے کہ جس طرح بے اولاد شخص کی طرف بچے کو منسوب کرنا جھوٹ اور تہمت ہے اسی قول وعمل کی نسبت ایسے آدمی کی طرف کرنا جوان کے اہل نہ ہو،بھی سراسر جھوٹ ہے۔اس کا بیان یہ ہے کہ حکم کنندہ کا حال ظاہری یہ ہے کہ وہ خود اس کو ماننے والا ہے۔گویا کہ اس نے اپنی ذات کی طرف یہ منسوب کیا کہ وہ اس عمل سے متاثر ہے اور گویا کہ یہ حالت طریقہ کے مطابق اس کے لئے ثابت ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ اس کے افعال،اقوال کے مخالف ہیں تو اس نے جس بات کا دعویٰ کیا ہے اس میں جھوٹا ہوگا۔پھر شاعر نے بیان کیا کہ بغیر عمل کے بات کہنا اور دوسرے کو حکم دینا اسی کی نشاندہی کرتا ہے۔اور فرمایا:

(۲۷)

اَمَـرْتُكَ الْـخَيْـرَ لٰكِـنْ مَّا ائْتَمَرْتُ بِهٖ
وَمَـا اسْتَـقَـمْـتُ فَمَا قَوْلِیْ لَكَ اسْتَقِمِ

ترجمہ: میں نے تمہیں نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس پر عمل نہیں کیا۔نہ ہی میں خود سیدھے راستے پر ہوں تو مجھے میرا یہ کہنے کا فائدہ کہ سیدھا راستہ اختیار کر۔

لفظی تشریح: پہلی دونوں جگہوں میں **ما** نافیہ ہے اور تیسری جگہ **ما** استفہامیہ ہے۔ **الخیر** حرف جر نہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔اکثر شارحین اسی بات کے قائل ہیں۔اسی پر امام بیضاوی کا قول دلالت کرتا ہے: **وَاُمِـرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** (پارہ ۱۱ سورۃ یونس آیت ۱۰۴) (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنین سے ہوں) علامہ بیضاوی فرماتے ہیں یہاں پر **اَنْ** سے حرف جار حذف کیا گیا ہے اور جائز ہے کہ یہ

حذف آن کے ساتھ عام ہو۔اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ حذف اس کے علاوہ بھی جائز ہو۔جیسے تم کہو: امرتك الخیری فعل ماامرت به ۔(میں نے آپ کو نیکی کا حکم دیا۔پس میں نے حکم دیا ہے،وہ نہ کرو) محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امر فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔کبھی تو براہِ راست اور کبھی باء کے ساتھ۔اس شعر میں دونوں استعمال موجود ہیں۔غالباً انہوں نے ظاہری استعمال کی طرف دیکھا ہے۔ حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ممکن ہے کہ کبھی تو باء کے ساتھ استعمال ہوتا ہو اور کبھی بغیر باء کے۔

معنوی تشریح: امر سے مراد امر اور نہی دونوں ہیں اور خیر سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا انجام اچھا ہو مستقل استقامت سے مراد طاعت اور بندگی پر قائم رہنا۔احکام کی تعمیل اور برائیوں سے اجتناب کرنا ہے۔شاعر کہتا ہے کہ میرے اس قول کی کوئی حقیقت نہیں ہے جب کہ وہ محض صورت ہی ہو۔ایسی صورت میں کوئی اثر انگیزی اور بڑا نفع نہیں ہوگا۔اسی وجہ سے کہا گیا ہے، پہلے اپنے نفس کو نصیحت کرو اور وہ نصیحت قبول کرلے تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ حیاء کرو۔کہا جائے گا کہ وہ ایسا طبیب ہے جو لوگوں کا علاج کرتا ہے حالانکہ وہ خود مریض ہے۔

(۲۸)

وَلَا تَـزَوَّدْتُّ قَبْـلَ الْـمَـوْتِ نَـافِـلَةً
وَلَـمْ اُصَـلِّ سِـوٰى فَـرْضٍ وَلَـمْ اَصُـمِ

ترجمہ: موت سے قبل نہ تو میں نے نوافل کا زادِراہ بنایا اور نہ ہی سوائے فرضوں کے میں نے کوئی نماز پڑھی اور روزہ رکھا۔

لفظی تشریح: التـــزود طلب زاد اور اس کا آخری مرتبہ یہ ہے۔مراد کی طرف توجہ کرنا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَتَـزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۔(پارہ ۲ سورۃ البقرہ

آیت ۱۹۷) (اپنے لئے زادِراہ بناؤ بیشک بہترین زادراہ تقویٰ ہے) اس میں اشارہ ہے کہ دنیا پل کی مانند ہے۔ لوگ اس پر سے گزرنے والے ہیں اور اکثر بغیر وعظ و نصیحت ہیں لہٰذا سالک مرید کے لئے مراد تک پہنچنے کے واسطے زادِراہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ السنافلۃ لغت میں مطلق زیادتی کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں وہ طاعات مراد ہیں جو فرائض اور سنن مؤکدہ پر زائد ہوں، تو جس طرح سفر خرچ دنیاوی سفر میں قربِ مقصد کی طرف وسیلہ ہے ایسے ہی نفلی عبادات سیر معنوی میں مقصدِ اصلی کے ساتھ محبت کرنے کا ذریعہ ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ بندہ نوافل کے سبب میرے قریب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس کے ساتھ محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس کے ساتھ محبت کرتا ہوں تو میں اس کی قوتِ سماعت اور قوتِ بصارت بن جاتا ہوں۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۶۵۰۲)

معنوی تشریح: میں نے موت سے قبل نوافل میں سے کسی شے کو اپنا زادِراہ نہیں بنایا اور نہ میں مراتب کمال تک پہنچنے کے لئے فوت ہونے سے قبل تیار ہوا۔ اپنی کم ہمتی کے موجب فرض نماز، روزے پر اکتفاء کیا اور جیسا کہ عبودیت ادا کرنے کا حق تھا وہ راتوں کو جاگ کر کثرتِ نوافل سے ادا نہ کرسکا۔

یہاں سے علامہ بوصیری تشبیب سے مدحِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منتقل ہوئے اور وصل لطیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بغیر وصل عطف کے فرمایا:

(۲۹)

ظَلَمْتُ سُنَّةَ مَنْ اَحْيَا الظَّلَامَ اِلٰى
اَنِ اشْتَكَتْ قَدَمَاهُ الضُّرَّ مِنْ وَرَمِ

ترجمہ: میں نے اس کی سنت کو ترک کیا جس نے راتوں کو زندہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کے قدم مبارک سوجن کے سبب تکلیف کی شکایت کرتے۔

لفظی تشریح: الظلم کسی شے کو غیر محل میں رکھنا، اس سے مراد ہے کہ میں نے ترک کا قصد کیا۔ السنۃ: پسندیدہ طریقہ۔ والظلام: اس سے مراد رات ہے۔ بطریق لازم ذکر کر کے ملزوم مراد لینا۔ الاحیاء: کسی عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے نیند کو ترک کرنا کیونکہ نیند موت کی بہن ہے اور بیداری زندگی کی مانند۔ ایقاظ اور احیاء برابر ہیں۔ نفس کو نیند سے بیدار رکھنا اسے زندہ کرنے کے مترادف ہے۔ حدیث شریف میں ہے: الحمدللہ الذی احیانا بعد ما اماتنا ۔ (حمد ہے اس ذات باری تعالیٰ کی جس نے ہمیں موت کے بعد زندہ کیا)۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۶۳۱۲)

قدمین شریفین کی شکایت سے مراد ان کا عوارض بشریہ اور امور حسیہ کے سبب پیدا ہونے والے درد پر دلالت کرنا ہے البتہ روح تو راحت معنویہ سے لطف اندوز ہوتی ہے اور وہ انسانی قدسی مقامات اور حالات سے مطمئن ہے۔ ظاہری اعضاء کی بہ نسبت باطنی احوال کا اعتبار ہے۔ اسی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غنیٰ (تونگری) کثرت مال سے نہیں بلکہ تونگری تو نفس کی تونگری ہے۔

(بخاری، رقم الحدیث ۶۴۴۶، مسلم، رقم الحدیث ۲۴۱۷)

الضر: فتح اور ضمہ دونوں کے ساتھ۔ یہ منصوب بحذف حرف جار ہے۔ یعنی وہ تکلیف جو ورم کے سبب سے ہوتی ہے۔

معنوی تشریح: میں نے ان کی سنت کو ترک کیا جنہوں نے اللہ کے ذکر، اس کی مناجات اور مختلف قسم کی طاعات میں اس قدر راتوں کو زندہ کیا کہ ان کے قدمین شریفین پر ورم ہو گیا لیکن اپنے مولیٰ کی عبادت کو ترک نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ اس قدر اہتمام کرتے ہیں حالانکہ میں نے آپ کو ہر طرح سے بخش دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اس کو مسلم و بخاری نے روایت کیا ہے۔ (بخاری، رقم الحدیث ۴۸۳۶، مسلم، رقم الحدیث ۷۰۵۶)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفعت کمال وعلوم مقام کے باوجود اس طور پر قیام فرماتے اور نماز پڑھتے جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے تو باقی مخلوق کو کیسے سزاوار ہو سکتا ہے کہ وہ چوپایوں کی مانند لمبی تان کر سوئے رہیں۔ کہا گیا ہے کہ عابد کے لئے اطاعت کرنے پر دو اجر ہیں۔ پہلا اجر نیند اور آرام ترک کرنے کی وجہ سے اور دوسرا عبادت کے تحمل کی وجہ سے اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اجر بہ مقدار مشقت حاصل ہوتا ہے۔

جب علامہ حضور صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا ذکر کر چکے جو کہ عقبیٰ میں درجات عالیہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے تو حضور کی دنیا سے بے نیازی کے مقام اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تکالیف کے اختیار کرنے کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا:

(۳۰)

وَشَدَّ مِنْ سَغَبٍ اَحْشَاءَهُ وَطَوٰى
تَحْتَ الْحِجَارَةِ كَشْحًا مُّتْرَفَ الْاَدَمِ

ترجمہ: اور جس نے بھوک کے باعث اپنے پیٹ کو باندھ دیا اور نازک جلد (مبارک) والی کمر پر پتھر لپیٹ دیئے۔

لفظی تشریح: شد کا احیاء پر عطف ہے۔ من سببیہ ہے۔ شغب: بھوک۔ الحشا: دل اور جس کو پیٹ محیط ہو۔ حشا البطن: آنتیں۔ طوی: لپیٹا۔ کشح: کمر۔ یہ طویٰ کا مفعول ہے۔ المترف اسم مفعول ہے، نازک۔ الادم: ادیمہ کی جمع ہے، جلد۔

معنوی تشریح: میں نے اس کا طریقہ چھوڑا جنہوں نے بھوک کے ساتھ اس قدر ریاضت کی کہ آپ کو اپنے اعضاء میں سے پیٹ اور پسلیوں کے باندھنے کی حاجت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نرم ونازک کمر پر پتھر باندھا تا کہ آنتوں کے

ہلکے پن پر پتھر کی ثقالت سے استعانت کریں اور پتھر کی برودت سے اعضاء کی اندرونی حرارت سے آرام حاصل کریں باوجود اس کے کہ آپ سیّد الانبیاء وسیّد الاولیاء ہیں۔ آقا نے اپنے لئے غنیٰ پر فقر کو ترجیح دی اور عقبیٰ کے راستہ پر چلنے کے لئے یہی اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی ○ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ○

(پارہ ۳۰، سورۃ العلق، آیت ۶، ۷)

البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک: کاد الفقران یکون کفرًا (کامل ابن عدی، جلد ۷، ص ۲۳۶) اپنی قدرت کے باوجود آپ کے کمال مشقت اور اپنی مراد پر کسی کا زیر بار نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اسی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب لوگوں کی نسبت انبیاء کی آزمائش سخت ہوتی ہے۔ (ترمذی، رقم الحدیث ۲۳۹۸) پھر ان سے کم صوفیاء کی۔

بھوک کے سبب پیٹ پر پتھر باندھنے کا واقعہ خندق کھودنے کے وقت ہوا۔ اس روایت کو بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ (بخاری، رقم الحدیث ۴۱۰۱) اور مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرمایا: میں ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ کو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے پاس بیٹھے باتیں کرتے ہوئے پایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ مبارک پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کہا یہ بھوک کے سبب ہے۔ (مسلم، رقم الحدیث ۵۲۸۴) اس کو محلی نے نقل کیا ہے۔

چونکہ پہلے شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور عبادت کی طرف اشارہ تھا اور اس شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاضت اور روزے کی طرف اشارہ ہے اس وجہ سے عوام میں سے ممکن ہے کہ کوئی سر پھرا یہ وہم کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ

ریاضت اضطراری (بسبب مجبوری کے) تھی اور خواص کے نزدیک اختیاری ریاضت معتبر ہوتی ہے۔ تو اس وہم کو دور کیا اور کہا:

(۳۱)

وَرَاوَدَتْهُ الْجِبَالُ الشُّمُّ مِنْ ذَهَبٍ
عَنْ نَفْسِهٖ فَاَرَاهَا اَيَّمَا شَمَمِ

ترجمہ: سونے کے بڑے بڑے پہاڑوں نے اپنے آپ کو پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دکھایا کہ کتنے بلند ہیں۔ (بنظر حقارت ٹھکرادیا)

لفظی تشریح: المراودۃ: پیش کش کرنا۔ باب مفاعلہ جب مبالغہ کے لئے نہ ہو تو مقابلہ کے لئے ہوتا ہے۔ الشم: یہ اشم اور شمم کی جمع ہے۔ ارتفاع اور بلندی کو کہتے ہیں۔ یہ ذھب (سونے) کی صفت یا اس سے حال واقع ہو رہا ہے۔ ایماشمم (بہت زیادہ بلندی، اراھا کا مفعول ثانی ہے۔ اصل میں ای ما تھا۔ ما اس میں برائے تاکید زیادہ ہے۔ ای، شمم کی طرف مضاب ہے۔ یہ (شمم) مصدر بمعنی وصف ہے یعنی بلندی انتہا کی تھی جیسے کہا جاتا ہے۔ صورت برجل ای رجل (میں ایک مرد کے پاس سے گزرا جو مرد تھا یعنی مردانگی میں کامل تھا۔ پھر مقام کی مناسبت سے مضاف اور مضاف الیہ وصف کے معنوں میں استعمال کئے گئے۔

معنوی تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اعراض فرما کر مولیٰ (اللہ تعالیٰ) کی طرف توجہ فرمائی۔ فقر کی تکالیف کو ردلت پر ترجیح دی۔ یہاں تک کہ دیناروں کے بلند وسرقد پہاڑوں نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مختلف اقسام کی زینت کے ساتھ بھی آراستہ ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حد درجہ کا میلان کیا کہ شاید حضور

صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں گے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کے باعث ان کی شان بلند ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (پارہ ۳۰، سورۂ النجم، آیت ۱۷)۔ (نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ تھکی اور نہ ہی نافرمانی کی)۔ جلوہ حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر منہمک تھے کہ دنیاوی مال ومنال کی طرف آنکھ کا اٹھنا تو کجا اس کا خیال بھی دل میں پیدا نہ ہوا اور جمال جہاں آفرین کے دیدار میں محویت کا یہ عالم ہے کہ پلک بھی نہیں جھپکتی۔ مترجمؔ۔

یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر کے بعد اس کے حکم کے مطابق ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ط وَرِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ○

(پارہ ۱۶، سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۳۱)

ترجمہ: اپنی توجہ ادھر نہ دیں جن کو ہم نے دنیاوی زندگی کی رونق سے متمتع کیا ہے۔ (دنیاوی آسائش) ان کے لئے آزمائش ہے اور تمہارے رب کا دیا ہوا رزق بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی۔

اس شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے۔ عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ سے پوچھتا ہے کہ کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ میں آپ کے لئے ان پہاڑوں کو سونا بنا دوں اور جہاں آپ جائیں وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر سر کو جھکایا اور فرمایا: اے جبرائیل! یہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو۔ اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو۔ اس کو وہ اکٹھا کرتا ہے جو عقل سے

محروم ہو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ کو اسی پختہ بات پر ثابت قدم رکھے۔ حضرت جلال الدین محلی نے فرمایا ہے کہ اس کو شفاء (الشفاء، جلد۱، صفحہ ۱۸۵، رقم الحدیث ۳۱۶) اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

اسی روایت کے ضمن میں شاکر (شکر کرنے والا) غنی پر صابر فقیر کی فضیلت کی شافی دلیل اور کافی بیان موجود ہے۔ عالی مرتبت سردار (ائمہ کرام) اور صوفیاء کے باصفا گروہ کا اس پر اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے اسرار سے نفع دے اور ان کے نقوش کا تابع بنائے۔

نیز شاعر نے اربابِ کمال میں سے کسی کے اس قول کی طرف اشارہ کیا: **ھمة الرجال تھدم الجبال** ۔ مردوں کی ہمت پہاڑوں کو گرادیتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف تلمیح بھی ہے۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۔ (پارہ۱۲، سورۂ یوسف، آیت ۲۳)

اس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادتِ فضیلت کی طرف عمدہ اشارہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو پیش کردی کیونکہ سونا چاندی تمام لذات وشہوات کو حاصل کرنے کا وسیلہ ہے اور ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی محاسبہ کے بطور اباحت پیش کیں تو آپ نے رخ پھیر لیا اور انتہائی ضرورت اور اس سبب سے عبادات مالیہ کے حصول کے باوجود اس کو قبول نہ کیا۔

حضرت سیّدنا یوسف علیہ السلام کو ایک خاتون نے اپنا نفس علی وجہ الحرمت پیش کیا تو آپ کو بے چینی اور حوصلے کا سامنا کرنا پڑا۔ کتنی عظیم ہمت ہے، کیسی بڑی نعمت ہے اور عمدہ پاکدامنی ہے:

(۳۲)

وَاَکَّدَتْ زُهْدَهٗ فِيْهَا ضَرُوْرَتُهٗ
اِنَّ الضَّرُوْرَةَ لَا تَعْدُوْ عَلَى الْعِصَمِ

ترجمہ: حضورؐ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت نے آپ کے دنیا سے زہد کو ثابت کر دیا کہ ضرورت آپ کی عصمت پر غالب نہیں آسکتی۔

لفظی تشریح: الـزھد نفس کا دنیا سے بے رغبتی کرنا اور خواہش سے منہ پھیرنا۔ الضرورۃ: شدت حاجت اور یہی اضطرار ہے جو کہ اختیار کی ضد ہے۔ عدا، یعدو: غالب آنا اور زبردستی قابض ہونا۔ العصم: اعصمتہ کی جمع ہے، وہ ایک ایسی روکنے والی قوت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں میں ودیعت فرمایا ہے۔ یہ قول ان کو منہیات سے تعریض اور مامورات سے اعراض کرنے سے روکتی ہے۔

معنوی تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری فقر اور آپ کی موقوف حاجت نے آپ کے زہد، دین کی طرف رغبت اور ہوا میں چلنے والے سونے کے پہاڑوں کی طرف عدم توجہ کو ثابت کر دیا ہے۔ کہا کہ یہ امر خارقِ عادت ہے۔ اس کو کوئی اختیار نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ جو عبادت کی حلاوت سے لطف اندوز ہوا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ انبیاء کے حق میں ترک کر دینا اور توجہ الی المولیٰ اللہ تعالیٰ کی عصمت کے بغیر نہیں ہوتا اور اولیاء علماء کے حق میں اس کی حفاظت کے بغیر ترک کر دینا اور توجہ الی المولیٰ ناممکن ہے۔

پس جب فطری عصمت ان کو حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے ان کی بلند ہمت غالب ہوتی ہے تو ضرورت غالبہ ان کے قوائے قلبیہ پر غالب نہیں ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے قدسی ذوق میں سے عطا کرے اور ان کے انسانی تحفوں سے ہمیں نفع دے۔

(۴۴)

وَكَيْفَ تَدْعُوْ اِلَى الدُّنْيَا ضَرُوْرَةُ مَنْ
لَوْلَاهُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ

ترجمہ: اس ذات کو ضرورت دنیا کی طرف کیسے بلاسکتی ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو دنیا عدم سے نہ نکالی جاتی (وجود میں نہ آتی)

لفظی تشریح: مجلی نے فرمایا ہے کہ تخرج فعل مجہول ہوکر استعمال ہورہا ہے۔ اس میں ایک لطیف نکتہ ہے جو کہ (عارفین سے) مخفی نہیں ہے۔ الدنیا: ادنی (اسم تفضیل) کی مونث ہے بمعنی آخرت کی نسبت ہمارے زیادہ قریب۔ بعض نے کہا ہے کہ دنات سے مشتق ہے جس کا معنی کمینگی ہے۔ اس لفظ کو مقام تعجب سے نہایت مناسبت ہے۔ دنیا دراصل دار یا الحیوۃ کی صفت ہے اور کبھی لفظ دنیا مال وجاہ کی اعراض کاسدہ واغراض فاسدہ کے معمول میں مستعمل ہوتی ہے۔ اوران کے تابع مال کے سبب وبال کا باعث بننے والی صورتوں پر بھی دنیا کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے دنیا مذموم وکمینی ہے۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کی رضا میں صرف ہوتو پھر مستحسن اور پسندیدہ بھی ہوتی ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے نیک مال نیک آدمی کے لئے ہی اچھا ہے۔

(مسند احمد، جلد۴، ص ۲۰۲، رقم الحدیث ۱۷۷۲۹)

لیکن اس کے باوجود اکابر کاملین کے نزدیک دنیا کا ترک کرنا ہی بہتر ہے۔ اسی سبب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے طالب دنیا! (تو دنیا کو طلب کرتا ہے) تاکہ تو نیک ہوجائے۔ تیرا دنیا کو ترک کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔

(احیاء العلوم، جلد۳، صفحہ۲۰۲، دار المعرفہ بیروت)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایک آدمی کی گود میں دراہم ہوں، وہ ان کو خرچ کرتا ہو اور دوسرا (تنہا) اللہ کو یاد کرتا ہو، تو اللہ کو یاد کرنے والا بہتر ہے۔

اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (المعجم الاوسط من اسمہ احمد' جلد ۶ صفحہ ۱۱۶' رقم الحدیث: ۵۹۲۹' مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۷' رقم الحدیث ۱۶۷۵۱' جامع العلوم والحکم' جلد ۲ صفحہ ۶۸' مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

دنیا اور آخرت علی وجہ الکمال دونوں اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ یہ دونوں سوکنیں، اور ترازو کے دونوں پلڑوں کی مانند ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنی دنیا کو پسند کیا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو پسند کیا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔ پس باقی رہنے والی چیزوں کو فانی ہونے والی چیزوں پر ترجیح دو۔ (مسند احمد' رقم الحدیث: ۸-۱۹۶۹۷' مسند عبد بن حمید' رقم الحدیث: ۵۶۸' مسند رویانی رقم الحدیث: ۵۷۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۹' مستدرک حاکم رقم الحدیث: ۷۸۵۳-۷۸۹۷' امالی ابن بشران رقم الحدیث: ۱۵۵۶)

معنوی تشریح: ضرورت اختیاری وحاجت اضطراری اور فقر اس ذاتِ مقدسہ کو کیسے کمینی دنیا اور اس کے فانی اور ردی مقاصد کے میلان کی طرف بلا سکتے ہیں کہ اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو دنیا عدم سے وجود میں نہ آتی اور نہ ہی کوئی موجود جہاں میں سوائے موجد (اللہ تعالیٰ) کے اپنا وجود پاتا۔

اس شعر سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ دنیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے اور وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور آپ کے متبعین کے لئے ہی پیدا کی گئی ہے (جب یہ بات ہے تو) وہ کیسے اس دنیا کے تابع ہو سکتے ہیں یا اس کی خواہش میں مغلوب ہو سکتے ہیں بلکہ ان کی عالی ہمت اور گراں قدر خواہش تو یہ ہے کہ باقی رہنے والی نعمتوں کی طرف بھی توجہ نہ کی جائے۔ چہ جائیکہ لذات فانیہ کی طرف میلان ہو۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ دنیا اہل آخرت پر حرام ہے اور آخرت اہل دنیا پر حرام ہے اور یہ دونوں اہل اللہ پر حرام ہیں۔

وسیلۂ آدم:

شعر میں اس حدیث کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی اور آپ نے عرش کے پائیوں پر یہ لکھا دیکھا تھا:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

تو آپ نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا کہ وہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بخش دے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب جب کہ تم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کیا ہے تو میں نے آپ کو بخش دیا ہے۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔ اس کو حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

(مستدرک حاکم رقم الحدیث: ۴۲۲۸، دلائل النبوۃ جلد ۵ صفحہ ۴۸۹)

حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں موجود تمام چیزیں ان کے لئے پیدا فرمائیں اور رات، دن اور چاند، سورج وغیرہ کو ان کے لئے مسخر فرمایا۔ البتہ یہ مشہور حدیث قدسی لولاك لما خلقت الافلاك (اے محبوب! اگر آپ نے ہوتے تو میں افلاک تو پیدا نہ کرتا)۔ (مستدرک حاکم، جلد ۲، ص ۲۶۲، رقم الحدیث ۴۲۲۸) جو ہے اس کی اصل کوئی نہیں ہے لیکن اس کے معنی صحیح ہیں اور ان میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

نوٹ: حدیث لولاک کی مفصل تخریج اور اعتراضات کے جوابات کے لئے دیکھئے ہماری کتاب: خطبات سیالوی، جلد ۲، ص ۳۱۲ تا ۲۹۳، اکبر بک سیلرز لاہور۔

(۳۴)

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمٖ

ترجمہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت، جن و انس اور عرب و عجم

دونوں فریقوں کے سردار ہیں۔

لفظی تشریح: لفظ محمد میں کسرہ مروی ہے، بہ سبب من کے بدل ہونے کے اور مبتداء محذوف کی خبر ہونے کے لحاظ سے رفع بھی مروی ہے۔ مبتداء محذوف ھو ہے زیادہ درست یہ ہے کہ لفظ محمد مبتداء ہے اور سیّدنا آخر اس کی خبر ہے۔ کونین دنیا اور عقبیٰ۔ یہاں مراد ان کے اہل ہیں یعنی (دنیا اور آخرت والے) یا کونین سے مراد عالم الغیب اور عالم الشہادۃ ہیں۔ کہا گیا ہے کہ سیّدالکونین میں اضافت فی کے ساتھ ہے۔

الثقلین اور الفریقین کا عطف کونین پر تعیم کے بعد تخصیص کے واسطے ہے نیز اس بات کا جواب دینے کے لئے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جنوں کے علاوہ انسانوں کے لئے اور عجم کے علاوہ عرب کے لئے ہی خاص کر دیا ہو۔ من پہلا بیانیہ ہے اور دوسرا ضرورت کی وجہ سے زائد ہے۔ عرب اور عجم میں دو لغات ہیں۔ عرب وعجم اور عُرب وعُجم ۔ اس شعر میں نہایت عمدہ اسلوب بیان ہے۔

محمد اصل میں اسم مفعول برائے مبالغہ ہے۔ پھر یہ لفظ وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہو گیا۔ پس وصفیت کی خوشبو علمیت میں جھلکتی ہے۔

افضلیتِ مصطفیٰ:

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے محامد ومناقب بے شمار ہیں اور جن کے ثناء خواں بھی کثیر ہیں جب کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب کو پہچانا۔ وہ کونین میں ہر موجود شے کے سردار اور عالمین میں ہر ظہور پذیر ہونے والی شے سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دارین کو انہی کے سبب تخلیق فرمایا اور ان کو جنوں، انسانوں اور عرب وعجم میں سے ہر مکلّف کے لئے رسول بنا کر بھیجا بلکہ کہا گیا ہے کہ

آپ ملائکہ کے بھی رسول ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ شجر و حجر، نباتات اور تمام مخلوقات اور سب حیوانات کے رسول ہیں بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ آپ گزشتہ انبیاء کے بھی رسول ہیں۔ پس بالاتفاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات سے علی الاطلاق افضل ہیں۔

(۳۵)

نَبِیُّنَا الْاٰمِرُ النَّاهِیْ فَلَآ اَحَدٌ
اَبَرَّ فِیْ قَوْلِ لَامِنْهُ وَلَا نَعَمِ

ترجمہ: ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (نیکی کا) حکم کرنے والے ہیں اور (برائی سے) روکنے والے ہیں۔ پس کوئی بھی نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ راست باز نہیں ہے۔

النبی: مہموز اللام ہے اور ہمزہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ بروزن فعیل بمعنی فاعل بھی ہے اور مفعول بھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خبر دینے والے بھی ہیں (بمعنی فاعل) اور خبر دیئے گئے بھی ہیں (بمعنی مفعول) اور جمہور یائے مشدد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ نبینا محمد کا مبدل منہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ لفظ نبی نبوۃ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی بلندی ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلند مرتبہ ہیں۔ نبی ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ معبوث کرے اور اس کی طرف وحی کرے۔ قطع نظر اس سے کہ اس کو تبلیغ کا حکم دیا ہے یا نہیں۔ پس نبی رسول سے عام ہے۔ آمر و ناہی سے حضور کے رسول ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ البر: بہت زیادہ سچا، راست باز۔

تیرا مثل نہیں ہے خدا کی قسم:

ہمارے آقا و مولا اور نبی و رسول ہی من جانب اللہ مامور ہو کر پسندیدہ عقائد، اعلیٰ اعمال اور بہترین اخلاق کا حکم دینے والے اور ردی افعال اور کمینے کاموں سے روکنے والے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناقصین کی تکمیل ہیں، حاذق ہیں اور اپنی ہر خبر میں صادق ہیں کیونکہ آپ اپنی نفسانی خواہش کے باعث گفتگو نہیں فرماتے بلکہ (زبان مبارک سے جو گفتگو صادر ہوتی ہے) وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلی یا خفی وحی کے سبب ہوتی ہے۔ پس نفی و اثبات میں کوئی بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سچا نہیں اور نہ ہی وعدہ وعید اور باقی تمام حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی حق کہنے والا ہے۔

(۳۶)

هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِىْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

ترجمہ: وہی ایک ایسا عظمت والا محبوب ہے جس کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔ اچانک پیدا ہونے والے ہر خوف و مصیبت میں۔

لفظی تشریح: الحبیب بمعنی محبوب، مخلوق کی محبت، اپنے موافق کی طرف نفس کا میلان ہے اور خالق کی محبت اپنے بندے کے لئے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کو سعادت کے ساتھ قدرت دینا، اپنی عبادت پر توفیق دینا اور اس کے لائق اسباب کا مہیا کرنا ہے کیونکہ بندے پر اللہ کی رحمتوں کے خزانوں سے فیضان ہوتا ہے۔
شفاعته: غیر کی مدد سے غیر سے فضل اور عفو طلب کرنا۔ الهول بمعنی خوف۔ مصدر ہے یا عفل یا مفعول کے معنوں میں مستعمل ہے۔ اقتحم کسی معاملے میں شدت

کے ساتھ داخل ہونا۔

اقسام شفاعت مصطفیٰ:

وہ بلند شان والا آقا اور واضح برہان والا نبی، وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا حبیب ہے جس کی شفاعت ثابت ہے اور بڑے خوف میں ضرورت پوری ہونے کی امید کی جاتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کئی شفاعتیں ثابت ہیں جیسا کہ معتمد احادیث میں وارد ہے۔ ان میں سے ایک شفاعت عظمیٰ ہے۔ وہ مقام محمود پر لوائے حمد کا اٹھانا ہے جس کا ہر چھوٹا بڑا محتاج ہے۔ یہ شفاعت یہ ہے کہ عذاب میں مبتلا لوگوں کا عذاب موقوف کرانا یا اس میں تخفیف کرانا۔ ایک یہ ہے کہ مستحقین عذاب لوگوں کے گناہوں سے درگزر کرنا۔ ایک یہ ہے کہ مومنین میں سے اللہ تعالیٰ جن کو چاہے ان کے درجات بلند کرنا۔

(۳۷)

دَعَا اِلَى اللّٰهِ فَالْمُسْتَمْسِكُوْنَ بِهٖ
مُسْتَمْسِكُوْنَ بِحَبْلٍ غَيْرِ مُنْفَصِمِ

ترجمہ: اسی حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اللہ کے دین کی طرف بلایا تو ان کی اطاعت کی رسی تھامنے والے ایسے تھامنے والے ہیں کہ کبھی منقطع نہ ہوں گے۔

لفظی شرح: الاستمساك: پکڑنا، چمٹنا، منسوب ہو جانا، اور حبل کا معنی رسی معروف ہے۔ لفظ حبل کو اس چیز سے استعارہ کیا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے تعلق قائم رہتا ہے اور جس کے ذریعہ سے مطلوب تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔

معنوی تشریح: اور اس شعر کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کو خالق کی اطاعت کی طرف مکمل دعوت دی ہے۔ ایسی دعوت جو منسوخ نہیں ہو سکتی، کسی

زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہو سکتی بلکہ قیامت تک تمام مخلوق کو مسلسل شامل ہے، اور اسی شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے کہ:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۔

ترجمہ: اے محبوب! بلایئے لوگوں کو اپنے رب کی طرف حکمت عمدہ تصنیف سے۔ (پارہ ۱۴، سورۃ النحل، آیت ۱۲۵)

اور اس فرمان کی طرف بھی اشارہ ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا

ترجمہ: اور اس سے زیادہ اچھی بات کسی ہے جو بلاتا ہے اپنے ربّ کی طرف اور عمل صالح کی طرف۔ (سورۃ فصلت، آیت ۳۳)

لہٰذا جو شخص کتاب وسنت کے ذریعہ سے آپ کی دعوت کو مضبوطی سے پکڑ لے تو اسی نے اصل میں مضبوط رسّی کو تھاما جو منزل تک پہنچائے بغیر ٹوٹنے والی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا ۔ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ (پارہ ۴، سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۳)

اور ارشاد فرمایا:

فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا ط

ترجمہ: تو جو انکار کرے شیطان کا اور ایمان لائے اللہ کے ساتھ تو اس نے پکڑ لیا مضبوط حلقہ جو ٹوٹنے والا نہیں۔ (پارہ ۳، سورۃ البقرہ، آیت ۲۵۶)

اور اس میں خاتمہ بالخیر کی طرف اشارہ ہے۔

(۳۸)

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَّفِيْ خُلُقٍ
وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمِ

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے حسن صورت وحسن سیرت میں بڑھ گئے اور کوئی بھی علم اور کرم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہے۔

لفظی تشریح: فاق فوق سے مشتق ہے۔ رفعت میں زیادہ ہونا۔ الخلق: حسن صورت اور وہ اعضاء کا موزوں اور اشکال کا متناسب ہونا۔ الخلق الخلق: حسن سیرت اور وہ قوائے نفسانیہ کا معتدل ہونا اور ان کا کمال سے متصف ہونا ہے۔ اوصاف کمال میں سے علم کو خاص کیا کیونکہ وہ تمام فضائل کی اصل ہے اور کرم کو خاص کیا کیونکہ یہ نعمتوں میں سے ہے اور وہ قدرت پر مبنی ہے۔ پس یہ دونوں (علم وکرم) تمام کمالات کا مجموعہ ہیں اور نظام کائنات کا مدار ہیں۔

کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے جمال صوری میں اس قدر فوقیت لے گئے کہ کریم ابن کریم ابن کریم سے بھی، اور کمال معنوی میں اس قدر بڑھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس آیت میں حضور کی تعریف کی: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔

(پارہ ۲۹، سورۃ القلم، آیت ۴)

جب انبیاء میں سے کوئی بھی علم کی کسی جنس میں اور کرم کی کسی نوع میں آپ کے برابر نہیں ہوا تو علماء، اولیاء اور اصفیاء میں سے کوئی کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ ان رفیع الشان مناقب کی تفصیل مواہب لدنیہ میں دیکھیں۔

(۳۹)

وَكُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْرَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

ترجمہ: ان (انبیاء) میں سے ہر ایک نبی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلبگار ہے۔ سمندر سے ایک چلو کا یا موسلا دھار بارش سے ایک گھونٹ کا۔

لفظی تشریح: الغرف: چلو بھرنا۔ الرشف: بارش۔ الديم: دیمہ کی جمع۔ رات دن مسلسل برسنے والی بارش۔ رسول الله: اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ ذکر کیا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف رفیع پر تنبیہ ہو۔

معنوی تشریح: تمام انبیاء ہر ایک (ان میں سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کناں اور طالب امداد ہے جو کہ فرد کامل ہیں اور صاحب فضل و مددگار ہیں وہ بحر علم سے کچھ شے یا مدد کثیر کے طلب گار ہیں اور وہ آپ کی نعمتوں کے عطیات اور کرم کی بارشوں سے تھوڑی سی مقدار کے خواہاں ہیں۔

(۴۰)

وَوَاقِفُوْنَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمِ
مِنْ نُّقْطَةِ الْعِلْمِ اَوْ مِنْ شَكْلَةِ الْحِكَمِ

ترجمہ: وہ (تمام کے تمام) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے اپنے مقام پر علم کے نقطہ یا حکم کی شکل کی مانند کھڑے ہیں۔

لفظی تشریح: لديه: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے۔ حد: غایت۔ منتهیٰ: حکم، حکمۃ کی جمع۔ رائے اور تدبیر کو پختہ کرنا۔ علامہ نے لفظ کو علم اور شکل کو حکم کے ساتھ خاص کیا کیونکہ شکل سے مزید بیان حاصل ہوتا ہے جو نقطہ سے نہیں۔ یوں ہی کہا گیا ہے لیکن اظہر یہ ہے کہ زیادہ ظہور کے لئے نقطہ اولیٰ ہے اسی وجہ سے اس کو علم کی طرف

مضاف کہا گیا ہے اور شکل ایک امر زائد ہے۔ اگرچہ نقطہ پر واضح شہادت کا مدار ہے لیکن شکل، نقطہ پر منحصر مفہوم کی ہیبت سے خارج ہے۔ اسی وجہ سے اس کو حکم کی طرف منسوب کیا گیا۔ حکم ایسے دقیق امور ہیں جو علوم شرعیہ کی طرف متفرع ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے حکماء ظاہریہ کے رئیس نے جب باطنی حکماء کے رئیس سے مستغنی ہونے کا ارادہ کیا تو اس کو دروازے سے لوٹا دیا گیا اور وہ ایسے حجاب میں پڑ گیا جو ثواب سے محروم اور عذاب میں مبتلا ہونے پر منتج ہوتا ہے۔

اور جب لفظ ''کل'' لفظاً و معنیً منفرد ہے تو اولاً ملتمس میں اس کی طرف لوٹائی جانے والی ضمیر کو مفرد لانا جائز ہے اور دوسری مرتبہ واقفوں میں جمع لانا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول کل کذب الرسل ۔ ہر ایک نے رسولوں کی تکذیب کی۔ (کُلٌّ لَّهُ قَانِتُوْنَ) ہر کوئی اس کا فرمانبردار ہے۔ (پہلی جگہ صیغہ واحد اور دوسری جگہ جمع مستعمل ہوا)

معنوی تشریح: علم سے مراد اللہ تعالیٰ کا غیر متناہی علم ہے اور حکمت سے وہ حکمت مراد ہے جو گنتی اور شمار سے باہر ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے تمام انبیاء اور علماء کے ہر قسم کے علوم ایک نہ ختم ہونے والے نقطہ کی مانند ہیں اور تمام داناؤں کی ہر قسم کی دانائی اللہ تعالیٰ کی لامعدود حکمتوں کے سامنے بمنزلہ ایک حرکت کے ہے۔ یہ لفظ اور حکمت مکمل طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہیں جب کہ باقی تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے ایک معین حد اور معلوم وظاہر مقام ہے جس پر وہ فائز ہیں۔ ذرا بھر اس سے آگے نہیں گزر سکتے ہیں۔

میں (شارح) نے جو کچھ نقطہ العلم کے بارے میں بیان کیا وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (پارہ ۱۵ سورۃ الاسراء، آیت ۷۵)۔ (تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا) یا حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب ایک چڑیا نے اپنی چونچ پانی میں ڈبوئی تو حضرت

خضر علیہ السلام نے کہا: تمہارا، میرا اور تمام مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں صرف اسی قدر ہے جتنا کہ اس چڑیا نے اپنی چونچ پانی میں ڈبوئی۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ (بخاری، رقم الحدیث ۴۷۲۷)

علوم مصطفیٰ:

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ علم و حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام علوم و حکمتیں مراد ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کئی اقسام کے فنون پر مشتمل ہے جیسے علم قرأت، علم تفسیر، علم فقہ، علم تاریخ، علم مواعظ، علم عقائد وغیرہ۔ مذکورہ اقسام میں سے ہر ایک علوم فن پر کئی مجلدات تصنیف ہوئیں کئی کتابیں تالیف ہوئیں۔

ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتیں ہر قسم کی حکمتوں کی جامع ہیں۔ ان میں سے ایک طب ظاہری ہے جو جسم سے متعلق ہے اور امراض روحانی کا معنوی علاج کرنے کا علم ہے۔ ان میں سے ایک اشیاء کے خواص اور ان کے منافع اور نقصانات کا علم ہونا ہے۔ انہی میں ایک احوال فلکی و آفاقی کا علم ہونا ہے جس کو علم الہیئۃ کہتے ہیں۔

ان میں سے ایک غیبی امور کا علم ہونا ہے جن کے متعلق کاہن اور نجومی عاجز ہو گئے۔ ان میں سے ہی یہ علوم بھی ہیں حقائق صوفیاء کا علم اور لغت عربی کے دقائق کا علم۔

پس ان علوم کی تحریر سے کئی کتابیں مدون ہوگئیں اور ان کی تقریر سے منبر مزین ہو گئے یہاں تک کہ علماء امت ورثائے انبیاء بن گئے اور ان کے لئے خوارق عادات ظاہر ہوئیں جو اولیاء اور اصفیاء کی طرف منسوب ہیں۔ پس ہر نبی کا علم اور حکمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب علم کا ایک نقطہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باب حکمت کی ایک حرکت ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و منزلت کی نسبت باقی تمام انبیاء کا رتبہ اور حد کی حیثیت وہی ہے جو ایک نقطہ کو لفظ سے اور ایک شکل کو اس کے معنی

ومفہوم سے۔

اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے جامع کلمات دیئے گئے (بخاری، رقم الحدیث ۷۷۹۷، مسلم، رقم الحدیث ۱۱۶۷) اور مجھے مکارمِ اخلاق کا حکم دیا گیا۔ (ان الفاظ سے مجھے یہ حدیث نہیں ملی) اللہ تعالیٰ کے اس قول کا اسی طرف اشارہ ہے: وَاتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكُمْ (تم اپنے رب کی طرف سے نازل کئے گئے قرآن کا بہترین اتباع کرو)۔

(پارہ ۲۴، سورۃ الزمر، آیت ۵۵)

(۴۱)

فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهٗ
ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيْبًا بَارِئُ النَّسَمِ!

ترجمہ: پس وہی ایسی ذات ہے جو معناً وصورتاً مکمل ہوئی۔ پھر ذی روح کو پیدا کرنے والے نے آپ کو حبیب منتخب کرلیا۔

لفظی تشریح: فهو میں هاء کو ساکن پڑھا جائے گا اور معناه میں ہ کو اشباع کے ساتھ۔ یہ دونوں مشہور ومتواتر لغات ہیں۔ پس جس نے کہا کہ یہ ضرورتِ شعری کی وجہ ہے اس نے غلطی کی۔ حبیباً حال واقع ہورہا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ اصطفیٰ کا مفعول ثانی ہے کیونکہ اصطفی جعل کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ النسم: نسمة کی جمع ہے۔ اس سے مراد یا تو نفس (روح) ہے یا ہر ذی روح ہے۔ بعض نے کہا کہ آدمی مراد ہے۔ فهو میں فاء جزاء کے لئے ہے۔

سب رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی:

جب معلوم ہوگیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے حسن سیرت میں بڑھ گئے ہیں اور شریعت وحقیقت میں یا احوال واعمال میں یا علم

وعمل میں یا ظاہر وباطن میں یا مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ میں یا مطلق کمال میں تمام انبیاء علیہم السلام پر فوقیت لے گئے نہیں تو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ زمین وآسمان کی تخلیق کرنے والے اور روحوں کو پیدا کرنے والے نے آپ کو تمام مخلوق سے چن لیا ہے۔لفظ ثم یہاں صفات مصطفویہ میں ترتیب ظاہر کرنے کے لئے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ (ثم) باب تراخی میں سے ہے۔

یعنی آپ کے لئے صورت وسیرت مکمل ہونے کے بعد نبوت کا مرتبہ مقرر کیا گیا۔اگرچہ اس مرتبہ کا عطا کرنا کمالات صوریہ کے وجود پر موقوف نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر یکساں قادر ہے۔اختلاف تو امور عادیہ کی بنیاد پر ہے۔

اس میں اصطفاء کی مدت کے انتظار کا بھی اشارہ ہے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہم السلام پر ترجیح کی طرف اشارہ ہے۔پس جس کو بچپنے میں نبوت عطا کی گئی اگرچہ ذہن میں مذکورہ بیان کا الٹ متوہم ہے (پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ومرتبہ مرجح ہے) یہ (مضمون) کمالات عصامیہ سے مستفاد ہے۔

شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف تلمیح ہے: اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ...... الخ (پارہ ۱۷،آیت نمبر ۵) اللہ تعالیٰ ملائکہ اور لوگوں میں سے رسول منتخب کرتا ہے۔اور اس حدیث کی طرف بھی تلمیح ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمٰعیل سے کنانہ کو منتخب کیا۔کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھ کو چنا۔اس کو مسلم نے روایت کیا اور ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں اسمٰعیل کو چن لیا...... الخ۔اس کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

(جامع ترمذی:۳۶۰۵،مسلم:رقم الحدیث ۲۲۷۶)

مقام محبوبیت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں بروزِ قیامت بنی آدم کا سردار ہوں،

لیکن کوئی فخر نہیں۔ میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہو گا لیکن کوئی فخر نہیں۔ اس روز حضرت آدم اور ان کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ میں پہلا انسان ہوں جس کی قبر شق ہو گی لیکن کوئی فخر نہیں۔ میں سب سے پہلا شافع اور مشفع (جس کی شفاعت قبول کی جائے) ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ اس کو احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے روایت کیا۔

(ترمذی، رقم الحدیث ۳۶۲۳، مسند احمد، رقم الحدیث ۱۰۹۲۹، ابن ماجہ، رقم الحدیث ۴۳۰۸)

(۴۲)

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِيْ مَحَاسِنِهٖ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمِ

ترجمہ: آپ اپنے محاسن میں شریک سے منزہ ہیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں جوہر حسن غیر منقسم ہے۔

لفظی تشریح: منزہ خبر ثانی ہے ھو کی۔ المحاسن حسن کے خلاف قیاس کی جمع آئی ہے۔ فیہ اشباع ضمیر کے ساتھ۔ جار مجرور حسن کی صفت یا حال ہے۔ جوہر حسن جو کہ عرض ہے۔ اس کو ثابت کرنے اور اس پر عدم انقسام کا حکم لگانے میں لطافت ہے جو مخفی نہیں۔

حسنِ رسول:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاندار جمال صورت اور عمدہ سیرت میں کوئی بھی اس جہاں میں آپ کا شریک نہیں ہے۔ نہ تو حقیقی طور پر من حیث المجموع تمام محاسن میں یا فرداً فرداً ہر ایک میں۔

گویا دوسروں کے محاسن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں حسن ہیں ہی نہیں۔

(۴۳)

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ
وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَکِمِ

ترجمہ: نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق جو دعوے کئے ان کو چھوڑ (ان کے علاوہ) جو چاہے بطور مدح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء خوانی میں حکم لگاؤ اور دانائی استعمال کرو۔

لفظی تشریح: لفظ نبی میں یاء پر تشدید بھی جائز ہے اور ہمزہ کے ساتھ بھی جائز ہے اور جمع کی ضمیر (ہم) کی میم کو اشباع کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں وقف بھی کر سکتے ہیں۔ مدحا تمیز ہے۔ الاحتکام: حکمت کا استعمال کرنا اور حکم کو پختہ کرنا۔

تم ذاتِ خدا سے نہ جدا نہ خدا ہو:

معنوی تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں وہ باتیں ترک کر دے جن کا دعویٰ نصاریٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا۔ جیسے اتحاد، حلول، تثلیث، تناسخ، توالد اور اس کے علاوہ ایسی چیزیں جو کفر، شرک اور گمراہی کا سبب بنتی ہیں، جن پر عذاب اور سخت وبال مترتب ہوتا ہے۔ بعض نے کہا: مسیح ابن اللہ ہیں۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی مسیح ہے۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علو منصب و مرتبہ اور شان کی بلندی کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور مدح کے طور پر جو چاہو کہو (لیکن) دانائی سے کلام کرنا، مدح کا حکم لگانے میں توقف کرنا تاکہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت حد انسانی اور وصف صمدانی سے متجاوز نہ ہو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ

کرو اور حق کے سوا اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی بات نہ کرو (پارہ ۶، سورۃ النساء، آیت ۱۷۱) کہاں خاک اور کہاں رب الارباب۔

(۴۴)

وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِہٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِہٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٖ

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کی طرف جو چاہو عظیم مرتبہ منسوب کرو اور آپ کے قدر رفیع کے ساتھ جو چاہو عظمت بیان کرو۔

لفظی تشریح: ما موصولہ ہے۔ من بیانیہ ہے۔ تنوین برائے تعظیم یا فصاحت ہے۔

معنوی تشریح: جب تم نصاریٰ کے دعویٰ اور حیرت زدہ لوگوں کی گفتگو کی مانند (بیہودہ باتوں کو) ترک کر دو گے تو پھر تمہارے لئے گنجائش ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ معظمہ کی طرف نسبت کے دائرہ میں رہ کر اوصاف مکرمہ جیسے جمالِ صورت، کمالِ اخلاق، پسینے کی خوشبو، عقل کی تیزی، دل کی صفائی، بلاغت کلام، فصاحت لسان اور باقی تمام کمالات میں سے جو چاہیں بیان کریں کیونکہ آپ منبع احسان اور مبدع رحمٰن ہیں اور یہ بھی تمہارے لئے رخصت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ قدرت و مرتبہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور باوقار ہیبت کا احاطہ کرنے والی نسبت میں، انواعِ عظمت، فنونِ کرامت اور اجناس معجزہ جن کی حد غیر مقتضی اور تعداد غیر معدود ہے، میں سے جو چاہیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء خوانی کے لئے) منسوب کریں۔

(۴۵)

فَـاِنَّ فَـضْـلَ رَسُـوْلِ الـلّٰـهِ لَيْـسَ لَـهٗ
حَـدٌّ فَيُـعْـرِبَ عَـنْـهُ نَـاطِـقٌ بِـفَـمِ

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی کوئی حد نہیں کہ جس کو کوئی بیان کرنے والا بیان کر سکے۔

لفظی تشریح: الفاء برائے تعلیل کیونکہ بالتفصیل مدح ناممکن ہے۔ یعرب کا نصب نفی کے جواب میں واقع ہونے کے باعث ہے۔ عنه کی ضمیر حد کی طرف راجع ہے اور وزن کی رعایت کرتے ہوئے اس کو اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ البــاء برائے استعانت ناطق سے متعلق ہے یا یعرب کے الاعراب کا معنی (یعرب کا مصدر) فصاحت، بیان اور وضاحت ہے اور یہ سوائے زبان کے ناممکن ہے۔ اس کو ذکر کرنے کا فائدہ باجود اس کے کہ نطق اس کے بغیر نہیں ہوتی، عموم حکم کے افادہ میں زیادتی ہے۔

وَمَـا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ (پارہ ۷، سورۃ الانعام، آیت ۳۸) اس کے نظائر میں سے ہے۔

کوئی حد ہے ان کے عروج کی:

میں نے تو تمہیں صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کمالیہ کے متعلق اجمالی طور پر منسوب کرنے کو کہا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل تفصیلیہ کی کوئی انتہا نہیں ہے کہ کوئی غایت تک ان کو بیان کر سکے۔ اگر چہ وہ بیان کرنے والا علماء اور فصحاء کے مرتبہ کو ہی کیوں نہ پہنچ جائے۔

اس میں اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام ملائکہ اور تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہے بلکہ یہ بھی اشارہ ہے کہ ذات محمدیت اور صفات احمدیت کی حقیقت کو

کوئی نہیں جانتا مگر وہی جو ربوبیت کی صفات سے موصوف ہو۔ اسی وجہ سے بعض عارفین نے فرمایا: خلق نے صفات الوہیت کو تو پہچان لیا مگر صفات مصطفویہ کو نہ پہچانا۔

(۴۶)

لَوْ نَاسَبَتْ قَدْرَهُ اٰيَاتُهُ عِظَمًا
اَحْيٰى اسْمُهُ حِيْنَ يُدْعٰى دَارِسَ الرِّمَمِ

ترجمہ: اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات از روئے عظمت آپ کے مرتبہ کی مناسبت کر لیتے تو جب بھی آپ کا نام لیا جاتا وہ بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کر دیتا۔

لفظی تشریح: العظم ۔ صغر کی ضد جیسا کہ قاموس میں ہے۔ پس یہ عظمت کے لئے مستعار ہوگا۔ الرمم الرمۃ کی جمع ہے۔ بوسیدہ ہڈیاں۔ جب نشان مٹ جائے تو کہتے ہیں۔ درس الرسم نشان بالکل مٹ گیا۔ پس اندراس کا ذکر بوسیدگی میں اضافہ ہے۔ قدرہ مفعول بہ ہے بسبب اہمیت کے اظہار کے مقدم رکھا گیا ہے۔ عظم تمییز ہے۔ جیسے طاب زید نفسا۔ اسمہ فاعل ہے احییٰ کا۔ احیاء کی نسبت (بہ طرف اسم) مجازی ہے کیونکہ احیاء حقیقی صفات الٰہیہ میں سے ہے۔ یدعی کی ضمیر اسمہ یا اللہ کی طرف راجع ہے کہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکارا جائے۔ دراس مفعول واقع ہو رہا ہے اور اس میں اضافت از قبیل صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ یہ سارا جملہ لو کے جواب میں ہے۔

معنوی شرح: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسی واضح نشانیاں ظاہر ہوئی ہیں جو آپ کی رسالت و نبوت پر دلالت کرتی ہیں اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے معجزات و کرامات ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علو مرتبت اور رفعت

عظمت کا شعور دلاتے ہیں۔ جتنا کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق آپ کے مرتبہ، حکمت اور ارادے کا اقتضاء ہے اور آپ کے جملہ معجزات میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ اور عمدہ نشانیوں کے درمیان خوب صورت اور مکمل مناسبت چاہے تو قطع نظر کسی نشانی کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نام اقدس یا وصف عالی کو جب بھی پکارا اور ذکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ حقیقی اور مجازی اموات سے بوسیدہ ہڈیوں اور فانی اجسام کو زندہ کر دے کیونکہ اسم محمدی اور وصف احمدی کی یہ خاصیت رکھی گئی ہے کہ جب بھی کسی میت پر ذکر کیا گیا تو وہ زندہ ہو گیا۔ کسی کافر یا غافل نے ذکر کیا تو اس کو مومن بنا دیا اور ذاکر بن گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس درمکنون کے جمال اور نکتہ سابقہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ اس محفوظ جوہر کے کمال کو پوشیدہ کر دیا۔ شاید یہ اس لئے کہ ایمان غیبی ہو اور امر تکلیفی ہو نہ کہ شہود عینی اور عیاں بدیہی ہو یا اس لئے کہ عوام کے اقدام کے لئے پھسلنے کی جگہ اور ملک علام (اللہ تعالیٰ) کی معرفت کے باعث جاہلوں کو نقصان دینے کا مقام نہ بن جائے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس مقام پر یدعی کی ضمیر اسمہ کی طرف لوٹنے سے مبالغہ ہے۔ یہ اس سے اولیٰ ہے کہ کہا جائے: **یدعی اللّٰہ تعالٰی باسمائہ الحسنٰی** ۔ یہ مراد نہیں کہ قرآن کی شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کے باعث ہے جس کا بیان ناممکن ہے، کیونکہ سلسلہ کلام عظمت دلالت میں ہے نہ کہ شرف گفتگو (اندازِ بیان) ہیں۔ اگر قرآن کی دلالت ہمارے عظیم الشان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی مقدار کے مطابق ظاہر ہو تو کوئی بھی آپ کی نبوت و رسالت سے انکار نہ کرے اور اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کی عظمت کو ظاہر کر دے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ**...... الخ (پارہ ۱۳، سورۃ الرعد، آیت ۳۱)۔ (اگر اس قرآن کے ساتھ پہاڑوں کو چلایا جائے۔ یا زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ یا

مردوں سے گفتگو کی جائے) تو یہ قرآن ایسا ہو سکتا ہے، لیکن اس کو مذکورہ باتوں سے روک دیا گیا ہے کیونکہ یہاں ایک بہت بڑا مانع تھا بلکہ تمام معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

میرے خیال کے مطابق اگر ناظم یوں کہتا:

لونا سبت قدره اياته عظما

احيى اسمه حين يدعى العظم فى الرمم

تو زیادہ مناسب ہوتا۔ مناسب لفظی مناطق نطقی کے قریب تر ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع ذات مقدسہ جن مشتمل لطائف کی متقاضی ہے ان کی بھی رعایت ہوتی۔

(۴۷)

لَمْ يَمْتَحِنَّا بِمَا تَعْيَ الْعُقُوْلُ بِهٖ

حِرْصًا عَلَيْنَا فَلَمْ تَرْتَبْ وَلَمْ نَهِمِ

ترجمہ: آپ نے ہمیں آزمائش میں مبتلا نہیں کیا کہ (جس کے ادراک سے) عقلیں عاجز آ جائیں۔ ہماری بہتری کی حرص کرتے ہوئے تو نہ ہم نے شک کیا اور نہ ہی ہم متحیر ہوئے۔

لفظی تشریح: الامتحان ابتلاء آزمائش۔ وعیٰ کسی کام سے عاجز ہونا اور ہدایت حاصل نہ کر سکنا۔ العقل ایک ایسا ملکہ ہے کہ صاحب عقل اس کے سبب رسوائیوں سے بچتا ہے اور غیر پسندیدہ چیزوں سے رکتا ہے۔ الحرص کسی شے میں شدید رغبت کرنا، اس کی طرف میلان کرنا، کوشش کرنا۔ الارتیاب شک تردد۔ وھم اس کو کہتے ہیں جبکہ جانب باطل راجع ہو۔ ھام عقل مند آدمی کا متحیر ہونا۔

ما موصولہ ہے۔ بہ میں ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ حرصاً مفعول لہ ہے یا

حال۔

معنوی تشریح: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بے پایاں نرم خوئی اور بے حد رحمت کے باعث، عقائد اسلام میں سے ایسی کوئی بات نہیں لائے اور نہ ہی ہمیں کسی ایسے حکم کی تکلیف دی ہے کہ جس کے ادراک سے عقل عاجز آ جائے یا صاحب عقل اس کے ادراک سے عاجز ہو کہ کون اس ملت بیضاء اور نورانی یکسوئی کو لایا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بہت زیادہ خیر خواہ ہیں اور آپ کمال توجہ سے ہم پر مہربان ہیں۔ پس ہم نے آپ کی رسالت میں شک نہیں کیا اور آپ کی متابعت میں حیران نہیں ہوئے۔ حقیقت و شریعت کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع طریقہ کے بغیر ہم نے کوئی دوسرا راستہ اختیار نہیں کیا۔ اس شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ (پارہ ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت ۱۲۸)

(۴۸)

اَعْيَى الْوَرٰى فَهْمُ مَعْنَاهُ فَلَيْسَ يُرٰى
لِلْقُرْبِ وَالْبُعْدِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْفَحِمِ

ترجمہ: اس کے معانی کے مفہوم نے مخلوق کو عاجز کر دیا ہے۔ پس قرب وبعد میں کوئی آپ کے برابر نہیں ہے مگر عاجز۔

لفظی تشریح: الاعیاء عاجز بنانا۔ الوری مخلوق۔ معناہ کی ضمیر اشباع کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ المعنی مقصودِ کلام۔ مکمل طور پر شی کا کمال۔ فی القرب کی بجائے ایک نسخہ میں للقرب بھی ہے تو وہاں لام بمعنی فی ہے۔ منہ کی بجائے ایک نسخہ میں فیہ ہے۔ بہر نوع ضمیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

ایک نسخہ میں منھم ہے۔ دریں صورت ضمیر وریٰ کی طرف راجع ہے۔ ایک نسخہ کے مطابق معناہ کی ضمیر کا لوٹنا جائز کیا گیا ہے۔ الانفحام الزام کو قبول کرنا۔ اس کی اصل یہ ہے کہ مد مقابل پر جب الزام لگایا جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ فھم کی طرف اعیا کی نسبت مجازی ہے۔ اصل میں ہے: اعیی اللّٰہ الوری فھم معناہ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس کی حقیقت سمجھنے سے عاجز کر دیا ہے۔ فھم اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اصل میں تھا: فھمھم معناہ ۔ لیس میں ضمیر شان مستتر ہے اور مابعد اس کا ضمیر شان کی تفسیر ہے۔ یری فعل مجہول ہے۔ فی القرب والعبد، لیس کے متعلق ہے۔ غیر میں نصب بلحاظ یریٰ کا مفعول ثانی ہونے کے جائز ہے، اس تقدیر پر کہ جب وہ رؤیۃ سے مشتق ہو۔

معنوی تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاندار پوشیدہ معانی اور آپ کے عمدہ کمالات سرّیہ نے تمام کائنات اور مخلوقات کو عاجز کر دیا۔ پس کوئی بھی قرب وبعد دونوں مکانوں میں یا عہد اور عصر دونوں زمانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل نہیں دیکھتا بلکہ جانتا بھی نہیں مگر وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معنیٰ حقیقی کے ادراک سے عاجز اور آپ کی بنائے حقیقی سے ساکت ہے۔ برابر ہے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا نہیں دیکھا سعادت مند ہے وہ جس نے آپ کا دیدار کیا یا اپنے آقا کے مطالعہ یا آپ کے کمالات اور قرب کے مطالعہ سے متبحر ہوا۔ جس کے حق میں کہا گیا ہے ہائے شوقِ فراواں کتنا بڑا قرب ہے اور کتنے عظیم کمالات ہیں۔ (اس کا) تحیر آپ کی ذات کے علو اور صفات کی رفعت میں حال یا مقام میں اللہ تعالیٰ کے قرب کے سبب ہے جیسا کہ اولوالعزم رسولوں، مقربین فرشتوں اور حاملین عرش کو حاصل ہے۔

(۴۹)

كَالشَّمْسِ تَظْهَرُ لِلْعَيْنَيْنِ مِنْ بُعُدٍ
صَغِيرَةً وَّتُكِلُّ الطَّرْفَ مِنْ اَمَمِ

ترجمہ: جیسے کہ سورج دور سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے اور قریب سے آنکھ کو (دیکھنے سے) عاجز کر دیتا ہے۔

لفظی تشریح: **بعد** ایک لغت میں دو ضموں کے ساتھ۔ **الکلال** ادراک سے عاجز کر دینا۔ **الطرف** آنکھ۔ **امم** بفتحین قرب۔

معنوی تشریح: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متذکرہ بالا وصف کے معانی کے ادراک اور معانی کی سمجھ سے قریب وبعید اور بد بخت و نیک بخت سب عاجز ہو گئے۔ جیسے سورج ہے دور سے آنکھوں کو چھوٹا نظر آتا ہے اور قریب سے دیکھنے والے کو عاجز بنا دیتا ہے اور دیکھنے والا ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا ہے۔

یہ تشبیہ معقول کی محسوس کیساتھ ہے تاکہ فہم منکوس کے لئے معنی قریب کیا جاسکے۔

نبوت کا سورج:

حاصل کلام یہ کہ سورج (سائنس دانوں) کے کہنے کے مطابق کرۂ ارض سے ایک سو ساٹھ سے کچھ زائد گنا زیادہ ہے۔ جیسا کہ سورج دور سے محدود ظاہر ہوتا ہے، ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جیسا کہ سورج مسافت بعیدہ سے چھوٹا نظر آتا ہے۔ جب کوئی شخص اس کی حقیقت و منزلت کے ادراک کی خاطر اس کے قریب جاتا ہے تو اپنے آپ کو عاجز اور بے بس پاتا ہے۔ ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ بادی النظر میں افراد بشری میں سے ایک فرد نظر آتے ہیں مگر جب کوئی آپ کے جمال، ذات و کمال صفات میں تامل کرتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے اور آپ کے درجات کے مراتب کے ادراک سے عاجز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ فَوْقَ**

بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (پارہ۳،سورۂ بقرہ،آیت ۲۵۳)۔(ہم نے بعض رسولوں کو بعض سے درجات کے لحاظ سے بلند کیا)۔ مفسرین نے کہا: بعض سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہی ہے۔ کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسرار سے غافل اغیار کی نظر میں صغیر ہیں اور اہل بصیرت جو اہل اعیان وخلاصہ انسان ہیں، کی آنکھوں میں عظیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَايُبْصِرُوْنَ ۔ (پارہ۹،سورۂ الاعراف، آیت ۱۹۸)۔ تم دیکھو گے کہ آپ کے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور باطن کو نہیں دیکھتے) اسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول ہے: اے اللہ! مجھے (اپنی عظمت کے مشاہدہ کے مقابلہ میں) اپنی نظروں میں چھوٹا بنا دے اور (اپنی قدرت کے مکاشفہ سے) لوگوں کی نظروں میں بڑا بنا دے۔ (مسند البزار رقم الحدیث:۴۴۳۹)

(۵۰)

وَكَيْفَ يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا حَقِيقَتَهُ
قَوْمٌ نِيَامٌ تَسَلَّوْا عَنْهُ بِالْحُلُمِ

ترجمہ: دنیا آپ کی حقیقت کا ادراک کیسے کر سکتی ہے۔ وہ خوابِ غفلت میں سونے والی قوم جو آپ کے خیالات وتصورات سے مطمئن ہو گئی ہے۔

لفظی تشریح: کیف ظرف یدرك کے متعلق ہے۔ یہ استبعاد اور استفہام انکاری کے لئے ہے اور استفہام کی صدارت کے لئے مقدم آیا ہے۔ الحلم سوئے ہوئے کو جو نظر آئے۔ یہاں اس سے مراد خیال ہے۔ القوم وہ مخلوق (الوریٰ) ہے یا انبیاء اور اولیاء کے علاوہ باقی مخلوق مراد ہے۔

معنوی تشریح: غافل جماعت اس ادنیٰ سی دنیا میں ذاتِ محمدی کی حقیقت اور صفات احمدی کی صداقت کیسے جان سکتی ہے جو کہ سوئے ہوئے لوگوں کی مانند ہے۔ انہوں نے خیالات اور اوہام سے حاصل شدہ معرفت پر ہی قناعت کر لی اور اس میں

یہ تنبیہ بھی ہے جیسا کہ روایت میں ہے کہ لوگ سوئے ہوتے ہیں (احیاء العلوم، جلد ۵، صفحہ ۴۶، کتاب التوبہ) یعنی غافل ہیں اور ایک اشارہ بھی ہے جس میں یہ بشارت پنہاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کا آفتاب اور جلال کا ستارہ آخرت میں جو کہ ندامت کا وقت ہے، افق کمال پر ہوگا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام اوران کے علاوہ سب لوگ قیامت کے روز میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۶۱۵) نیز یہ کہ آخرت میں قریب وبعید سب کے لئے آنکھیں اسرار کے ادراک کے لئے کامل ہوں گی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (سورۃ ق آیت: ۲۲)

اسی وجہ سے بعض عارفین نے کہا ہے کہ فانی دنیا میں رویت باری تعالیٰ ممتنع ہے کیونکہ باقی کو باقی رہنے والی آنکھ سے ہی دیکھا جا سکتا ہے۔

(۵۱)

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ
وَاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں (ہمارا) مبلغ علم یہی ہے کہ آپ ایک بشر ہیں حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔

لفظی تشریح: قرأت مکی کے مطابق ضرورت شعری کے طور پر فیہ کی ھا کو اشباع کے ساتھ اور کلھم کی میم کو مکسور اور اشباع کے ساتھ شعر کو پڑھا جائے گا۔

معنوی تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کی بناء کے بارے میں ہمارے علم کی رسائی کی انتہا اور ہمارے فہم کی حد یہی ہے کہ آپ افراد انسانی میں سے بشر عظیم و جوہر جسیم ہیں حالانکہ آپ کی صفات کی حقیقت یہ ہے کہ آپ تمام کائنات سے افضل اور تمام موجودات کے سردار ہیں۔

ناظم نے کلھم کے ساتھ تاکید، بعض لوگوں کے اختلاف کو دور کرنے کی غرض سے ذکر کی۔ یہ اہل ثقلین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا جانبین میں احاطہ کرنے سے عجز اور قصور (کم فہمی) کا احساس دلاتا ہے۔

(۵۲)

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسْلُ الْكِرَامُ بِهَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمِ

ترجمہ: اور وہ تمام معجزات جو سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام لائے ہیں وہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ان کو ملے ہیں۔

لفظی تشریح: کل یہ لحاظ مبتداء ہونے کے مرفوع ہے۔ واو جملوں کے عطف کی خاطر ہے۔ عصام الدین کا یہ قول بعید ہے کہ لفظ کل بہ سبب ان (گزشتہ شعر میں) کے اسم پر معطوف ہونے کے منصوب ہے۔ الآی جمع آیۃ کی۔ معجزہ۔ الرسل برائے تخفیف سین پر سکون ہے۔ رسول کی جمع ہے۔ الکرام کریم کی جمع۔ اس کا استعمال بطور کیفیت ہے ورنہ اس کے بغیر بھی بہ طریق اولی (ان کی کرامت) سمجھی جاتی ہے۔

نورِ مصطفوی:

وہ تمام خوارقِ عادات جو باقی انبیاء و مرسلین کو ملے ہیں، وہ تمام آیات ظاہرہ اور معجزات باہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نور اصلی کی بدولت پہنچے ہیں جو ان کو بطریق فرع پہنچا ہے۔ پس سابقین کے معجزات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی معجزہ ہے جیسا کہ لاحقین (اولیاء کرام) کی کرامات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت ہے۔ سابقین ولاحقین درحقیقت آپ کے نائب ہیں جیسے کہ لشکر کا مقدمہ (اگلا حصہ) ساقہ (پچھلا حصہ) سپہ سالار کے لئے چلتے ہیں اور اس کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔ ایسے ہی

ہر علم، معرفت، نکتہ اور حکمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کی شعاع اور آپ کے اسرار کی چمک ہے۔

(۵۴)

فَـاِنَّــهٗ شَـمْــسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَـا
يُـظْهِـرْنَ اَنْـوَارَهَـا لِـلـنَّـاسِ فِي الظُّلَمِ

ترجمہ: بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فضیلت کا سورج اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام ستارے ہیں جو کہ تاریکی میں لوگوں کے لئے اپنے انوار ظاہر کرتے ہیں۔

لفظی تشریح: یہ ایک اچھی تحلیل اور مستحسن تعلیل ہے۔ ناظم نے تشبیہ بلیغ کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورج کی تشبیہ دی ہے۔ (شمس فضل) میں اضافت من کے ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بزرگی دینے سے سورج ہیں۔ یونہی کہا گیا ہے۔ اظہر یہ ہے کہ یہاں فضل بمعنی فضیلت اور زیادت ہے اور اضافت تھوڑی سی ملابست کی وجہ سے ہے۔ الظلم جمع ہے ظلمت کی، تاریکی راتوں کی۔ للناس کی بجائے للخلق ہوتا تو عام تھا۔

معنوی تشریح: جس طرح سورج زیادتی روشنی اور اصالت نور کے باعث تمام چاند ستاروں سے جدا ہے۔ ایسے ہی ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسرار فضائل وانوار شمائل کی فضیلت کے سبب تمام ارباب فضیلت سے ممتاز ہیں اور وہ انبیاء اور رسول اس کے سورج کے ستاروں کی مانند ہیں۔ (شمس فضل) اس میں اضافت اس کا فائدہ بھی دے رہی ہے کہ کواکب شمسیہ مخصوص ہیں جو سورج کے فیضان سے استفاضہ اور اس کے نور سے استفادہ کرتے ہیں اور وہ صرف چاند ہی ہے اور وہ مفرد ہے۔ تو اس کی جمع لانا، مشبہ بہ کے تعدد کی وجہ سے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اختلاف احوال

کے باعث (جمع ذکر کیا) کیونکہ پہلے ہلال ہوتا ہے پھر بدر وغیرہ۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد مطلق کواکب ہیں، تو اس صورت میں حکم بطور تغلیب یا مبالغہ اور دعا کے ہوگا۔ ناظم نے جو کہا ہے یظھرن انوارھا ۔ اپنے انوار ظاہر کرتے ہیں حالانکہ وہ خود سورج کے انوار ہیں تو ان کو اپنی چمک کی وجہ سے مخصوص کیا گیا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آسمان عدل وفضل میں بسبب نور کی زیادتی اور اصل کی فضیلت کے بمنزلہ سورج کے ہیں اور مشارق ومغارب میں باقی انبیاء کواکب کے درمیان بمنزلہ چاند کے ہیں کیونکہ وہ آپ کی نبوت قدیمہ کے نور سے استمداد کرتے ہیں اور آپ کی رسالت قدیمہ کی روشنی سے نورانیت حاصل کرتے ہیں یا یہ کہ وہ ستاروں کی مانند ہیں جو کہ تاریک راتوں اور سخت تاریک اوقات میں لوگوں کے لئے اپنے انوار ظاہر کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کے لئے یا تمام لوگوں کے لئے لوگوں کی تخصیص اس لئے کی کہ تمام مخلوق میں سوائے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو معبوث نہیں کیا گیا۔ جب شمس محمدی کا نور طلوع ہوا تو اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء اور رسول غائب ہوگئے۔ اس طریقہ پر انبیاء جن کو پوشیدہ ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے، کو مؤنث کی ضمیر سے تعبیر کرنا، معتبر بہ کے حکم کے مطابق ہے۔ قرآن پاک میں جو اللہ تعالیٰ کا فرمان آیا ہے اس کے برعکس ہے۔ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ رَاَیۡتُهُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ ۔ (پارہ ۱۲، سورۂ یوسف، آیت ۴)

اس بیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ماقبل انبیاء کی شرائع کی ناسخ ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کے دن کے بعد رات نہیں ہے اور آپ کے دین پر زوال وفنا کی تاریکی نہیں چھا سکتی۔

(۵۴)

اَكْرِمْ بِخَلْقِ نَبِيٍّ زَانَهُ خُلُقٌ
بِالْحُسْنِ مُشْتَمِلٍ بِالْبِشْرِ مُتَّسِمِ

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت ظاہری کتنی باکرامت ہے
جس کو اخلاق نے آراستہ کیا ہے جو (صورت ظاہری) حسن پر مشتمل ہے
اور بشاشت سے متصف ہے۔

لفظی تشریح: اکرم بہ صیغہ تعجب۔ الخلق خلقت اور صورت۔ الخلق صفت و سیرت۔ الاشتمال، اصل میں شملہ لپیٹنے اور اجابت دعوت کے وقت اس کو پہننے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ البشر سرور کے باعث جلد کے ظاہری حصہ پر جو آثار ظاہر ہوں۔ اس کو بشاشت بھی کہتے ہیں۔ بعض نسخوں میں البشر کی بجائے البر ہے۔ وہ وسعت خیر اور سخاوت کو کہتے ہیں۔ الاتسام کسی شے سے متصف ہونا۔ وسمعة سے مشتق ہے جس کا معنی علامت ہے۔ زانہ خلق پورا جملہ "نبی" کی صفت ہے یا خلق نبی کی۔ بالحسن یہ مشتمل کے متعلق ہے۔ یہ مجرور ہو کر دوسری صفت ہے اور اس کا مابعد بھی ایسے ہی ہے حسن خلق کی طرف راجع ہے اور بشاشت خلق سے متعلق ہے اور ہر ایک دونوں میں سے عام ہے۔ یہی بات میرے ذوق میں اتم ہے۔

حسنِ رسول:

یہ عظمت والا نبی اور اس کی صورت ظاہری کتنی کریم ہے جس کو سیرت باطنی اور صورت ظاہری نے حسین و آراستہ بنایا ہے۔ وہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (پارہ ۱۸، سورۃ النور، آیت ۳۵) اور فرمایا: مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۔ (پارہ ۱۸، سورۃ النور، آیت ۳۵) آپ کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے کہ ایک قندیل ہو اس میں مصباح ہو جو اشتمال حسن اور تمام حالات، مقامات حرکات اور

سکنات کے احاطہ کرنے سے موصوف ہو جو مکمل سرور دائی بشاشت اور عام وخاص کے سامنے تبسم اور خوشی سے متصف ہو اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔ ان پر صلوٰۃ وسلام نازل ہو جب تک کہ دن اور راتیں موجود ہیں۔

اگر تو چاہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق جسد کی صفات میں سے تھوڑا سا ادراک کرے یا آپ کے اخلاق عالیہ کی نعمتوں میں سے کچھ خوشبو سونگھے تو تم شفا اور مواہب (کتابوں کے نام ہیں) کو لازم پکڑو تا کہ تم عجائب وغرائب حاصل کر سکو۔

(۵۵)

كَالزَّهْرِ فِيْ تَرَفٍ وَّالْبَدْرِ فِيْ شَرَفٍ
وَّالْبَحْرِ فِيْ كَرَمٍ وَّالدَّهْرِ فِيْ هِمَمٍ

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نزاکت میں پھول، بزرگی میں چودھویں کے چاند، سخاوت میں سمندر اور ہمت میں زمانہ کی طرح ہیں۔

معنوی تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرف وکرم میں پھول کی مانند ہیں، ظرافت، طراوت اور لطافت میں اور رفعت، آب وتاب اور ضیاباری میں چودھویں کے چاند کی مانند ہیں جس کی روشنی تمام کائنات پر پھیلتی ہے اور جس کا نور تمام مخلوقات پر غالب ہے۔ الزھر اور البدر آپ کی صورت مکرمہ سے متعلق ہیں۔ جب کہ البحر اور الدھر آخری دونوں وصف آپ سیرت معظمہ کی طرف راجع ہیں۔ آپ افراد انسان کے ساتھ مختلف النوع احسانات کرنے میں سمندر کی مثل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَخْرُجُ مِنْهُ اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۔ (پارہ ۲۷، سورۂ رحمٰن، آیت ۲۲)۔

(نکلتے ہیں اس سمندر سے موتی اور مونگے)۔

آپ زمانے کی مانند ہیں۔ ہمت، فضل اور نیت میں۔ دہر عصر سے اعم ہے اور بظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد بہادری اور ہمت کی بلندی ہے جہاں تک وصف کا تعلق ہے تو یہ تحقیقی ہے اور جہاں تک تشبیہ کا تعلق ہے تو یہ تشبیہ از قبیل نعمت معنوی کو امر حسی سے تشبیہ دینا ہے۔

لطافت مصطفیٰ:

جو آپ کے بدن مبارک کے گداز پن اور جسد اطہر کی نزاکت کے بارے میں آیا ہے ان روایات میں سے ایک یہ ہے جس کو شیخین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے کسی حریر اور نہ ہی کسی دیباج کو چھوا ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارکہ سے نرم تر ہو۔ (بخاری، رقم الحدیث ۳۵۶۱، مسلم، رقم الحدیث ۶۰۰۷) اور جو کچھ آپ کے مقام کی بلندی اور چہرے کی نورانیت کے متعلق مذکور ہے ان میں سے ایک روایت جس کی طرف آپ نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے: عالم کو عابد پر ایسے ہی فضیلت ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر۔ (اس کو احمد اور ترمذی وغیرہما نے روایت کیا ہے)۔ (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۱۶۱۲، ابوداؤد، ۳۶۴۱، ترمذی، ۲۶۸۲، ابن ماجہ، ۲۲۳)۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ عالم کو عابد پر اتنی فضیلت حاصل ہے جتنی مجھے تم میں سے ادنیٰ پر۔ (ترمذی، ۲۶۸۵)

سخاوتِ مصطفیٰ:

اور آپ کے کرم واحسان، نیکی اور بخشش کے بارے میں مروی ہے کہ جس کو مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے آپ سے دو پہاڑوں کے درمیان موجود بکریوں کے ریوڑ کا سوال کیا تو آپ نے اس کو وہی دے دیا، تو وہ آدمی اپنی قوم میں آیا اور کہا: اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ، خدا کی قسم! محمد اس قدر عطا کرتے ہیں کہ ان کو فقر کا ذرا اندیشہ نہیں ہوتا۔ (مسلم، رقم الحدیث: ۵۹۷۴) جو

باتیں آپ کی قوت قلب، ہمت اور شجاعت کے ملکہ پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب مسلمان جنگ حنین میں کفار کے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے تو آپ قلت کے باوجود مقابلے میں ڈٹے رہے یہاں تک کہ کفار ان کنکریوں کے باعث شکست کھا گئے جو آپ نے ان کی طرف پھینکی تھیں۔ (مسلم، رقم الحدیث:۴۵۸۸) اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: خدا کی قسم! جب جنگ خوب گرم ہو جاتی تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں اپنے آپ کو بچاتے تھے۔ ان دونوں حدیثوں کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ (مسلم، رقم الحدیث:۴۵۸۲)

آخری تشبیہ تحسینات ادب میں شعراء عرب کی عادت اور مبالغہ کے مطابق ہے۔ اس کی مثال شاعر کا یہ قول ہے جو وہ اپنے ممدوح کے بارے میں کہتا ہے:

لہ ھمم لا منتھی لکبارھا
وھمتہ الصغری اجل من الدھر

ترجمہ: میرے ممدوح کی ہمتیں بہت زیادہ ہیں، ان میں سے بڑی ہمت کی تو کوئی حد نہیں۔ ہاں، اس کی چھوٹی ہمت بھی زمانے سے بڑی ہے۔

یہ شعر حضرت حسان کی طرف منسوب ہے۔ اس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی ہے۔

(۵٦)

كَأَنَّهُ وَهُوَ فَرْدٌ فِيْ جَلَالَتِهٖ
فِيْ عَسْكَرٍ حِيْنَ تَلْقَاهُ وَفِيْ حَشَمِ

ترجمہ: جب آپ تنہا ہوں تو پھر بھی اپنی جلالت کے سبب یوں معلوم ہوتا ہے گویا کہ آپ بہت بڑے لشکر میں آرام سکون کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔

لفظی تشریح: فی جلالته فرد کی صفت ہے۔ فی عسکرہ محذوف کے متعلق ہے۔ کان کی خبر ہونے کے لحاظ سے محل رفع میں ہے۔ ایک نسخہ میں حشم کے بدلے بهم ہے جو کہ بهم کی جمع بمعنی بہادر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بهمة کی جمع ہے بروزن تهمه ۔ بمعنی عسکر، سوار لیکن آنے والے قوافی کے مطابق اس لفظ کو لانے کے لئے نسخہ مشہورہ ہی اولیٰ ہے۔

معنوی تشریح: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ اپنی ذات کے لحاظ سے منفرد، اپنی صفات کی عظمت کے اعتبار سے ثابت اور کمالِ ہیبت وجلالِ عظمت ایسے کمالات کے ظہور میں یگانہ ہیں۔ اس کے باوصف یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہت بڑے لشکر کے قلب اور لاتعداد جانثاروں اور فرشتوں کے جھرمٹ میں ہیں۔ اے مخاطب! جب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا تو اس موکب ہمایوں میں دیکھے گا۔

اس بیت میں، حالت انفراد میں آپ کی قوت، شجاعت وعظمت مہابت کی طرف اشارہ ہے اور اس بات کا ایماء ہے کہ آسمانی ملائکہ اور رجال الغیب آپ کے تابع ہیں اور ان کی مصاحبت کی وجہ سے یوں ظاہر ہوتا ہے۔

ایک نسخہ میں من جلالته ہے۔ اس صورت میں یہ کان سے حاصل ہونے والی تشبیہ کی علت ہے اور وہ معنی میں وجہ شبہ ہے جب کہ مفرد ومختار کو وقار اور ہیبت میں عسکر وحشم کی معیت سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔

(۵۷)

كَأَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُونُ فِيْ صَدَفٍ
مِنْ مَّعْدِنَـىْ مَنْطِقٍ مِّنْهُ وَمُبْتَسِمِ

ترجمہ: یوں معلوم ہوتا ہے کہ تکلم وتبسم کانیں ہیں اور آپ صدف میں پوشیدہ موتی ہیں۔

لفظی تشریح: شعر کو لؤلؤ کے پہلے ہمزے کو ساکن یا واؤ سے بدل کر اور منہ کی ہاء کو اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ یہ ضمیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ المنطق نطق کی جگہ وہ دل اور زبان ہیں اور دونوں بیان کا مظہر ہیں۔ المبتسم بصیغۂ مفعول جائے تبسم۔ وہ لبہائے مبارکہ ہیں جو کہ دندان مبارک کا مظہر ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ منطق اور مبتسم دونوں مصدر ہوں اور اضافت بمعنی لام ہو۔ پہلی صورت میں اضافت بیانیہ ہے۔

شعر میں دو تشبیہیں ہیں ان میں سے ایک معنوی اور دوسری حسی ہے۔

معنوی تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع کمالات اور موتی، دندان مبارک کا نطق اپنی لطافت اور چمک دمک کے میں درمکنون کی مانند ہے جیسے بحتری نے کہا:

فمن لؤلؤ يبديه عندا بتسامة

ومن لؤلؤ عند الكلام تساقطه

ترجمہ: (میرا محبوب) تبسم کے وقت موتی ظاہر کرتا ہے اور گفتگو کے وقت موتی جھاڑتا ہے۔

ناظم نے منہ اور دل کو معدن سے تشبیہ دی ہے اس لحاظ سے کہ یہ زیادہ لطافت ظاہر کرتے ہیں۔ موتی کو مکنون سے موصوف کیا جو کہ اپنی معدن اور صدف میں ہونے کی وجہ سے طراوت پر دلالت کرتا ہے نہ اس سے خارج ہونے سے (کیونکہ صدف کے اندر والا موتی صدف سے خارج موتی سے) چمک دمک میں زیادہ حسین ہوتا ہے۔

تاجدارِ صداقت اور قصیدہ بردہ:

حضرت علامہ محلی نے حکایت بیان کی ہے کہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس شعر سے اور اس سے پہلے شعر سے حضور نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بہت خوب صورت انداز میں بیان کر رہے ہیں۔

جب ناظم نے حال حیات میں صورت و سیرت کے بعض صوری اور معنوی کمالات کی طرف اشارہ کیا تو اب اس بات کی طرف ایماء کرنا چاہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وصال کی حالت میں بھی تمام مخلوقات سے ممتاز ہیں جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسادِ مبارکہ کو کھائے۔

(ابن ماجہ، رقم الحدیث:۱۰۸۵، ابوداؤد، رقم الحدیث:۱۰۴۷، ابوداؤد، رقم الحدیث:۱۵۳۱، نسائی، رقم الحدیث:۱۳۷۳)

نوٹ: حدیث اوس بن اوس کی بہت مفصل تحقیق و تخریج و اعتراضات کے جوابات کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب خطبات سیالوی، جلد۲، صفحہ ۱۶۵ تا ۱۵۱۔

(۵۸)

لَاطِیْبَ یَعْدِلُ تُرْبًا ضَمَّ اَعْظُمَهٗ

طُوْبٰی لِمُنْتَشِقٍ مِّنْهُ وَمُلْتَثِمِ

ترجمہ: کوئی خوشبو اس مٹی کے برابر نہیں ہو سکتی جو کہ جسم اقدس سے لگتی ہے، کس قدر سعادت مند ہے وہ شخص جس نے اس کو سونگھا ہے اور بوسہ دیا ہے۔

لفظی تشریح: الطیب خوشبو۔ عدل مساوی ہونا۔ ترب بمعنی تربۃ یا ترائب ہے۔ یہ منصوب بنزع الخافض ہے۔ الضم اکٹھا یا جمع کرنا۔ اعظم ہڈیاں۔ جمع عظم کی۔ طوبیٰ طاب سے مشتق ہے بروزن بشریٰ اور زلفیٰ۔ طوبی میں واؤ یاء سے بدلی ہوئی ہے۔ ماقبل مضموم ہونے کی وجہ سے۔ یہ مرفوع ہے جیسے سلام لك، یا یہ منصوب المحل ہے جیسے سلاماً لك یہاں لام (حرف جار) بیانیہ ہے۔ جیسے سقیالك میں ہے۔ اس کا معنی ہے تم بھلائی اور اچھائی کو پسند کرو۔ اس میں تعجب اور

تمنی کے معنی بھی ہیں۔ انتشق سونگھنا۔ منه کی هاء کو اشباع کے ساتھ پڑھیں گے اوراس کی ضمیر تـرب کی طرف راجع ہےاور یہی زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے......التثم بوسہ دینا۔

معنوی تشریح: مشک یا عنبر وغیرہ میں سے کوئی بھی ایسی خوشبو موجود نہیں ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی خاک کے مساوی ہو سکے۔ وہ قبر جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء کو چھوا، آپ کے اجزاء کو جمع کیا اور جسم شریف کو محیط ہوئی اور بدن لطیف سے ملی ہوئی۔ اس وجہ سے ناظم متعجب ہوتے ہیں اوراس کو حاصل کرنے کی تمنا کرتے ہیں۔

پس متفق علیہ حدیث میں ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا کہ میں نے کوئی ایسا عنبر یا مشک نہیں سونگھا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہو۔ (بخاری، رقم الحدیث:۳۵۶۱، مسلم، رقم الحدیث:۶۰۰۷)

یہ شعر حضرت بتول زہرا فاطمہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کے مرثیہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں:

صبت علی مصائب لو انها
صبت علی الایام صرن لیالیا
ماذا علی شم تربة احمد
لولم یشم مدی الزمان غوالیا

پھر علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حریم اقدس کعبہ سے افضل ہے جو اختلاف مشہور ہے وہ مکہ اور مدینہ دونوں شہروں کے درمیان ہے بلکہ امام غزالی سے تو یہاں تک مروی ہے کہ وہ خاک مقدس جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر سے زمین سے ملی وہ مرتبہ میں عرش سے بھی بلند ہے۔ (الزبدۃ، صفحہ ۸۷)

جب ناظم یہ بیان کر چکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسائی تمام احوال میں کمال تک ہے۔ اب اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ (آپ کے) جمال کے آثار مبادی سے ہی ظاہر ہیں اور کہا:

(۵۹)

اَبَانَ مَوْلِدُهٗ عَنْ طِيْبِ عُنْصُرِهٖ
يَا طِيْبَ مُبْتَدَاءٍ مِّنْهُ وَمُخْتَتَمِ

ترجمہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ولادت اس سے بہترین عنصر کے ساتھ ظاہر ہوا۔ سبحان اللہ! کیسی عمدہ ہے وہ ذات جس کا زمانہ ابتداء اور اختتام دونوں ہی بہت شاندار ہیں۔

لفظی تشریح: **الابانۃ** ظاہر کرنا۔ **المولد، المبتداء** اور **المختتم** یہ سب اسمائے زمان ہیں۔ ایک نسخہ میں مبتداء کی بجائے مفتتح ہے۔ **العنصر** اصل، ارکان۔ **منہ** کی **ھاء** اشباع کے ساتھ۔ ضمیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

معنوی تشریح: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ولادت آپ کے ماہ، اصل، نسب، لطافت، خلقت اور حسب کے نظام سے، اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اظہار سے ظاہر ہوا۔ پس اے میری قوم! تم آپ کے زمانہ خلقت کی ابتداء و اظہار اور آپ کی اختتام رحلت کا وقت دیکھو (کتنا اعلیٰ وارفع واکرم ہے)

ندا تعجب کے لئے ہے۔ تعجیب اور محبت برائے فہم و ترغیب ہے۔ اس شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن ابتداء اور حسن خاتمہ کی طرف اشارہ ہے اور ابتداء جو کہ انتہا کی اساس ہوتی ہے، میں سعادت کی بلندی کی جھلک ہے۔ اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کے وصال کے بعد جبین انور چومتے ہوئے عرض کیا

تھا: طبت حیا و میتا کہ آپ کی حیات وموت کتنی پاکیزہ اور عمدہ ہے۔ (بخاری، رقم الحدیث:۳۶۶۷) ابتداء اور اختتام سے مراد استمرار اور دوام ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (سورۃ الاحزاب:۴۲) (صبح شام ہمیشہ اس کی تسبیح کرو) وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (سورۃ مریم آیت:۶۲) ان کے لئے اس میں رزق ہے صبح وشام۔

(۶۰)

يَوْمٌ تَفَرَّسَ فِيْهِ الْفُرْسُ اَنَّهُمْ
قَدْ اُنْذِرُوْا بِحُلُوْلِ الْبُؤْسِ وَالنِّقَمِ

ترجمہ: اس روز اہل فارس نے اپنی فراست سے سمجھ لیا کہ وہ سزا اور خوف کے نزول کے باعث ڈرائے گئے۔

لفظی تشریح: یوم سے مراد مطلق وقت ہے کیونکہ آنے والے شعر میں بھی آرہا ہے (وبات کسریٰ) یہ ماقبل شعر میں موجود لفظ مولدہ سے بدل ہے یا یہ خبر ہے اور اس کا مبتداء محذوف ہے جو کہ ھو ہے۔ تفرس، دیکھنا اور فراست سے معلوم کرنا۔ فراست ایک ایسی قوت ہے جس سے انسان ظاہری آثار کے سبب معانی باطنہ کا ادراک کرتا ہے۔ الفرس، فارس کے باشندوں کا اسم جمع ہے۔ لغت عرب میں را پر کسرہ ہے اور کلام عجم میں راء کو ساکن پڑھا جاتا ہے۔ انھم اس کی میم پر ضمہ پڑھا جائے گا۔ بؤس ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ ایسے خوف کو کہا جاتا ہے جو غم اور دکھ کا باعث ہو۔ النقم بکسر نون وفتح قاف نقمة کی جمع بمعنی سزا۔

معنوی تشریح: اہل فارس کو بطریق فراست اپنے علماء اور اکابر سے معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا وقت آچکا ہے چونکہ وہ ایسی خوفناک اور ہیبت ناک

علامات دیکھ چکے تھے کہ ان کی سلطنت اور ملت اب ختم ہو جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت ایسی علامات ظاہر ہوئیں جنہیں ارہاصات کہا جاتا ہے۔ ارہاص معجزات سے پہلے ظاہر ہونے والے خوارق کو کہا جاتا ہے جن میں سے بعض کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے لیکن سب کو ذکر کرنا مصنف کے بس میں نہیں۔

(۶۱)

وَبَاتَ اِیْوَانُ کِسْرٰی وَھُوَ مُنْصَدِعٌ
کَشَمْلِ اَصْحَابِ کِسْرٰی غَیْرَ مُلْتَئِمِ

ترجمہ: اور ایوانِ کسریٰ رات کو پھٹ گیا۔ جیسے کہ کسریٰ کے ساتھی یعنی لشکر جو منتشر ہونے کے بعد منظم نہ ہو سکا۔

لفظی تشریح: بات، تفرس پر عطف ہے بمعنی صار یعنی رات کے وقت ہو گیا۔ اس سے مراد لیلۃ المیلاد ہے۔ الایوان ہر اس چھت والی عمارت کو کہتے ہیں جس کے سامنے کی جانب دیوار نہ ہو۔ کسریٰ خسرو سے معرب ہے۔ یہ فارس کے بادشاہوں کا لقب (نام) ہے جیسے مصر کے بادشاہوں کا نام فرعون، روم کے بادشاہوں کا نام قیصر، حبشہ کے بادشاہوں کا نام نجاشی، ترکوں کا خاقان اور یمن کا تبع ہے۔

الانصداع پھٹنا۔ الشمل اجتماع کے بعد متفرق ہونا۔ التئم متصل ہونا۔

دوسری دفعہ جو کسریٰ مذکور ہے وہ پہلے کا غیر ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ اضمار کے موقع پر اظہار کر دیا گیا ہو۔ پہلے سے مراد نوشیرواں عادل بن قباء ہے اور یہ حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں بادشاہ عادل کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ امام سخاوی کے کہنے کے مطابق اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(المقاصد الحسنہ، حرف الواو، صفحہ ۵۱۹، ۱۲۶۹)

دوسرے کسریٰ سے مراد پرویز بن ہرمز بن یزد بن نوشیروان ہے۔ شرح منظومہ

میں ہے کہ یہ دوسرا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن طاؤس بن ہرمز کا چچا ہے (حضرت امام اعظم کے جدامجد طاؤس اور پرویز دونوں ہرمز کے بیٹے ہونے کے باعث بھائی ٹھہرے۔ اس طرح پرویز حضرت کے والد ماجد کا چچا ہوا (مترجم) اور آپ کے شاگرد رشید حضرت امام محمد کا نسب بھی طاؤس پر آپ سے مل جاتا ہے۔ امام محمد کا شجرہ یوں ہوگا: محمد بن حسن بن عبداللہ بن طاؤس۔

غیر ملتئم بات کی خبر ہے۔ کشمل یہ جار مجرور غیر ملتئم کے متعلق ہے۔ یہ گروہ صرف اس لئے متصل نہیں ہوا تھا کہ تذکرہ باقی رہے۔ اس کی صفت یلتئم ہے جو کہ شمل سے حال واقع ہو رہا ہے۔ پس التئام سے مراد اتفاق ہے۔

معنوی تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور آپ کے نور کی چمک کی رات کسریٰ کا ایوان ٹوٹ گیا جو کہ ان کے تباہ ہونے پر اشارہ ہے اور غیر ملتئم ان کے عدم تہور کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے دوسرے کے ساتھ اقبال مندی کے بعد متفرق ہو گئے۔ ان کو ایسی حکومت کرنے کا اتفاق ہوا کہ دنیا میں کسی بادشاہ کو ایسی بادشاہی کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس کی مسند، مقام، حشم، تخت پر بیٹھنا، خادمین اور معاونین کا حاضر خدمت ہونے کے باوجود وہ بذاتِ خود اور اس کے مددگار بھی گر پڑے جب کہ اس موقع پر چودہ کنگرے بھی گر پڑے تھے تو اس نے عرب کے ایک بادشاہ نعمان ابن منذر کے پاس ایک قاصد بھیجا تا کہ یہ جو ظاہر ہوا ہے اس کے بارے میں پوچھے تو خبر سطیح کے پاس لے جائی گئی۔ وہ عرب کے کاہنوں میں سب سے زیادہ ماہر تھا۔ اس کے جسم میں ماسوائے سر کے کوئی ہڈی بالکل نہ تھی۔ اس نے کہا: شاید اس کے مختلف اسباب ہوں اور کنگروں کی تعداد کے مطابق بادشاہ مر جائیں گے۔ پس ان میں سے دس بادشاہ چار سال میں مر گئے اور چار حضرت امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت تک ہلاک ہو گئے۔

(٦٢)

وَالنَّارُ خَامِدَةُ الْاَنْفَاسِ مِنْ اَسَفٍ
عَلَيْهِ وَالنَّهْرُ سَاهِي الْعَيْنِ مِنْ سَدَمِ

ترجمہ: اور آگ اس پر غم کے باعث بجھ گئی اور حیرت سے چشمہ کا پانی ختم ہو گیا۔

لفظی تشریح: الخمود بجھانا۔ نفس النار شعلوں سے کنایہ ہے۔ الساهی غافل، السلام، حیرت الناد خامدہ کا پورا جملہ هو منصدع پر عطف ہے اور جائز ہے کہ بات الخ پر عطف ہو کیونکہ یہ جملے مفردات کے حکم میں ہیں۔

معنوی تشریح: وہ آگ جو ایک ہزار سال سے بھڑک رہی تھی چونکہ لوگ اس کی عبادت کرتے تھے اور اس آگ کے خادم بھی تھے جو ہمہ وقت اس کی حفاظت کرتے اور اس پر فدا ہوتے تھے تو وہ آگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور ولادت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وولادت کے سورج کی شعاعوں کی نورانیت کے وقت بجھ گئی اور اس کی حرارت ختم ہو گئی۔

اس شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے اقتباس اور آگ سے دور رہنے کی طرف اشارہ ہے۔ آگ نے کسریٰ پر فارس پر یا ان کے کافروں پر افسوس کیا کہ وہ اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے خالق کی عبادت کو ترک کرتے ہیں یا یہ کہ ان کے لئے ان کا معبود مفقود تھا بنا بریں سبب تاسف کیا اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ حادث اور عمر فانی مستحق عبادت نہیں ہو سکتی بلکہ وہ حی لا یموت ہے جو عبادت کا مستحق ہے۔

اس مکرم گھڑی اور معظم رات (جس میں ظہور قدسی تھا) نہر فرات کا چشمہ جہاں حیرۃ الزاق میں جاری ہوتا ہے، بند ہو گیا۔ وہ مساوہ میں واقع ہے جو کہ دمشق اور عراق کے درمیان قصبہ واقع ہے یا پھر عین سے مراد دیکھنے والی آنکھ ہے۔ معنی یوں ہے۔

فرات کے پانی کا چشمہ۔ کہا گیا ہے کہ نہر کسریٰ جس کے اوپر شاندار بند بنایا گیا ہے اور اس پر بہترین جگہ بنائی گئی ہے۔ اس پر دنیا کے خراج بہت بڑی رقم خرچ کی گئی۔ بنی آدم کی آنکھ نے اس کی مثل کبھی نہیں دیکھی۔ اس رات اس کا اس طرح خشک ہونا جیسے سنگدل کی آنکھ سے قدرت الٰہیہ اور عظمت سلطانی کی حشمت دیکھ کر بھی حیرانگی کے باعث آنسو نہ نکلیں۔

اس میں اشارہ ہے کہ جمادات مغیر ربانی کے تغیر اور مؤثر صمدانی کے اثر کو قبول کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پتھروں میں سے بعض ایسے ہیں جن سے نہریں بہتی ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو پھر ان سے پانی نکلتا ہے۔ بعض ایسے ہیں جو خشیت الٰہی سے گر پڑتے ہیں۔ (پارہ ۱، سورۂ البقرہ، آیت ۷۴) اور ایک مقام پر فرمایا: ہم نے کہا: اے آگ! تو ابراہیم (علیہ السلام) پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا۔ (پارہ ۱۷، سورۂ الانبیاء، آیت ۶۹) ایک مقام پر فرمایا: ہر ایک شی اپنے رب کے حکم سے تباہ کرتی جاتی ہے (پارہ ۲۶، سورۂ الاحقاف، آیت ۲۵) اور فرمایا: ہم نے اس (قارون) کو اور اس کے گھر کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔ (پارہ ۲۰، سورۂ القصص، آیت ۸۱)

اس سارے بیان میں طبیعت کا رد ہے جو اصول شرعیہ کے مخالف ہے۔ اس بات کا بھی اشعار ہے کہ علوم عقلیہ کی نہر جو دقائق فلسفہ کو متضمن ہے، اس کی حضور کے علوم شرعیہ کے سمندر اور معارف حقیقی کے چشمہ کے سامنے کوئی وقعت نہیں ہے۔

(۶۳)

وَسَاءَ سَاوَةَ اَنْ غَاضَتْ بُحَيْرَتُهَا
وَرُدَّ وَارِدُهَا بِالْغَيْظِ حِيْنَ ظَمِیْ

ترجمہ: اور ساوہ دور ہو گیا کہ اس کے سمندر کا پانی نیچے اتر گیا اور پانی کے طالب کو جب پیاس لگی تو وہ غیظ وغضب کے عالم میں لوٹ آیا۔

لفظی تشریح: ســاء غمگین ہونا۔ ساوہ ایک شہر ہے جو زمانہ قدیم میں مکمل طور پر ہمدان کا تابع تھا اور ہارون الرشید کے زمانہ میں قسم کے تابع ہو گیا جو کہ کاشان کے قریب ہے۔ غاص کم ہونا۔ بطور لازم ومتعدی دونوں طرح آیا ہے۔ بـحیرہ، بحر کی تصغیر۔ بعض نے کہا ہے: بحیرہ بڑا ہوتا ہے اور تصغیر برائے تعظیم ہے۔ رد مجہول ہے اور اس سے قبل واؤ عطف کے لئے ہے یا حال کے لئے۔ الـوارد پانی میں جھانکنے والا پانی میں داخل ہو یا نہ ہو۔ آگے بڑھنے والے کو بھی کہا جاتا ہے۔ اگر غیض ضاد کے ساتھ ہو تو پانی کا کم ہونا معنی ہو گا۔ یہ جار مجرور مل کر رد کے متعلق ہو گا۔ اور حین، رد غیظا یا وارد کے متعلق ہو گا۔ ظـمی یہ ظـمـاء سے فعل ماضی ہے بمعنی پیاس لگنا۔ جب ہمزہ وقف کے طور پر ساکن ہوا تو اس کو یاء سے بدل دیا گیا۔ بعض نسخوں میں جو حذف یاء کے ساتھ لکھا گیا ہے وہ قلم کا سہو ہے۔

معنوی تشریح: ساوہ کے اردگرد یہود ونصاریٰ کی معتبر عبادت گاہیں اور مشہور سیر گاہیں تھیں جب اس صورت کے باوث اہل ساوہ بڑے غمزدہ ہوئے جب انہوں نے خلاف عادت، میلاد کی رات کو وہاں کے سمندر میں سے پانی کی کمی کو دیکھا اور پانی کا طالب وقاصد بے نیل ومرام، قہر وغضب سے یا پانی کی کمی اور تھکاوٹ کے باعث واپس مڑ آیا جب اس کو پیاس لگی تھی اور اپنے آپ پر غصے کے عالم میں پیاسا ہی واپس ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ وہ اہل عذاب کا سمندر ہے وہ سراب کا ایک ٹکڑا ہے جس کو پیاسا پانی خیال کرتا ہے۔ بخلاف کوثر کے جو خیر البشر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا ہے۔ وہ تو ایسا ہے کہ جس نے اس میں سے ایک گھونٹ بھی پی لیا وہ پھر اس کے بعد پیاسا نہ ہو گا۔

ایک نسخہ میں فاصت کے بادلے غاضت ہے۔ وہ معنی میں زیادہ واضح اور مدعا پر

دلالت کرتا ہے۔ناظم کے وارد ھا کہنے سے نقصان کا وہم دور ہو جاتا ہے۔وارد کا معنی سابق ہے۔جب سابق کا یہ حال ہے (کہ اس کو پانی نہیں مل رہا) تو لاحق کا کیا عالم ہوگا۔پانی بالکل اٹھنے (ختم ہونے) کی تاکید اس قول سے کر دی۔

(۶۴)

كَانَ بِالنَّارِ مَا بِالْمَآءِ مِنْ بَلَلٍ
حُزْنًا وَّبِالْمَآءِ مَا بِالنَّارِ مِنْ ضَرَمٖ

ترجمہ: آگ کو غم کے باعث نمی حاصل ہوگئی اور پانی افسوس کے سبب آگ کی سی حرارت میں تبدیل ہوگیا۔

لفظی تشریح: الضرم آگ کا شعلہ یا چنگاری۔النار اور الماء میں الف لام عہدی ہے یعنی فارس کی آگ اور بحیرہ کا پانی۔بعض نے کہا ہے کہ الف لام جنس کا ہے مگر پہلی بات اظہر ہے۔

معنوی تشریح: پانی میں جو گیلا پن تھا وہ گویا کہ آگ کو حاصل ہوگیا تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ آگ کو کفر اور کفار کے زوال پر گہرا دکھ تھا۔گویا کہ وہ کفر کے اضمحلال اور اپنے پجاریوں کی جلاوطنی پر آہ و بکا کر رہی تھی اور اپنے احباب کی جدائی پر رو رہی تھی۔پانی کو آگ کا شعلہ اور بھڑک پہنچ گئی تھی۔اس کو بھی اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی جدائی کا غم تھا۔گویا کہ وہ بھی اپنی سیرگاہوں کے ختم ہونے پر افسوس کرنے کے لئے اور روشوں کے نہ ہونے پر درد کا اظہار کرنے کے لئے جل رہا ہے۔

(۶۵)

وَالْجِنُّ تَهْتِفُ وَالْاَنْوَارُ سَاطِعَةٌ
وَالْحَقُّ يَظْهَرُ مِنْ مَّعْنًى وَّمِنْ كَلِمٖ

ترجمہ: اور جن آوازیں دے رہے تھے جب کہ انوار پھیلے ہوئے تھے اور

حق، معنی اور کلام سے ظاہر ہو رہا تھا۔

لفظی تشریح: الجن جنة سے ماخوذ ہے جس کا معنی چھپانا ہے۔ چونکہ یہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اس لئے ان کا نام جن رکھا۔ هتف، چیخنا۔ بات کو اس طرح سمجھانا کہ سامع متکلم کو نہ دیکھ سکے۔ الحق، امر نبوت۔

جن اور سیّد الانس والجان:

جنوں کے گروہ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا علم ہو گیا اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا وقت آنے کی خبر دی گئی۔ اس نور کے ظہور کے وقت انوار دنیا پر اس طرح ظاہر ہوئے کہ روم اور شام کے محلات روشن ہو گئے اور حق یعنی امر نبوت ایسے معنی سے ظاہر ہوا جو کہ ولادت کو مقرون ہے اور وہ روشن کرنا ہے اور اس کلام سے ظاہر ہوا جو اشاعت کے ارادہ کے لئے جنوں سے منطوق ہوئی۔

مروی ہے کہ لوگوں نے ابو قبیس اور حجون پہاڑ سے اس در مکنون کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی مدح میں جنوں کی آوازیں سنیں۔ کسی نے ان کو نہیں دیکھا۔

"تحقیق خیر البریہ احمد پیدا ہوئے"۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ا صفحہ ۳۵۲)

ام عثمان بن ابی الیاس سے منقول ہے، فرماتی ہیں: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی رات حاضر تھی تو میں نے دیکھا کہ انوار تمام لوگوں اور شہروں (ملکوں) پر چھائے ہوئے ہیں۔ (معجم کبیر، جلد ۱۱، جز ۲۵ صفحہ ۱۰۲، رقم الحدیث: ۳۵۵، مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۲۰، رقم الحدیث: ۱۳۸۳۹) صفیہ بنت عبد المطلب کہتی ہیں کہ میں نے ایسا نور دیکھا جو دیے کی روشنی پر غالب تھا۔

(معجم کبیر، جلد ۱۰، صفحہ ۴۷۴، رقم الحدیث ۲۰۸۶۳، مجمع الزوائد، جلد ۸، صفحہ ۸-۲۸۶، رقم الحدیث ۱۳۸۳۹)

بعض نے کہا کہ جنوں کی آواز (شور) سے مراد یہ ہے جو انہوں نے کاہنوں ک

خبر دی کہ عنقریب واضح اور پھیلنے والے انوار کی جلو میں ایک صاحب نبوت پیدا ہوگا۔
کہا گیا ہے کہ آپ کی حقیقت آپ کی صورت اور معنی سے ظاہر ہوتی ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر و باطن سے یا امور معقولہ محسوسہ سے یا قرآن کے معانی اور الفاظ سے آپ کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

(٦٦)

عَمُوْا وَصَمُّوْا فَاِعْلَانُ الْبَشَآئِرِ لَمْ
تُسْمَعْ وَبَارِقَةُ الْاِنْذَارِ لَمْ تُشَمِ

ترجمہ: وہ اندھے اور بہرے ہوگئے۔ پس نہ خوشخبری کا اعلان سنایا گیا اور نہ ہی انذار کی چمک کو ان سے دیکھا جاسکا۔

لفظی تشریح: عموا اور صموا میں ضمیر اہل عناد کی طرف راجع ہے جس پر قرینۂ حال دلالت کرتا ہے۔ ذکر حبیب (اہل عناد) کی تعداد پر دلالت نہیں کرتا۔ (قرینہ یہ ہے کہ) اشیاء اپنی اضداد سے واضح ہوتی ہیں۔ اعلان مصدر اعلن کا، ظاہر کرنا۔ اعلان ہو تو وہ علن کی جمع ہے جس کا معنی علانیہ ہے۔ البشائر، بشیر کی جمع۔ بعض نے کہا ہے کہ بشارۃ کی جمع ہے بمعنی خوشخبری۔ ایسی خبر جو سرور اور خوشی کا سبب ہو اور پہلے نہ سنی ہو۔ یہ مذکر و مؤنث دونوں طرح مروی ہے۔ البارقۃ یہ مصدر ہے بمعنی برق (چمک) جیسے کہ الکاذبۃ۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں لیس لوقعتها کاذبۃ۔ (قیامت کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ہے) بعض نے کہا ہے کہ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ پھر اس کا معنی تلوار ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد چمک دار انذار ہے۔ لانذار ایسا اعلان جس میں تخویف اور نصیحت دونوں ہوں۔ شام بجلی کی چمک کی طرف دیکھنا۔

معنوی تشریح: کفار انوار کے دیکھنے سے اندھے ہوگئے۔ پس انہوں نے

انذرات کی طرف نہ دیکھا جو اپنی چمک دمک اور روشنی کے سبب نظر آسکتی تھی اور وہ اخبار اور اطلاعات سے بھی بہرے ہو گئے۔ پس انہوں نے نبوت کی بشارتیں نہ سنیں جو علی وجہ الاعلان واقع ہو رہی تھیں۔ شاعر نے کہا:

لقد اسمعت لو نادیت حیا

ولکن لاحیاہ لمن تنادی

ترجمہ: بے شک تو نے سنایا، کاش! تو کسی زندہ کو پکارتا (تو تیری آواز کا جواب دیتا) لیکن تو جس کو پکار رہا ہے اس میں زندگی (کی کوئی رمق بھی باقی) نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کفار نے نہ تو خوشخبری دینے والے کی بشارت سے نفع حاصل کیا اور نہ ہی ڈرانے والے سے متاثر ہوئے۔ نہ ہی آیات و معجزات کے ڈر سنانے اور نہ سنائی دینے والی اور حکمیات سے۔ نہ ہی آپ کی ولادت باسعادت کی رات پھیلنے والے انوار سے اور نہ ہی آپ کی رسالت کے ظہور سے متعلق جنوں کی اخبار سے نہ وہ متاثر ہوئے جب انہوں نے کسریٰ کا ٹوٹا ہوا محل دیکھا اور نہ ہی کاہنوں کے قول سے۔ جب ان کو خبر دی گئی کیونکہ وہ حق بات سننے اور قبول کرنے سے بہرے تھے اور حق دیکھنے اور پہنچنے سے اندھے۔

اس شعر میں لف ونشر متوش ہے۔ اظہر یہ ہے کہ اس کا عکس ہے۔ مابعد لفظی ولحاظ سے ماقبل سے متعلق ہے۔ پس یہ اس قسم سے ہے، جیسے قرآن پاک میں ہے: يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ......

(پارہ ۴، سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۶)

(۶۷)

مِنْ بَعْدِ مَا اَخْبَرَ الْاَقْوَامَ كَاهِنُهُمْ
بِاَنَّ دِيْنَهُمُ الْمُعْوَجَّ لَمْ يَقُمْ

ترجمہ: باوجود اس کے کہ ان قوموں کے کاہنوں نے ان کو آگاہ کردیا تھا کہ ان کا ٹیڑھا (غلط) دین قائم رہنے والا نہیں ہے۔ (پھر بھی وہ اندھے اور بہرے بنے رہے)

لفظی تشریح: من بعد یہ جار مجرور میں دو سابقہ عوامل متنازع ہیں۔ الکاھن وہ شخص جو جنوں کے گروہ سے سن کر بعض امور غیبیہ کی خبر دیتا ہے۔ جنوں کے گروہ آسمانی فرشتوں سے چوری کر کے بتاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں سے کوئی بھی ماسوائے اللہ تعالیٰ کے غیب نہیں جانتا۔ (پارہ ۲۰، سورۃ النمل، آیت ۶۵) الاعوجاج ٹیڑھا پن اور امور حسیہ میں صورت کے عدم استقامت کو کہتے ہیں اور غیر حسی امور میں معنوی استقامت معدوم ہونے کو اعوجاج سے تعبیر کرتے ہیں۔ قامت السوق (بازار کھڑا ہوا) یعنی جب بازار میں خرید و فروخت عروج پر ہو۔

معنوی تشریح: کفار بہرے ہی رہے جب کہ انہوں نے انذار کی بشارتوں کو اس کے بعد بھی نہ سنا جب کہ ان کے کاہنوں نے اپنی کفار قوم کو یہ بتا دیا تھا کہ ان کا وہ طریقہ جس کو انہوں نے بطور دین اپنایا ہے وہ اس درست راستے سے نکل گئے ہیں جن پر ان کو فطری طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ وہ طریقہ قائم نہیں رہے گا اور اس کو رواج حاصل نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہہ دیں کہ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ (پارہ ۱۵، سورۃ الاسراء، آیت ۸۱) اس شعر میں اشارہ ہے کہ نبوت و رسالت کی حقیقت و صداقت پر یہ (کاہنوں کی خبر) محقق و مبطل ہے۔

بار بار انکاری طور پر آنکھوں کا نور بجھ جانے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اسی وجہ سے ناظم بھی کہتا ہے:

(٦٨)

وَبَعْدَ مَا عَايَنُوْا فِي الْاُفُقِ مِنْ شُهُبٍ
مُنْقَضَّةٍ وَّفْقَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ صَنَمٍ

ترجمہ: اور اس کے باوجود کہ انہوں نے افق میں ستاروں کو دیکھا جو کہ زمین کے اندر بتوں کے گرنے کی طرح گر رہے تھے۔

لفظی تشریح: بعد جر اور نصب دونوں طرح مروی ہے۔ ما مصدریہ ہے یا موصولہ۔ الافق فاء پر سکون برائے تخفیف ہے ویسے ضمہ ہے۔ افاق کی واحد ہے۔ آسمان کی اطراف۔ الشھب، شھاب کی جمع ہے، روشن ستارے۔ اس کا اطلاق پھیلنے والی آگ کے شعلہ پر بھی ہوتا ہے۔ زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ یہ شہاب ستارے کی آگ سے منفعل ہوتا ہے بذاتِ خود یہ کواکب نہیں البتہ کوکب ان کو اپنے حال کے مطابق فلک میں کبھی کبھی ضم کر لیتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے آگ کی چنگاری لی جائے جب کہ وہ ثابت اور کامل ہو ناقص نہ ہو۔ انقضاض سقوط، گرنا۔ انقض السھم تیر گر گیا۔ منقضۃ میں (رفع، نصب اور جر) تینوں حرکات جائز ہیں۔ وفق، یہ منصوب بنزع الخافض یا بوجہ حال واقع ہونے کے ہے یعنی اس حال میں کہ شہاب اس بات کے موافق ہوں جو زمین میں ہے۔

معنوی تشریح: وہ کفار اندھے ہو گئے جب کہ انہوں نے انذار کی واضح بجلیوں کو اس کے بعد بھی نہ دیکھا جب کہ انہوں نے آسمان کے اطراف میں شہاب کے گرنے کا معائنہ کیا جو کہ زمین کے اندر گر کر خاک میں ملنے والے بتوں کی طرح گرے۔ حاصل گفتگو یہ ہے کہ ان کفار کو آفاقی نشانیوں، جنوں کی چوری کردہ اخبار کی سماعت اور

بتوں کا مغلوب ہو کر منہ کے بل گرنے جیسی مشاہداتی نشانیوں نے ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا۔ پس جیسے ان کو بیان سے کوئی فائدہ نہیں ایسے ہی عیاں یعنی مشاہدے سے بھی ان کو کوئی اصلاح نہ ہوئی۔

(۶۹)

حَتّٰی غَدَا عَنْ طَرِیْقِ الْوَحْیِ مُنْهَزِمٌ
مِّنَ الشَّیَاطِیْنِ یَقْفُوْا اِثْرَ مُنْهَزِمِ

ترجمہ: یہاں تک شیاطین وحی کے راستہ سے ایک دوسرے کے پیچھے پے درپے بھاگ گئے۔

لفظی تشریح: حتی عاطفہ ہے یا ابتدائیہ۔ یہ مقفضۃ کے متعلق ہے۔ غدا بمعنی صار بقولِ بعض بمعنی ذھب ہے۔ اس کا عطف منقضہ پر ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فالق الاصباح وجعل اللیل سکنا ۔ (صبح کو پھڑانے والا اور وہ جس نے رات کو پرسکون بنایا) منھزم غدا کا اسم۔ یقفوا اس کی خبر ہے۔ اثر ظرف ہے۔ من الشیاطین ۔ منھزم کی صفت ہے۔ عن طریق الوحی ۔ ایک نسخہ میں عن طریق الحق ہے۔ یہ یقفوا کے متعلق ہے کیونکہ یقفوا، ھرب کے معنی کو متضمن ہے۔ ایسے ہی کہا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ غدا کے متعلق ہے۔ اظہر یہ ہے کہ یہ منھزم کے متعلق ہے۔ طریق الوحی سے آسمان کے دروازے مراد ہیں۔

معنوی تشریح: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت ستارے ٹوٹ کر گرے یہاں تک کہ چوری کرنے والے شیاطین پیٹھ پھیرتے ہوئے آسمان کے دروازوں سے بھاگ کھڑے ہوئے جو کہ انبیاء ومرسلین کی وحی کا راستہ ہیں۔ ہر شیطان نے ایک دوسرے کے پیچھے پے درپے اتباع کی۔

حاصل کلام یہ کہ شہاب کے مسلسل کثرت کے ساتھ گرنے کا واقعہ نبی پاک صلی

اللہ علیہ وسلم کے ظہور قدسی اور ولادت کے وقت ظاہر ہوا اور کفار اس قسم کے واقعہ سے قبل معہود نہ تھے۔ اگر چہ ان کو فی الجملہ یہ علم تھا کہ یہ ستارے ان کے لئے رجوم بن کر ٹوٹتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کیا۔ اور ان کو شیاطین کے واسطے رجوم بنایا۔ (پارہ ۲۹، سورۂ ملک، آیت ۵) اور اللہ تعالیٰ نے ان (جنوں کی) حکایت کرتے ہوئے یہ جو فرمایا ہے: اور بے شک ہم نے آسمان کو چھوا تو ہم نے اس کو پایا کہ وہ اس کی حراست کی گئی ہے اور شہاب سے پر ہے۔ ہم پہلے تو سننے کے لئے آسمان میں اپنی جگہوں پر بیٹھا کرتے تھے پس اب جو بھی سنے گا وہ اپنی ناک میں شہاب پائے گا۔ (پارہ ۲۹، سورۂ الجن، آیت ۸۰۹) تو اس سے مراد بعثت کے بعد ہے۔ ایسے ہی شیخ جلال الدین محلی نے اس کی تحقیق کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مقام کو بلند کرے۔

(۷۰)

كَأَنَّهُمْ هَرَبًا اَبْطَالُ اَبْرَهَةٍ
اَوْعَسْكَرٌ بِالْحَصٰى مِنْ رَّاحَتَيْهِ رُمِىْ

ترجمہ: گویا کہ وہ (شیاطین) بھاگنے کے لحاظ سے ابرھہ کے بہادر سپاہی ہیں۔ یا اس کے لشکر کی مانند بھاگ رہے ہیں جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیوں سے کنکریاں پھینکی گئیں۔

لفظی تشریح: کانھم کی ضمیر کا مرجع شیاطین ہیں۔ ھربا تمیز ہے یا حال ہے بمعنی ہاربین۔ والابطال بطل کی جمع، بہادر، ابرھہ اصحاب فیل کے سالار کا نام ہے۔ عسکر ابطال پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ والراحۃ ہتھیلی کا اندرونی حصہ۔ رمی میں ضمیر سعر کی طرف راجع ہے۔

معنوی تشریح: شیاطین پر جب آسمانِ دنیا سے شہاب پھینکے جاتے اور نچلی زمین

کی طرف بھاگ رہے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا کہ گویا وہ ابرھہ کے بہادر ہیں۔ جب ابابیل نے ان پر بجیل پتھر کی کنکریاں پھینکیں۔ جب کہ وہ ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کرنے لگے تھے (تو وہ بھاگ گئے) یا پھر وہ بدر یا حنین کے مقام پر کفار کے لشکر کی مانند ہیں کہ جب ان پر کنکریاں حضور کی مبارک ہتھیلیوں سے پھینکی گئیں تو وہ شکست کھا گئے۔ رمی فعل کے مجہول ہونے میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (پارہ۹، سورۂ انفال، آیت ۱۸)۔ (جب آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں)

واقعہ اصحابِ فیل:

پہلا مصرع اصحابِ فیل کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپ بارہ ربیع الاوّل سوموار کی رات عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ اس واقعہ کے سبب یہ ہوا کہ یمن کے بادشاہ نے صنعاء میں ایک گرجا تعمیر کرایا تا کہ حاجیوں کو (بیت اللہ سے) پھیر کر اس کی طرف متوجہ کرے۔ تو بنو کنانہ میں سے ایک آدمی نے اس میں گندگی کا ڈھیر لگا دیا۔ بادشاہ نے قسم کھائی کہ وہ ضرور بر ضرور کعبہ کو گرائے گا۔ اس نے ایک عظیم لشکر اور لاتعداد فوج کے ساتھ مکہ شریف کی طرف پیش قدمی کی۔ جب مکہ میں داخل ہونے کی تیاری کی تو ان پر غشی طاری ہوگئی۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے اور بجیل پتھر کی کنکریاں پھینکی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہر کنکری چنے کے دانے سے کم اور مسور کے دانے سے بڑی ہوتی۔ کنکری کا پتھر لشکر کے خود پر گرتا اور دبر سے باہر نکل جاتا اور ان کو کھائے ہوئے چارے کی مانند بنا دیتا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اس طرف ہی اشارہ ہے: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ (پارہ ۳۰، سورۂ فیل، آیت ۱)۔

دوسرے مصرع میں اشارہ ہے......

امام بخاری کی روایت کے مطابق غزوہ بدر کی طرف ہے۔ (مجھے یہ روایت بخاری میں نہیں مل سکی ہاں مسند احمد میں موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو مسند احمد، جلد ۳، صفحہ ۱۴۹، رقم الحدیث ۳۵۸۵، سیالوی) اور امام مسلم کی روایت کے مطابق غزوہ حنین کی طرف ہے۔ (مسلم، رقم الحدیث: ۴۵۸۸) یہ واقعہ حضور کے معجزات میں سے ہے۔ آپ نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور فرمایا: شاھت الوجوہ (چہرے بدصورت ہو جائیں) اور کافروں کے چہروں کی طرف پھینکا۔ کوئی آنکھ بھی باقی نہ رہی مگر یہ کہ اس سے کچھ مٹی داخل ہوئی۔

(مسلم، رقم الحدیث: ۴۵۹۵)

عصام الدین نے کہا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ آپ نے کنکریوں کی مٹھی لی تھی اور اس شعر سے بھی کنکریوں کا مفہوم حاصل ہوتا ہے۔ میں (شارح) کہتا ہوں کہ ناظم نے جو ''راحۃ'' (ہتھیلی) کو تثنیہ استعمال کیا ہے وہ باعتبار دو غزوات میں دو واقعات کے ہے۔

(۷۱)

نَبْذًا بِهٖ بَعْدَ تَسْبِيْحٍ بِبَطْنِهِمَا
نَبْذَ الْمُسَبِّحِ مِنْ اَحْشَاءِ مُلْتَقِمِ

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کو اپنی ہتھیلیوں سے تسبیح کے بعد پھینکا جیسا کہ تسبیح کہنے والے (حضرت یونس علیہ السلام) کو مچھلی کے پیٹ سے باہر پھینکا گیا۔

لفظی تشریح: نبذا پھینکا۔ مصدر اپنے غیر لفظ سے ہے۔ اس کی تقدیر یوں ہے۔ نبذ نبذاً بہ ۔ باء زائدہ ہے تا کہ مصدر کا عمل قوی ہو۔ بہ کے اندر ضمیر حصی کی طرف راجع ہے اور اس کے مذکر لانے کی وجہ ہے کہ وہ ایک اسم جنس ہے اور بطنھما میں ضمیر راحتیہ کی طرف راجع ہے المسبح تسبیح کہنے والا۔ مراد حضرت یونس علیہ

السلام ہیں۔ ابذا المسبح مضاف کے مقدر ہونے سے نبذا کی صفت ہے اصل میں ہے نبذاً مثل المصبح، یا اس سے بدل ہے۔ دریں صورت وہ مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اس طرح عبارت یوں ہے: نبذ الله المسبح، الاحشاء جمع حشیٰ ۔ آنت (جو کچھ پیٹ کے اندر ہے) القلتقم، نگلنے والا (مچھلی)

معنوی تشریح: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں عظیم تسبیح کے ساتھ اپنی باکرامت ہتھیلیوں سے پھینکیں۔ تسبیح اس قدر بلند آواز سے تھی کہ بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سنی۔ آپ نے کنکریوں کو ایسے پھینکا جیسے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے نگلنے کے بعد اس کے پیٹ سے باہر نکالا گیا جب کہ انہوں نے یہ تسبیح کہی تھی: لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ (پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۸۷)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ...... الخ پس ان کو نگل لیا بڑی مچھلی نے اس حال میں کہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اس مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ ہم نے ان کو کھلے میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار تھے۔ (پارہ ۲۳، سورۃ الصافات، آیت ۱۴۵-۱۴۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر کے منہ پر کنکریاں پھینکی تھیں اور کفر بھاگ گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالا اور وہ متحیر ہو کر واپس آئے، تو اس سے پہلے واقعہ کو دوسرے کے ساتھ تشبیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ

اولاً: یہ دونوں واقعات خارق عادت ہیں۔ ثانیاً: جس حضرت یونس علیہ السلام کا (مچھلی کے پیٹ سے) نکلنا ان کی نجات اور قوم کی ہدایت کا سبب بنا۔ ایسے ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کنکریاں پھینکنا مسلمانوں کی خلاصی اور بعض کافروں کی ہدایت کا سبب بنا۔

حضرت جلال الدین محلی نے کہا کہ ناظم پھینکی گئی کنکریوں کی تسبیح کی دلیل پر تو واقف ہو گئے مگر اس آدمی پر آگاہ نہیں ہوئے جس نے اس بارے میں نفی کا اعتراض کیا ہے یا اس ثابت شدہ تسبیح کو کسی اور مقام کے لئے ثابت کرنے کا قصد کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی لی۔ ان کنکریوں نے آپ کی مٹھی مبارک میں تسبیح کہی۔ ہم نے تسبیح کو سنا۔ اس کو صاحب شفاء وغیرہ نے ذکر کیا۔ (شفاء شریف، جلد ا، صفحہ ۳۷۳، رقم الحدیث ۷۷۵) اسی پر ناظم کا قول بھی ہے۔

لیکن اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کنکریاں پھینکنے کی کوئی وجہ تعبیر اور حضرت یونس علیہ السلام کے باہر نکلنے کے ساتھ کوئی وجہ تشبیہ ظاہر نہیں ہوتی۔

(۷۲)

جَآءَ تْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً
تَمْشِىْ اِلَيْهِ عَلٰى سَاقٍ بِلَا قَدَمٖ

ترجمہ: درخت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر متواضع ہو کر قدموں کے بغیر اپنے تنوں پر چلتے ہوئے آئے۔

لفظی تشریح: السجدة بست ہونا۔ اور یہ سر کو زمین پر رکھنے سے مکمل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے: وضع افضل الاجزاء (رأس) علی ارذل الاشياء (الارض) سب سے بہتر چیز کو گھٹیا اور کمینی شے پر رکھنا یا پھر وہاں پر مراد خضوع اور فرماں برداری ہے۔

درخت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے سبب آئے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرمایا تو انہوں نے دعوت کو قبول کیا اور اس طرح آئے کہ وہ مطیع اور عاجزی کی حالت میں سر کے بل آئے اور اپنے تنوں پر خضوع کے

ساتھ بغیر قدموں کے گئے۔

اس شعر میں مختلف قسم کی خوارق عادت ہیں:

۱-نباتات کا خطاب کو سمجھنا حالانکہ وہ زندہ چیزوں میں سے نہیں ہیں۔

۲-ان کا آنا۔

۳-مختلف قسم کی متعدد حرکات وسکنات کرنا۔

۴-ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قصد کرنا۔

۵-حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تواضع کرنا۔

۶- پھر ان کا بغیر قدموں کے تنوں کے بل چلنا یا تو سر کے بل چلنا ہے یا پھر عاجزی اور خضوع کے ساتھ۔

عصام الدین محلی نے فرمایا کہ یہ واقعہ ایک ہی درخت سے حاصل ہوا۔ درختوں کے جمع کا صیغہ ذکر کرنا تکرار پر محمول ہے یعنی وجور واحد ہونے کے باوجود حرکت کا تکرار مراد ہے لیکن وہ اس چیز سے غافل ہیں۔ جو صاحب شفاء اور ان کے علاوہ دیگر اہل وفا نے شمائل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کسی معجزہ (نشانی) کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، اس درخت سے کہو کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں۔ (یہ حکم پہنچنے کی دیر تھی کہ) وہ درخت دائیں بائیں، آگے پیچھے جھکا (اس طرح اپنی جڑیں کاٹیں، پھر وہ جڑیں زمین میں سے کھینچتا ہوا آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آکر کھڑا ہو گیا۔ کہا: السلام علیك یارسول اللّٰہ! اعرابی نے کہا: آپ اس کو حکم دیں کہ یہ اپنی جگہ واپس چلا جائے تو وہ درخت اپنی جگہ جا کر سیدھا ہو گیا۔ (الشفاء، جلد۱، صفحہ ۳۶۴، رقم الحدیث ۳۷۷، مسند البزار، جلد۱۰، صفحہ ۳۲۴، رقم الحدیث ۴۴۵۰۔ مجمع الزوائد، جلد ۸، صفحہ ۴۰۶، رقم الحدیث ۱۴۱۷۰)

امام مسلم نے کتاب کے آخر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ ادھر ادھر دیکھا، کوئی چیز ایسی نظر نہ آئی جو ستر کا کام دے سکے۔ اچانک آپ نے وادی کے دونوں کناروں پر دو درخت دیکھے۔ آپ ایک کی طرف تشریف لے گئے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اذن سے میری اطاعت کرو۔ وہ اطاعت کرتا ہوا ساتھ چل پڑا یہاں تک کہ دوسرے درخت کے پاس تشریف لائے اور اسے بھی فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اذن سے میری اطاعت کرو۔ یہاں تک کہ پھر قضائے حاجت کے بعد دونوں جدا ہو گئے۔ ہر ایک اپنے اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا۔ (مسلم، رقم الحدیث ۷۴۳۷)

(۷۳)

كَأَنَّمَا سَطَرَتْ سَطْرًا لِّمَا كَتَبَتْ
فُرُوْعُهَا مِنْ بَدِيْعِ الْخَطِّ فِي اللَّقَمِ

ترجمہ: گویا وہ درخت ایک خط کھینچتے ہوئے آئے۔ اور ان کی شاخیں ان سطور کے درمیان خوبصورتی پیدا کر رہی تھیں۔

لفظی تشریح: كانما میں ھا کافۃ ہے۔ السطر لکھنا۔ لما میں لام بمعنی وقت ہے۔ الفروع ٹہنیاں۔ البدیع عجیب وغریب۔ بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے۔ اضافت از قسم صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ من ۔ ما موصولہ کا بیان ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے۔ اصل میں تھا: کتبتہ ۔ اللقم ، راستے کا درمیانہ حصہ۔ بعض نے کہا ہے: اس کا معنی لوح ہے۔ بعض نے کہا کہ روایت اور درایت کے اعتبار سے پہلا معنی ہی مناسب ہے۔ البا بمعنی فی ہے۔ لقم میں قلم کی تقلیب ہے۔ الٹائے ہوئے حروف ہیں۔ وہ لکھنے کا ایک آلہ ہے۔ اس میں کچھ غابت ہے جو

کہ محسنات بدیعیہ سے ہے۔

معنوی تشریح: (پچھلے شعر میں گزر چکا ہے کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درختوں کو بلایا تو وہ اپنی جڑیں گھسیٹتے ہوئے آئے۔ راستہ غبار آلود ہونے کے باعث درختوں کی ٹہنیوں سے راستہ میں گھسٹنے کے باعث لکیریں پڑ گئیں) ناظم نے زمین میں درختوں کی ٹہنیوں کے نشانات کو متدبر (سمجھدار) کے لئے ایسے خط سے تشبیہ دی جو کہ غور وفکر کرنے والے کے نزدیک معانی کا فائدہ دینے والے لفظ پر دلالت کرے۔

(۷۴)

مِثْلَ الْغَمَامَةِ اَنّٰی سَارَ سَائِرَةً

تَقِيْهِ حَرَّ وَطِيْسٍ لِّلْهَجِيْرِ حَمِيْ!

ترجمہ: ان درختوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا بادل کی ٹکڑی کی طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جہاں بھی تشریف لے جاتے وہ ساتھ چلتی رہتی۔ اور آپ کو دوپہر کی سخت گرمی سے بچاتی۔

لفظی تشریح: محذوف مصدر کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای مجیئا مثل الغمامة ۔ الغمامة غین پر فتحہ۔ عصام الدین نے وہم کیا ہے کہ یہ بروزن عمامتہ ہے مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ عمامتہ کی عین پر کسرہ ہے۔ جیسا کہ قاموس وغیرہ میں ہے۔ مثل کو اگر مرفوع پڑھیں تو یہ خبر مبداء محذوف ہوگی جو کہ ''ھی'' ہے جس کا مرجع الاشجار ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہے۔ درخت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے، خدمت کرنے میں بادل کے مانند ہیں یا ان کا آنا بادل کے سایہ کرنے کی طرح ہے۔ اس طرح مضاف محذوف ہوگا۔ انی کا معنی ہے: کس جگہ سے کہاں تک یا معنی کیف ہے۔ یعنی کیسے آئے پیدل یا سوار، تیز یا

آہستہ۔ سائرۃ مرفوع بلحاظ خبر مبتداء مقدر کی جو کہ ھی ہے۔ تقیہ۔حفاظت کرنا۔ یہ بھی مقدر مبتداء کی دوسری خبر ہے یا نیا جملہ ہے یا اپنے مابعد کا واقع حاصل ہونے کے باعث منصوب ہے، تو معنی ہوگا: (درختوں کی آمد) وہ بادل کے مشابہ ہے جب کہ وہ چلنے والی ہو کہ کیسے چلے۔ الوطیس تنور۔ مراد گرم ہوا کا تنور ہے۔ حمی فعل ماضی ہے۔اس کے آخر کا سکون بوجہ وقف عارضی ہے۔ یہ وطیس کی صفت ہے۔ کہا جاتا ہے: حمی الوطیس جب کہ جنگ سخت گرم ہو جائے یا کوئی مشکل معاملہ درپیش ہو تو یہ محاورہ استعمال کیا جاتا ہے۔ الھجیر دوپہر۔

باء بمعنی فی ہے ایسے ہی لام بھی فی کے معنوں میں ہے۔ جیسا کہ بعض نسخوں میں مذکور ہے۔

معنوی تشریح: درخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوئے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جیسا کہ بادل چلتے ہوئے اور دن کی سخت گرمی سے آپ کو بچاتے ہوئے آئے۔ اور اہل اخیار و اغیار جہاں کہیں نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے، درخت آپ کی خدمت سے مشرف ہوتے۔ بادلوں نے (آپ کی خدمت کرنے پر) فخر کیا اور سایہ کرنے کے لئے بلند ہو گئے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمام بلندیاں اور پستیاں آپ کے سامنے سرنگوں ہیں۔

محلی نے کہا ہے کہ ترمذی کی روایت کے مطابق بادلوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کرنے کا واقعہ شام کی طرف تاجروں کے قافلہ میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ سفر کے دوران پیش آیا تھا۔ (ترمذی، ۳۶۲۹، دلائل النبوۃ، جلد۲، صفحہ۲۴) عصام الدین نے کہا: ناظم یوں کہتا ہے:

مثل الغمامہ لما سار سائرۃ
وقتہ حر وطس للھجیر حمی

یعنی انی کی بجائے لما اور تنفیه کی بجائے وفته ہوتا تو زیادہ مناسب تھا کیونکہ انسی ان کے معنی کو متضمن ہے اور اس کا مدخول بہ مستقبل کے معنوں میں ہوتا ہے اور حال یہ ہے کہ مقام ماضی کا مقتضی ہے۔

اس اشکال کو دور کرنے میں جو بات دل کو کھٹکتی ہے اس کی غایت یہ ہے کہ اس سیر (سفر) سے ماقبل کی طرف نظر کرنے سے مستقبل سے یہ تعبیر کیا جائے کہ بادل کے موجود ہونے کا وہ زمانہ ابتداء ہے۔

(۷۵)

اَقْسَمْتُ بِالْقَمَرِ الْمُنْشَقِّ اِنَّ لَهٗ
مِنْ قَلْبِهٖ نِسْبَةً مَّبْرُوْرَةَ الْقَسَمِ

ترجمہ: میں دو ٹکڑے ہونے والے چاند کی سچی قسم اٹھاتا ہوں، آپ کو آپ کے قلب انور سے خصوصی نسبت ہے۔

لفظی تشریح: کہا گیا ہے کہ یہاں غیر اللہ کی قسم شاعروں کی عادت کے مطابق ہے ورنہ شرع نے تو اس کو شرک شمار کیا ہے۔ اسی وجہ سے اس طرح کی قسموں میں مضاف مقدر سمجھا جاتا ہے تقدیر یوں ہوئی: اقسمت برب القمر ۔ اس اعتبار سے کہ یہ کلام اللہ سے حکایت کے طور پر ذکر کیا گیا ہو (تو وہ بھی جائز نہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی بعض موجودات کی عظمت بیان کرنے کی خاطر مخلوقات میں جس کی چاہے، قسم اٹھانا روا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول: کلا والقمر...... الخ

(پارہ ۲۹، سورۂ مدثر، آیت ۳۳-۳۲)

عصام الدین نے اس کو غریب کہا ہے اور کہا ہے کہ جس قسم سے حکم کی تاکید مراد ہو وہ منع نہیں ہے۔ اسی وجہ سے محاورات میں چاند کی قسم وغیرہ اٹھائی جاتی ہے اور اس سے روکنا ممنوع ہے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے، آپ نے فرمایا: جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔ اس کو امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ (مسند احمد، ۵۳۷۵، جامع ترمذی، ۱۵۳۵، مستدرک حاکم، ۴۵) اور صحیحین (بخاری و مسلم) میں آیا ہے کہ غیر اللہ کی قسم نہ اٹھاؤ۔ جو کوئی قسم اٹھائے وہ اللہ کی قسم اٹھائے یا چپ کر جائے۔

(بخاری، رقم الحدیث: ۶۶۴۶، مسلم، رقم الحدیث: ۴۲۳۳)

طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بات دراصل یہ ہے کہ قسم محلوف بہ (جس کی قسم کھائی گئی ہے) کی تعظیم کے لئے کھائی جاتی ہے اور صیغہ تعظیم مخصوص ہے صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ (اس وجہ سے) اللہ تعالیٰ کے اسماء کے علاوہ قسم اٹھانا مکروہ ہے۔ اس میں نبی، کعبہ، ملائکہ، مارنا (موت) زندگی اور روح وغیرہ سب برابر ہیں۔ (طیبی شرح مشکوۃ، جلد ۴، صفحہ ۳۸۵ تحت الرقم ۳۴۰۷) **قمر** کا اطلاق ابتدائی تین راتیں گزرنے کے بعد کو روشن ہونے والے پر ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کو ہلال کہا جاتا ہے۔ **لہ** اور **قلبہ** دونوں کی ضمیریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راجع ہیں۔ **مبرورۃ القسم** ایسی نسبت کی صفت ہے جو قسم کو صحیح کرنے والی ہو۔ اس طرح کہ اگر قسم اٹھانے والا اس نسبت کے ثبوت کی قسم اٹھائے تو وہ سچا ہوا اور قسم سے پورا اتر جائے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ **یمین** (قسم) کی صفت ہے۔ اس پر **اقسمت** نے دلالت کی۔

معنوی تشریح: بے شک شق ہونے والے چاند کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور اور سینہ ازہر سے بالکل واضح مناسبت اور صحیح مشابہت ہے۔ اس طرح کہ اس نسبت کے متعلق قسم اٹھانے والا سچا ہے۔

یہ انشقاق بلا ضرورتِ التیام اور بغیر کسی اثر کے واقع ہوا۔ ان میں سے ایک آیات میں سے ایک آیت ہے اور دوسرا معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

انشقاق قلب کے بارے میں امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ایک دفعہ جبرائیل علیہ السلام آئے جب کہ حضور (ایام طفولیت میں) بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو پکڑ کر لیٹا لیا اور دل کے مقام پر سے سینے مبارک کو شق کیا۔ دل کو نکالا اور اس میں سے کوئی چیز نکالی۔ کہا: یہ آپ میں سے شیطان کا حصہ ہے۔ پھر اس کو سونے کے تھال میں دھویا اور نرم کیا۔ پھر اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اپنے سینے میں سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔ (مسلم، رقم الحدیث: ۴۱۱)

صحیحین میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جب مکہ تھا، تو میرے مکان کی چھت پھٹی۔ جبرائیل اترا۔ میرے سینے کو چیرا۔ پھر اس کو زمزم کے پانی سے دھویا۔ پھر وہ ایمان وحکمت سے بھرا ہوا سونے کا تھال لائے اور میرے سینے میں انڈیل دیا۔

پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان پر لے گئے...... الخ

(بخاری، رقم الحدیث: ۳۳۴۲، مسلم، رقم الحدیث: ۴۱۳)

انشقاق قمر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں بیان فرمایا ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ (پارہ ۲۸، سورۃ القمر، آیت ۲-۱)۔ (قیامت ہوگئی۔ اور چاند پھٹ گیا۔ اگر وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسلسل جادو ہے) اور صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں تو انہوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا مطالبہ کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے دو ٹکڑوں کے درمیان کئی اجزاء دیکھے۔ انتہی

(بخاری، ۳۸۶۸، مسلم ۷۰۱۰)

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ انشقاق قمر دو مرتبہ ہوا اور یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ شق صدر کا واقعہ بھی دو مرتبہ ہوا، تو قلب منیر اور قمر مستیز کے درمیان دو نسبتیں ہو گئیں۔

(۷۶)

وَمَا حَوَى الْغَارُ مِنْ خَيْرٍ وَّمِنْ كَرَمٍ
وَكُلُّ طَرْفٍ مِّنَ الْكُفَّارِ عَنْهُ عَمِيْ

ترجمہ: اور یاد کرو جب کہ غار (ثور نے خیر اور کرم کو اکٹھا کر دیا۔ اور کفار کی ہر آنکھ آپ کو دیکھنے سے اندھی تھی۔

لفظی تشریح: ثور مکہ میں ایک پہاڑ ہے۔ من، کفار کا بیان ہے۔ خیر اور کرم سے مراد افعال جمیلہ، اخلاق جلیلہ، وہبی اور کسبی عادات مبارکہ ہیں۔ یہ حذف مضاف کے طریقہ سے ہے۔ اصل میں تھا (من اھل خیر و من اھل کرم) اور اس طرح کا طلاق مبالغہ کے طور پر ہوتا ہے۔ جیسے رجل عدل (بہت عادل مرد)

معنوی تشریح: خیر اور کرم دونوں سے مراد نبی اور ولی (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) ہو سکتا ہے۔ یا یہ مراد لف ونشر مرتب کے طور پر ہے۔ پس خیر مطلق سے خیر البریہ حضور سرورِ کائنات، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اور کرم سے افضل الامت (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) مراد ہیں۔

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی کا ہم پر احسان نہیں مگر یہ کہ ہم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے سوائے ابو بکر کے۔ بے شک ابو بکر کا ہم پر احسان ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے روز عطا کرے گا، مجھے کسی کے مال نے نفع نہیں دیا۔ جتنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مال نے نفع دیا ہے۔

(جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب، ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، صفحہ ۸۳۵، رقم الحدیث ۳۶۷۰)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق کے نشانات کا کھوج لگانے کے لئے غار کے اردگرد چکر لگانے والے کفار کی نظر کو پھیر دیا گیا۔ عنہ کی ضمیر کو مفرد ذکر کیا کیونکہ اصل متبوع ہوتا ہے یا اس کی تقدیر یوں ہے: عن کل واحد منهما ۔ دونوں میں کسی کی طرف بھی ان کی آنکھ نہ اٹھ سکی، اندھی رہی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۔ آپ کا خیال ہے کہ وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ ان میں بصارت ہی نہیں۔

(پارہ۹، سورۃ الاعراف، آیت ۱۹۸)

کسی شاعر نے کہا:

ویؤذی ضوء شمس عین خفاش

وقال کما یضر ریاح الورد بالجعل

صحیحین میں ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ان کے قدموں کو اپنے سروں پر دیکھا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کوئی اپنے قدموں کی طرف دیکھے تو ہمیں دیکھ لے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو۔ (بخاری، رقم الحدیث: ۳۶۶۳، مسلم، رقم الحدیث: ۶۱۱۹) قرآن پاک میں ہے: اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج (پارہ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۴۰)

(۷۷)

فَالصِّدْقُ فِي الْغَارِ وَالصِّدِّيْقُ لَمْ يَرِمَا

وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا بِالْغَارِ مِنْ اَرِمِ

ترجمہ: سراپا صدق (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) اور صدیق

(ابو بکر) غار میں دکھائی نہیں دیتے حالانکہ وہ (کفار) آپ میں کہہ رہے تھے۔ غار میں کوئی بھی نہیں۔

لفظی تشریح: الصدق مصدر بمعنی صادق ومصدق ہے یا بالمعنی الاعم صاحب صدق مراد ہے یا مبالغہ کے طور پر ہے۔ مراد نبی اکرم کا غار ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر تشریف فرما ہونا جبکہ صدیق کا معنی ہوتا ہے: کثرت سے سچ بولنے والا اس طرح کہ صدق سے مفارق نہ ہو۔ پس صدق کے لئے ایسی جز ہے جو نا قابل انفکاک ہے...... بعض علماء نے لم یریا کہا ہے۔ یا مفتوح اور راء مکسورہ کے ساتھ۔ بمعنی لم یبرما ولم یزولا۔ اس صورت میں اس کا اصل یوں ہوگا۔ اس فعل کا عین کلمہ واؤ اور اس کے بدیاء واحد مذکر غائب صیغہ ہونے کی صورت میں التقا کے ساکنین کے سبب واؤ۔ یاء کی اتباع میں حذف ہوگئی۔ البتہ استعمال کی صورت میں اس کی ہیئت یوں ہی ہے یعنی یاء کو کسی عارضے کے سبب حرکت دینے کی صوررت میں یاء برقرار رہتی ہے اور یونہی میم کو بھی عارض طور پر حرکت دے دی جاتی ہے۔ یہ دونوں صورتیں تنزیل کی ہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ ضرورت شعر پر محمول کرنے کی بجائے عارضے پر اعتبار نہ کیا جائے کیونکہ یہ محل نظر ہے۔ اس لئے کہ ضروریات شعر میں اس قسم کا حذف غیر قیاسی ہے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کے لئے مرادی معنی اخذ کرنے میں تشویشناک التباس کا باعث بنتا ہے اور بالکل یہی صورت حال ہے اس قول میں جس میں کہا گیا کہ یہ لفظ روم سے مشتق ہے اور مجہول کا صیغہ ہے۔ روم کا معنی طلب کرنا ہے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں صرف مطلوب ہی نہیں بلکہ محبوب بھی ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ روم سے مشتق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے باوجود ادب کی وجہ سے طیش میں نہیں آئے۔ بعض نے کہا ہے کہ زہروں سے پیدا شدہ ورم سے آپ برافروختہ نہیں ہوئے، کیونکہ غار سانپوں کا ٹھکانہ تھی۔ اس صورت میں یہ خوارق

عادت میں سے ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ صیغہ مفرد کا موکد بانوں خفیفہ ہے تو وقف کی وہ سے نون کو الف سے بدل دیا ہے۔ ضمیر حضرت ابو بکر کی طرف راجع ہے اور (یہ بیان) کے بارے میں خبر ہے جب کہ آپ کے قدم مبارک کو سانپ نے ڈس لیا او رحضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے درد ختم ہوگیا۔

بعض نسخوں میں ''رُؤیۃ'' سے بصیغہ مجہول درج ہے۔اس کا معنی ظاہر ہے لیکن بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہ کتاب میں تصحیف ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب** ۔

وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ ۔ حال یہ ہے کہ غار کے دروازے پر کھڑے کفار، جو خدائے قہار کی مدد سے آنکھوں سے اندھے تھے، یہ کہتے ہیں کہ غار میں کوئی نہیں ہے۔

ارم وارم ۔ کوئی ایک۔ارم سے پہلے من برائے مبالغہ ہے۔

وہ کفار غار کے منہ پر مکڑی کے جال، کبوتری کے انڈے اور اس کے غار کے اردگرد اڑتے کو دیکھ رہے تھے۔

معنوی تشریح: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار ثور کے اندر پناہ گزین ہوئے۔ کفار بھی آپ کی تلاش میں سرگرداں تھے اور غار ثور کے دہانے تک پہنچ گئے۔ مگر وہاں انہوں نے کچھ ایسی علامات دیکھیں جن سے ان کو یہ وہم بھی نہ گزرا کہ غار کے اندر کوئی ہے اور ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ یہاں غار کے اندر کوئی بھی نہیں ہے حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تقریباً سامنے ہی تھے مگر وہ دکھائی نہ دیتے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ایک خبر پچھلے شعر میں گزر چکی ہے۔

وہ علامات یہ تھیں:

۱۔ کبوتری کا گھونسلا اور اس کا منڈلانا۔

۲۔ گھونسلے میں انڈا۔

بعض روایات میں ہے کہ قدرت خداوندی سے غار کے آگے ببول کا درخت کہیں دور سے آ گیا اور اس پر کبوتری نے گھونسلا بنایا اور انڈے دے کر سینے بیٹھ گئی۔

۳-مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا۔

مزید شرح اگلے شعر میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۷۸)

ظَنُّوا الْحَمَامَ وَظَنُّوا الْعَنْكَبُوْتَ عَلٰى
خَيْرِ الْبَرِيَّةِ لَمْ تَنْسُجْ وَلَمْ تَحُمِ

ترجمہ: انہوں (کفار) نے کبوتری اور مکڑی کو خیال کیا کہ مکڑی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جالا نہیں تنا اور کبوتری نہیں اڑی۔

لفظی تشریح: البریۃ۔ تشدید اور ہمزہ کے ساتھ۔ مخلوقات۔ خیر البریہ سے مراد سیّد الانبیاء والاولیاء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لم تحم (حام) کسی شے کے گرد چکر لگانا۔ دونوں فعلوں کو مؤنث لانے کا سبب یہ ہے کہ ناظم نے کبوتری اور مکڑی کی جنس مراد لی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ عنکبوت میں مشہور ہے کہ جالا بننا مؤنث کا شغل ہوتا ہے جیسا کہ انڈے دینا مؤنث کے ساتھ مخصوص ہے۔

معنوی تشریح: کفار نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم تعیین کے باعث گمان کیا کہ مکڑی نے جالا نہیں تنا اور کبوتری غار کے گرد نہیں اڑی، تو انہوں نے خیال کیا کہ گھر میں کوئی مکین نہیں ہے اور وہ نشانات کا کھوج لگانے سے باز آ گئے۔ کہنے لگے: اگر کوئی غار میں ہوتا تو یہ نشانات ختم ہو چکے ہوتے۔ جب کسی نے کہا کہ تم اس غار میں داخل ہوتے ہو کیا تم اس پر مکڑی کا جالا نہیں دیکھتا تو امیہ بن خلف بولا: یہ علامات تو میں نے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت سے قبل دیکھی تھیں۔

(خصائص الکبری، جلد۱، صفحہ۳۰۶)

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت پر واضح ترین دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بڑے دشمن سے ایک کمزور ترین شے (جالا) کے ذریعے بچالیا۔ نیز یہ اللہ تعالیٰ کے بلند مرتبہ نبی اور واضح دوست کے مراتب کی بلندی پر اظہر علامات میں سے ہے کہ پرندے اور کیڑے مکوڑے آپ کی خدمت کرتے ہیں جیسا کہ آپ کے لئے ظاہر ہوا۔ ناظم نے بہت بہتر انداز میں مختلف قسم کے معجزات اور خوارق عادات ذکر کی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ حرم کے کبوتر اس وقت اسی کبوتری کی نسل سے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جالا بننے کی وجہ سے عنکبوت (مکڑی) کو قتل کرنے سے روک دیا ہے۔

(۷۹)

وِقَـايَةُ اللّٰــهِ اَغْـنَـتْ عَنْ مُّضَـاعَفَةٍ
مِّـنَ الـدُّرُوْعِ وَعَـنْ عَـالٍ مِّـنَ الْاُطُمِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حفاظت نے آپ کو متعدد زرعوں اور اونچے قلعوں سے مستغنی کر دیا۔

لفظی تشریح: الاطم ۔ اطمة کی جمع ہے۔ قلعہ۔

معنوی تشریح: اللہ تعالیٰ ملک جبار کی حفاظت نے اپنے نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرعوں اور متعدد اسلحہ اور بلند وبالا قلعوں سے مستغنی کر دیا۔ اس کی توجہ کافی ہے اور اس کی حفاظت مکمل حفاظت ہے کیونکہ اپنی مرضی کے مطابق جس کو چاہے اس کو اپنی مخلوقات میں سے جس سے چاہے اس سے حفاظت کرتا ہے، جو بھی اس کی پناہ اور حفاظت کا ارادہ کرے اس کو اپنی عجیب وغریب مصنوعات سے بچاتا ہے جیسے کہ اس نے غار کو مضبوط قلعہ اور مکڑی کے جالے کو قوت میں مضبوط ذرع بنا دیا۔

حفاظت نبوی: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حفاظت فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت اتری: وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ۔ (پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۶۷)۔ (اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا)۔ تو آپ نے قبہ مبارک سے سر نکالا اور فرمایا: لوگو! واپس چلے جاؤ۔ میرے رب نے مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عصمت (پہلے بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھی مگر) پہلے بواسطہ حجاب تھی۔ جب حجاب اٹھ گیا تو رب الارباب نے (بغیر حجاب) کے حفاظت کی۔

شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ ۔ اگر تم نے اس کی مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کی ہے۔ اور ناظم اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے: وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۔ (نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے جو کہ غالب حکمت والا ہے)۔

(پارہ ۴، سورۃ آل عمران، آیت ۱۲۶)

(۸۰)

مَاسَامَنِی الدَّھْرُ ضَیْمًا وَاسْتَجَرْتُ بِہٖ
اِلَّا وَنِلْتُ جِوَارًا مِّنْہُ لَمْ یُضَمِ

ترجمہ: زمانہ نے مجھے ظلم کی سختی نہیں چکھائی۔ حال یہ ہے کہ جب بھی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ مانگی، مجھے پناہ مل گئی اور زمانہ مجھ پر کوئی ظلم نہ کر سکا۔

لفظی تشریح: السوم، شدت اور محبت کا ذائقہ چکھانا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۔ (وہ تم کو برے عذاب کا ذائقہ چکھائیں گے) ایک نسخہ میں سامنے کے بجائے ضامنی ہے جو ضیم بمعنی ظلم ہے۔ اور دہر کی طرف نسبت مجازی عرفی ہے۔ جو کہ مطلق زمانہ مراد ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں پر

مضاف مقدر مانا جائے یعنی خلق الدھر کہا جائے۔ ضیما نسخہ سین (سامنی) کے مطابق مفعول ثانی ہے اور نسخہ ضاد (ضامنی) کے مطابق مفعول مطلق ہے۔ ایک نسخہ ضیما کی بجائے یوما ہے جو کہ منصوب علی الظرفیت ہے۔ استجرت کا سامنی پر عطف ہے۔ الاستجار پناہ طلب کرنا۔

بعض نے اس کا معنی پناہ حاصل کرنا، التجاء کرنا اور نجات چاہنا کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ استجرت حاصل ہے (چونکہ حال جب فعل ماضی واقع ہو رہا ہو تو اس کے لئے قد کا آنا شرط ہے) قد مقدر ہے اور یہی اظہر ہے۔ استثناء مفرع ہے۔ بہ کی ضمیر کا مرجع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ نلت۔ نال سے مشتق ہے۔ مراد تک پہنچ جانا۔ اپنی آرزو اور مقصود کو حاصل کرنا۔ منہ میں ضمیر ضیم کی طرف جاجع ہے۔ الجوار بکسر جیم ۔ مجاورت کرنا، حفاظت کرنا، اگر جوار کا معنی خلاص ہو تو۔ اور اگر جوار کا معنی طلب ہو تو خیر البریۃ کے لئے ہے۔ لم یضم مجہول استعمال کیا گیا ہے پھر یہ شعر اور اس کا مابعد بعض نسخوں میں قصیدہ کے آخر میں اس قول خدمت بمدیع...... الخ سے پہلے واقع ہوئے۔

معنوی تشریح: اللہ تعالیٰ نے امور تکوینیہ میں سے کوئی تکلیف مجھے کسی زمانہ، کسی وقت اور کسی گھڑی بھی نہیں پہنچائی اور حال یہ ہے کہ جب بھی میں نے اس کی طرف التجاء کی اور خلاصی کو اس کے حوالے کیا تو میں نے اس سے خلاصی کو حاصل کیا اور پناہ کو پایا۔ زمانہ (مجھ پر) نہ غالب ہو سکا اور نہ ہی ظلم کر سکا۔ نہ مجھے حقیر جانا بلکہ احترام کیا۔

(۸۱)

وَلَا الْتَمَسْتُ غِنَى الدَّارَيْنِ مِنْ يَدِهٖ
اِلَّا اسْتَلَمْتُ النَّدٰى مِنْ خَيْرِ مُسْتَلَمِ

ترجمہ: میں نے جب بھی دونوں جہاں کی دولت آپ سے مانگی تو میں

نے بہترین عطا کرنے والے سے سخاوت اور بخشش حاصل کی۔

مشکل کشائی:

المستلم، بفتح اللام۔ یہ اسم مکان ہے یا اسم مفعول۔

معنوی تشریح: میں نے غنائے دنیا بالکفایت اور غنائے عقبی بالسلامۃ، آپ کے احسان و امتنان سے نہیں مانگا مگر یہ کہ میں نے عطاء کو حاصل کیا اور بہترین مطلوب اور مستلم سے اپنی آرزوؤں کو پالیا۔ دونوں شعروں کا حاصل یہ ہے کہ ان دفع الضرر الصوری والمعنوی، وجلب النفع الدینی والدنیوی، حاصل بالتمسک الی جنابه، واصل بالوقوف علی عتبة بابه صوری اور معنوی تکلیف کا دور کرنا، دینی اور دنیاوی نفع کا اکتساب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کے تمسک سے حاصل ہے اور آپ کے آستانہ عالیہ پر کھڑا ہونے سے ملتا ہے۔

(۸۲)

لَا تُنْكِرِ الْوَحْیَ مِنْ رُّؤْيَاهُ اِنَّ لَهٗ
قَلْبًا اِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ لَمْ يَنَمِ

ترجمہ: خواب میں آپ پر وحی اترنے کا انکار نہ کر کیونکہ بے شک آپ کا ایک ایسا دل ہے کہ جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو وہ نہیں سوتا۔

لفظی تشریح: لم ینم۔ بفتح النون۔ ایک نسخہ میں اذا کی بجائے متی ہے۔

معنوی تشریح: اے منکر! تو اس بات سے انکار نہ کر۔ اور نہ ہی وحی ربانی اور الہام صمدانی جو کہ آپ کو نیند کے دوران خوابوں میں حاصل ہوتا ہے، کو بعید سمجھ۔ کیونکہ دل مقدس عظیم اور سینہ بے کینہ وسیع ہے۔ اور جب آپ کی آنکھیں سو جاتی ہیں تو خوابوں میں آپ کا دل مبارک نہیں سوتا۔ صحیحین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ (بخاری، ۱۱۴۷، مسلم، ۱۷۲۰)

(۸۳)

فَذَاكَ حِيْنَ بُلُوْغٍ مِّنْ نُبُوَّتِهٖ
فَلَيْسَ يُنْكَرُ فِيْهِ حَالُ مُحْتَلِمِ

ترجمہ یہ حال تو حد نبوت پر پہنچنے کا ہے لیکن بالغ ہونے کی حالت میں تو وحی کے بارے میں انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

لفظی تشریح: فیہ کی ھا کو شعر میں اشباع کے ساتھ پڑھیں گے اور یہ ضمیر حین البلوغ کی طرف ہے۔ المحتلم بفتح اللام مصدر میمی ہے۔ بمعنی احتلام۔ (بالغ ہونا) ایسے ہی کہا گیا۔ اظہر یہ ہے کہ یہ مکسور اللام ہے بمعنی بالغ۔

معنوی تشریح: وہ عظیم الشان اور مکرم وحی امر نبوت کے آغاز اور رسالت کی ابتداء کے وقت تھی۔ آپ کو نبوت چالیسویں سال کے بعد عطا کی گئی اور یہ ابتدائے نبوت کی حد ہے، لیکن اس زمانہ میں ان اوقات کے پہنچنے سے قبل جب کہ آپ رجولیت کی حد تک پہنچ گئے اور اوصاف کمال سے موصوف ہو گئے۔ خواب میں وحی کے دعویٰ کا انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ مقدمات وحی نبی میں سے ہے۔

شرح السنۃ میں ہے کہ آپ کے تمام ایام وحی کی مدت ۲۳ سال ہے جس میں سے چھ ماہ خواب (کے ذریعہ وحی) کے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی تشریح کی گئی ہے۔ مومن کا خواب اجزائے نبوت میں سے چھیالیسواں جزو ہے۔ (بخاری، ۶۹۸۳، مسلم ۵۸۶۹، عن انس، بخاری، ۹۶۸۸، مسلم ۵۸۷۱، عن ابی ہریرہ، شرح السنۃ، جلد ۱۲، صفحہ ۲۰۴، تحت الرقم ۳۲۷۳)

(۸۴)

تَبَارَكَ اللّٰهُ مَا وَحْیٌ بِمُكْتَسَبٍ
وَّلَا نَبِیٌّ عَلٰی غَيْبٍ بِمُتَّهَمِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ذات برکت والی ہے۔ وحی کسبی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نبی غیب سے متہم ہے۔

لفظی تشریح: مکتسب اور متہم دونوں مجہول کے صیغے ہیں۔

معنوی تشریح: اس کی خیر کثیر ہو۔ نفع دائمی ہو۔ اس کی کبریائی عظیم اور عالی ہو۔ یہ بطور تعجب انشاء ہے۔ یعنی سبحان اللہ اس کی وحی اکتساب اعمال سے حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ گمان کر کہ اخلاق اس کا سبب ہیں بلکہ یہ تو محض اس کی عطا اور مجرد عطیہ ہے۔ یہ اس کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ رسالت کے مستحق کو سب سے بہتر جانتا ہے۔ امور کائنات کی خبریں اور مغیبات کی اطلاع ہر اس نبی نے دی ہے جس کی نبوت ثابت اور معجزات متحقق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ** (پارہ ۲۹، سورۃ التکویر، آیت ۲۴) ظاء مثلثہ کی قرأت کے مطابق اس کے معنی مہتم ہیں۔

(۸۵)

كَمْ اَبْرَأَتْ وَصِبًا بِاللَّمْسِ رَاحَتُهٗ
وَاَطْلَقَتْ اَرِبًا مِّنْ رِّبْقَةِ اللَّمَمِ

ترجمہ: کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کو حضور کی ہتھیلی نے بیماری سے بری کیا، شفا دی اور حاجت مندوں کو گناہوں اور جنوں کے فتنوں کی بندھن سے خلاصی دی۔

لفظی تشریح: کم خبریہ ہے۔ الوصب ورد اور تعب۔ ایک نسخہ میں بکسر صاد یعنی وصـــب ہے بمعنی مرض۔ یہی زیادہ واضح ہے۔ راحۃ ہتھیلی یا اس کا اندرونی حصہ۔ اطـلاق قید سے نکلنا۔ ارب حاجت ایک نسخہ میں بکسر را (ارب) ہے بمعنی صاحب حاجت۔ معنی کے لحاظ سے یہی اظہر ہے۔ الـربقۃ ایسا رسہ جس کی گانٹھ ہو

اوراس سے چوپائیوں کو باندھا جاتا ہے۔ اللمم چھوٹے گناہ۔جنوں کا کچھ حصہ،
کیونکہ جنوں فتنہ انگیز ہوتا ہے۔

مقام دستِ مصطفیٰ:

بہت سے مصیبت زدہ اور بیمار لوگوں کو دکھ اور بیماری سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیع الشان اور عظیم المرتبت ہتھیلی مبارک کی برکت سے وات نصیب ہوئی۔ کتنے ایسے حاجت مند لوگ ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی نے گناہوں کے ڈھنگے سے خلاصی دی یا تو نبوت کے ساتھ اور یا شفاعت کے سبب جو کہ بلندی درجات کا باعث ہے۔ کتنے ایسے ظاہری و باطنی جنوں میں مبتلا لوگ ہیں جن کو اپنے جنوں اور فتنہ انگیزی کی تاریکی کی گانٹھ سے رہائی دلائی اور ان کو محراب کی طرف کرنے والے مجذوب بنا دیا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ ایک لڑکا آپ کے سامنے لایا گیا جس کو جنوں تھا۔آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اس کے سینہ پر پھیرا۔
اس کے پیٹ سے کالے کتے کے بچے کی مانند کوئی شے نکلی۔

(مسند احمد،۲۲۸۸،طبرانی کبیر،۱۲۲۹۰)

اور حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رسولی نکلی آئی، سین کے زیر کے ساتھ یعنی گوشت ابھر آیا جو کہ آپ کو تلوار پکڑنے میں رکاوٹ ڈالتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ہاتھ مبارک سے کاٹ دیا اور اس کا کوئی اثر بھی باقی نہ رہا۔
اس کو صاحب شفاء اور دیگر اصحاب نے کثیر واقعات کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(شفاء جلد اصفحہ ۳۹۷ رقم الحدیث:۸۵۸)

(۸۶)

وَاَحْيَتِ السَّنَةَ الشَّهْبَآءَ دَعْوَتُهُ
حَتّٰى حَكَتْ غُرَّةً فِى الْاَعْصُرِ الدُّهُمِ

ترجمہ: آپ کی دعا نے قحط سالی کو زندہ کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ تاریک زمانوں میں، پیشانی کی (چمک کی) حکایت کرنے لگا۔

لفظی تشریح: قاموس میں ہے کہ الشهب کا معنی ہے: وہ سفیدی جو کنپٹی کے ساتھ ہو۔ سنه شبهاء وہ سال جس میں کوئی سبزہ اور بارش نہ ہو۔ الغرة پیشانی کی سفیدی۔ الاعصر جمع عصر کی، زمانہ۔ الدهم جمع ادھم کی، سیاہ۔ دعا کی طرف احیاء کی نسبت مجازی و سببی ہے۔

دعائے مصطفیٰ:

آپ کی دعا نے اس سال کو پانی سے سیراب کر کے زندہ کر دیا جس میں زمین بارش کی کمی کے باعث خشک تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے پانی سے ہر شے کو زندہ کیا۔ (پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۳۰) یعنی ایسی قحط سالی تھی کہ نباتات کے باعث جو سیاہی (تر وتازگی) زمین پر ہوتی، نباتات نہ ہونے کے باعث زمین کی سفیدی، اس سیاہی پر غالب آنے کے سبب وہ سال شہباء کہلایا اور یہ سفیدی کے طور سے ہے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ رزق کم ہوتا ہے لیکن بالکل ختم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ سال واضح طور پر اپنی پیشانی پر سفیدی کو سیاہی مائل کر دے اور روشنی کو ظاہر کر دے۔

الغرة یہ لفظ غرة الفرس (گھوڑے کی پیشانی میں سفیدی) سے مستعار ہے۔ سیاہ زمانوں سے مقصد زراعت کی بہت زیادہ سبزی ہے یہاں تک کہ کثرت زراعت کے باعث زمین پر سیاہی معلوم ہوتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ وہ سال باقی سالوں

سے سرسبز و شاداب تھا گویا کہ وہ باقی سالوں میں ماتھے کی سفیدی (غرہ) ہے اور ہر شے کی غرہ اچھی ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ سیاہ زمانوں سے مراد قحط اور مہنگائی کے زمانے ہی

(۸۷)

بِعَارِضٍ جَادَ اَوْ خِلْتَ الْبِطَاحَ بِهَا
سَيْبًا مِّنَ الْيَمِّ اَوْسَيْلًا مِّنَ الْعَرِمِ

ترجمہ: (آپ کی دعا نے خشک سال کو زندہ کیا اس) بادل کے ساتھ جو خوب برسا۔ یا اے مخاطب! تو نے اس خشک سال میں وادیوں کو خیال کیا کہ ان میں دریا کا پانی یا شدید سیلاب ہے۔

لفظی تشریح: العارض بادل۔ باء کا تعلق احیت یا دعوته یا حکت یا جاد سے ہے۔ یہ مشتق جود سے ہے۔

خلت بکسر الخاء۔ خیال سے مشتق ہے۔ ظن کرنا یا گمان کرنا۔ البطاح بطحا کی جمع ایسی وسیع وادی جو کنکریوں پر مشتمل ہو۔ بھا کی ضمیر السنة الشهباء کی طرف راجع ہے۔ سیبا عطایا جاری پانی۔ یہ کلمہ خلت کا مفعول ثانی ہونے کے باعث منصوب ہے اور یہ مرفوع بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس طرح کہ یہ مبتداء مؤخر ہو اور بھا اس کی خبر مقدم ہو اور جملہ اس کا مفعول ثانی بن کر محل نصیب میں ہو۔

معنوی تشریح: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی مردہ زمین کو بسبب بادلوں کی آمد کے زندہ کر دیا۔ اس بادل نے بہت زیادہ بارش برسائی یا اس قدر بارش برسائی کہ اے مخاطب! تو نے اس سال وسیع وادیوں کو پانی کی عطایا (بہت بڑا طوفان) پانی کی کثرت کے باعث گمان کیا کہ یہ پانی سمندر سے ہے یا وادی میں چلنے والا سیل عرم ہے۔

اس شعر میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں اللہ تعالیٰ کے آسمان وزمین کے ملکوت کی تاثیر موجود ہے۔ شیخین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جمعہ کے روز ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مال ہلاک ہو گئے اور راستے منقطع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ ہماری مدد کرے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور تین دفعہ کہا: اے اللہ! ہماری مدد کر۔ حال یہ تھا کہ ہم آسمان پر نہ کوئی بادل اور نہ ہی بادل کا ٹکڑا دیکھ رہے تھے، تو اچانک ایک کالی گھنگھور گھٹا اٹھی اور خوب بارش برسائی۔ خدا کی قسم! ہم نے ایک ہفتہ تک سورج نہ دیکھا۔ اگلے جمعہ ایک آدمی داخل ہوا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اموال ہلاک ہو گئے، اور راستے منقطع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اس کو روک لے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا: اے اللہ! اب ہم پر نہیں بلکہ ہمارے اردگرد میں (بارش برسا) پس وہ بادل اکھڑ گیا اور ہم باہر نکل کر چلنے پھرنے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہا یہ وہی پہلا آدمی تھا، تو آپ نے کہا: میں نہیں جانتا۔ (بخاری، ۱۰۱۴، مسلم، ۲۰۷۵)

سبت سے مراد کچھ عرصہ (مدت) مراد ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے ہم پر اگلے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ (بخاری، 1015) القرعة بادل کا ٹکڑا ایسے ہی محلی نے ذکر کیا ہے۔ آخری امام بخاری کی روایت کے مطابق زیادہ مناسب یہ ہے کہ سبت کی تفسیر ہفتہ (سات دن) سے کی جائے یعنی ہفتہ سے ہفتہ تک۔ جیسا کہ صاحب نہایۃ نے کہا ہے۔ اس نے مزید کہا: کہا گیا ہے کہ سبت سے مراد زمانے کی کچھ مدت ہے۔ خواہ زیادہ ہو یا کم۔ (النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، سبت جلد ۲ صفحہ ۳۳۱، المکتبۃ العلمیۃ بیروت)

(۸۸)

دَعْنِیْ وَوَصْفِیَ اٰیَاتٍ لَّهٗ ظَهَرَتْ
ظُهُوْرَ نَارِ الْقِرٰی لَیْلًا عَلٰی عَلَمٖ

ترجمہ: اے مخاطب: مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نشانیاں بیان کرنے دے جو اس قدر واضح اور ظاہر ہیں جس طرح کہ رات کے وقت پہاڑ پر ضیافت کی آگ ظاہر ہوتی ہے۔

لفظی تشریح: القریٰ بکسر قاف۔ضیافت مہمانی۔العلم پہاڑ۔

واؤ معیت کی ہے کیونکہ ضمیر منصوب پر عطف کرنے سے مقصود و مطلوب میں خلل آتا ہے۔

معنوی تشریح اور علوم مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم:

اے ناصح! مجھے کلام میں اختصار کرنے کی نصیحت چھوڑ دے کہ یہ بات انسان کو ملال اور اکتاہٹ کی طرف لے جاتی ہے کیونکہ حبیب اپنے ذکر سے سیر نہیں ہوتا۔ مجھے بشمول میرے وصف کے چھوڑ دو جو کہ میں نے آیاتِ بینات اور واضح علامات اور ظاہر ہونے والے معجزات سے توصیف کی۔ یہ معجزات اور دیگر مذکورہ باتیں دنیا میں جہالت کی تاریکی محاسن اخلاق کے باعث اس طرح ظاہر ہیں جس طرح کے رات کے وقت علامت کے طور پر پہاڑوں کی چوٹیوں پر آگ نمودار ہوتی ہے، کیونکہ رات محتاج لوگوں کی حاضری اور مجاہدین اور مسافرین میں سے مشتاق لوگوں کی رسائی میں ہلاکت کا باعث ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آیات قرآنیہ اور دلالات فرقانیہ اس وقت ظاہر ہوئیں جب ان کی شدید ضرورت تھی اور حضور اس قدر بلند مرتبہ ہو گئے کہ اس سے مزید بلندی کا امکان نہیں ہے۔

(۸۹)

فَالدُّرُّ يَزْدَادُ حُسْنًا وَّهُوَ مُنْتَظِمٌ
وَّلَيْسَ يَنْقُصُ قَدْرًا غَيْرَ مُنْتَظِمِ

ترجمہ: موتی حسن میں بڑھ جاتا ہے جب کہ وہ پرویا ہوا ہو(یعنی ہار میں ہو)اور اس کی قدر ہار میں نہ ہونے کے باوجود کم نہیں ہوتی۔

لفظی تشریح: **حسنا وقدرا** دونوں تمیزیں ہیں۔ **ینقص** معلوم ومجہول دونوں طرح مروی ہے اور غیر منتظم یہ حال ہے۔ فاء علت بیان کرنے کے لئے ہے۔

معنوی تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمال اور اسباب کمال نہایت مشہور ہیں جیسا کہ اخبار وآثار میں وارد ہے۔ میں نے ان سے صرف بعض کو نظم کی لڑی میں پرو دیا ہے کیونکہ اس طرح وہ زیادہ مضبوط اور محفوظ ہوں گے اور فہم کے زیادہ قریب ہوں گے جس طرح کہ موتی لڑی میں پروئی ہوئی حالت میں ازروئے حسن زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے، لیکن اربابِ علم کے نزدیک بکھری ہوئی حالت میں بھی اس کا مرتبہ کچھ کم نہیں ہوتا۔

(۹۰)

فَمَا تَطَاوُلُ اٰمَالِ الْمَدِيْحِ اِلٰى
مَا فِيْهِ مِنْ كَرَمِ الْاَخْلَاقِ وَالشِّيَمِ

ترجمہ: کیوں نہ بڑھیں مدیح کی آرزوئیں اس ذات کی طرف جو اخلاق کریمہ اور خصائل محمودہ کا پیکر ہے۔

لفظی تشریح: **تطاول** کسی شے پر مزید آگاہی حاصل کرنے کے لئے اپنی گردن آگے بڑھانا۔ **الامال جمع اهل** ہے۔ امید۔ یہ مدیح کی طرف مضاف ہے۔ بعض نے کہا: **مدیح** بمعنی **ممدوح** ہے۔ اس پر الف لام عہدی یا استغراقی ہے۔

اور یہی بات اولیٰ ہے۔

ایک نسخہ میں اعالی المدیح ہے یعنی اعالی بیائے متکلم اور مدیح منصوب بنزع الخافض ہے۔ اخلاق کریمہ عادات کسبیہ یا طبیعتہ۔ الشیم جمع شیمۃ کی خصائل محمودہ وپسندیدہ جو کہ وہبی احوال میں سے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ پہلا ما استفہامیہ ہے بمعنی نفی کسی چیز کا مقدر ماننا ضروری ہے۔ پس اگر قصیدہ کے ساتھ آپ کی صفات حسنہ کی طرف بڑھ گئی ہیں لیکن میں ان سب کو بیان کرنے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ میری عمر ہزار سال تک ہی طویل ہو جائے۔

بعض نے ما کہ ما نافیہ ہے اور فاء برائے تعلیل ہے۔ اور بعض نے کہا کہ ما موصولہ ہے اور فاء ومنی پر عطف کے لئے ہے۔

معنوی تشریح: حاصل معنی یہ ہے کہ میں تو صرف اس لئے ہر قسم کے اشغال اور حالات زندگی کے بیان سے منتقل ہو کر آپ کی نشانیوں اور معجزات کی طرف آیا کہ آرزوئیں شاندار وضع وعادات اور عمدہ اخلاق کی گہرائی تک نہیں جاسکتیں۔ میں نے چاہا کہ آیات بینات کے بیان سے مشرف ہو جاؤں اور ان کے لطائف کے سمندروں سے فیوضات کا چھڑکاؤ کروں جو چیز مکمل نہ حاصل کی جاسکے وہ مکمل طور پر چھوڑی بھی نہیں جاتی۔ ساری شے کو ترک کرنے کی بہ نسبت بعض بھلائی کو حاصل کرنا بہتر ہوتا ہے۔

(۹۱)

آیَاتُ حَقٍّ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثَةٌ

قَدِیْمَةٌ صِفَةُ الْمَوْصُوْفِ بِالْقِدَمِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ آیات حادث ہیں لیکن یہ موصوف کی صفت کے اعتبار سے قدیم ہیں۔

لفظی تشریح: ایات حق بطور مبتداء مرفوع ہے۔ من الرحمن صفت ہے۔ اس کی خبر محدثة قديمة ہے یا اس طرح کہ محدثة قديمة خبر مبتداء محذوف کی ہے جو کہ ھی ہے یعنی وہ آیات جو موصوف ہیں۔ اور باقی تمام آیات اخبار مترادفہ یا صفات متلاصقہ ہے یا یہ (آیات حق منصوب ہے۔ اس صورت میں یہ یا تو منصوب علی المدح ہے اور یا یہ عطف بیان ہے آیات کا جو کہ اس قول وعنی وصفی آیات میں مذکور ہے اور محدثة و قديمة کا بھی یہی حال ہے اور صفۃ الموصوف کا بھی۔

ایک نسخہ میں محدثة کی بجائے محكمة ہے پھر مصنف نے صفت شبہ کا اس کے بعد ذکر کیا یعنی آیات ثانیہ یا آیات صادقہ۔ اور صفۃ الموصوف مبتداء ہے اور قديمة خبر ہے۔ اسی طرح علماء نے فرمایا:

اظہر یہ ہے کہ صفۃ الموصوف خبر مبتداء محذوف کی ہے جو کہ ھی ہے (مرجع اس ضمیر کا) یہ آیات ہیں۔

معنوی تشریح: آیات قرآنیہ اور کلمات فرقانیہ ثابت شدہ آیات اور سچے معجزات ہیں جو افراد انسانی کے تقاضے کے مطابق رحمٰن کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○ (پارہ ۲۷، سورۂ رحمٰن، آیت ۴-۱) وہ رحمٰن جس نے قرآن سکھایا۔ انسان کو تخلیق کیا اور اس کو بیان (گویائی کا طریقہ) سکھایا۔

یہ (آیات) از روئے نزول کے حادث ہیں اور از روئے وجود وحصول کے قدیم ہیں یا از روئے لفظ کے حادث از روئے معنی کے قدیم ہیں اور یہ صفت قدیمی سے موصوف ہیں۔ پس ان پر سمت عدم جاری نہیں ہوسکتا۔

اس شعر میں معتزلہ کا رد ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قدیم کلام کو حادث کہا اور حنابلہ کا بھی ردّ ہے، کیونکہ وہ اس کے الفظ بھی قدیم مانتے ہیں بلکہ انہوں نے کہہ دیا

کہ اس کی کتابت سیاہی اور اوراق بھی قدیم ہیں حالانکہ یہ نہایت کم عقلی کی بات ہے جو کہ دانش مند لوگوں کے لئے بالبداہت ظاہر البطلان ہے۔

اہل تحقیق کے، اس مسئلہ میں دو مذہب ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن صرف کلام نفسی کا نام ہے اور اس کا اطلاق مرکب من الاصوات والحروف پر مجازی ہے۔ یہ مذہب قدیم مشائخ کا ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اس کی یوں تعریف کی ہے۔ قرآن ایک ایسی صفت ہے جو کہ حروف اور اصوات کے روپ میں جلوہ نما ہوئی ہے۔ پس قرآن باعتبار مظہر کے حادث ہے اور بہ اعتبار صفت مظہر کے قدیم ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ قرآن کا اطلاق بالاشتراک دونوں (کلام نفسی ولفظی) پر ہے۔ پس وہ معنی اول کے لحاظ سے قدیم ہے اور معنی ثانی کے اعتبار سے حادث ہے۔ یہی مشہور اور مذہب منصور ہے اور مکمل تفصیل تطویل کی مقتضی ہے۔

(۹۲)

لَمْ تَقْتَرِنْ بِزَمَانٍ وَّهِيَ تُخْبِرُنَا
عَنِ الْمَعَادِ وَعَنْ عَادٍ وَّعَنْ اِرَمِ

ترجمہ: یہ آیات کسی زمانے کے ساتھ مقترن نہیں ہیں حالانکہ یہ ہمیں قیامت، قوم عاد اولیٰ اور عاد ارم کے متعلق آگاہ کرتی ہیں۔

معنوی تشریح: آیات قدیمہ اور نشانات کریمہ ماضی، حال اور مستقبل میں سے کسی زمانہ اور حال سے مقترن نہیں ہیں کیونکہ زمانہ کے اقتران سے دو چیزیں لازم آتی ہیں۔

۱- حدوث آیات۔

۲- قدم زماں (زمانہ کا قدیم ہونا)

اور یہ دونوں باتیں اہل عرفان کے ذوق کے خلاف ہیں حالانکہ یہ (آیات)

ہمیں امور معاد اور امور مبادی کے متعلق آگاہ کرتی ہیں۔

معاد کہتے ہیں بروز قیامت مخلوق کا مرنے کے بعد اصلی حالت میں لوٹ آنا۔ اور عن عاد اور عن ارم سے وہی مبادی مراد ہیں۔ عن عاد سے مراد اولیٰ ہے جو کہ ایک قوم تھی اور عاد ارم بھی اسی طرح ہے اور ان جیسی ہی مثالیں ہیں۔ قوم نوح وقوم ثمود کے قصے۔

ناظم کا مقصود یہ ہے کہ قرآن کے معانی سے جو زمانہ ماضی یا مستقبل کا مفہوم نکلتا ہے وہ صرف ہماری طرف اضافت کی وجہ سے ہے وگرنہ کلام نفسی تو حدوث سے مبرا ہے۔ جیسا کہ وہ (قرآن) ہمارے سامنے پختہ ہے۔

(اس شعر میں یہ بات بھی مفہوم ہے) کہ جس طرح آیات بشمول اپنے الفاظ کے معجزہ ہیں ایسے ہی یہ آیات بہ اعتبار معانی کے بھی معجزہ ہیں کیونکہ یہ آنے والے زمانوں میں ہونے والے امور کے بارے میں خبر دیتی ہیں۔

(۹۳)

دَامَتْ لَدَيْنَا فَفَاقَتْ كُلَّ مُعْجِزَةٍ
مِنَ النَّبِيِّيْنَ اِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَدُمِ

ترجمہ: (یہ آیات) ہمارے پاس ہمیشہ رہیں گی۔ پس (یہ نشانیاں یا معجزات یا آیات) ہر اس معجزہ سے فائق ہوگئی ہیں جو باقی انبیاء (علیہم السلام) سے رونما ہوئے اور نہ رہے۔

لفظی تشریح: جاء ت میں ضمیر کل معجزۃ کی طرف راجع ہے۔ جاء ت کا صیغہ واحد مونث بسبب مضاف الیہ (معجزۃ) کے ہے۔

معنوی تشریح: آیات قرآنیہ اور معجزات فرقانیہ کو دوام واستمرار حاصل ہے۔ پس یہ بسبب قدم کے ساتھ موصوف ہونے، معاد وارم کی خبریں دینے اور نسخ وتبدیل

عارض نہ ہونے کے فائق ہوگئی ہیں۔

نسخ وتبدیل ہر معجزہ پر عدم کے حکم میں ہے جو کہ انبیاء سے حاصل ہوتے ہیں اگرچہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ ظاہر ہو تو (نسخ وتبدیل کے اطلاق سے) معجزہ حادث ہو جاتا ہے۔ تو اس طرح وہ قدیم، دوام کی صفت سے موصوف نہیں ہوسکتا۔ ہر نبی کا معجزہ اس کی دنیاوی زندگی ختم ہونے کے ساتھ منقضی ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے اس ذکر (کتاب) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ (پارہ۱۴، سورۂ الحجر، آیت۹)۔ (تغیر وتبدیل اور نسخ وتحویل سے)

حاصل گفتگو یہ ہے کہ آیات قدیم اور ثابت ہیں اور معجزات دائمی اور مستمرہ ہیں، بخلاف دیگر معجزات کے۔

(۹۴)

مُحَكَّمَاتٌ فَمَا يُبْقِيْنَ مِنْ شُبَهٍ
لِّذِيْ شِقَاقٍ وَّلَا يَبْغِيْنَ مِنْ حَكَمٍ

ترجمہ: (یہ آیات) محکم ہیں۔ پس یہ آیات، کسی اختلاف کرنے والے کے لئے کوئی شبہ باقی نہیں رہنے دیتیں اور نہ ہی کسی منصف کا تقاضا کرتی ہیں۔

لفظی تشریح: يبقين بضم الياء (یاء پر پیش کے ساتھ) اور يبغين۔ یاء پر زبر کے ساتھ۔ شبہ جمع ہے شبهة کی۔ شبہ ایسی باطل شے جو کہ حق کے مشابہ ہو۔ الشقاق شین پر کسرہ کے ساتھ بمعنی خلاف، کیونکہ مخالفین میں سے ہر ایک اختلاف میں ہوتا ہے۔ یا دوسرے کی مشقت کو زیادہ کرتا ہے۔ الحکم ۔ بفتحتین بمعنی حاکم۔ بعض نے کہا ہے کہ کسرہ وفتحہ کے ساتھ یعنی حکم جمع حکمة کی ہے۔ محكمات تشدید کے ساتھ۔ محكمات (بالتخفیف) کا مبالغہ ہے۔ اس کی تائید

وہ روایت کرتی ہے جو کہ واو کے ساتھ مروی ہے۔ (ومحکمات) اور تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اسی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول احکمت ایاتہ (ھود، ۱) آیات سے تقدیر محکمات ہے۔ پس یہ اللہ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ (وہ ذات جس نے آپ پر کتاب اتاری۔ اس میں بعض محکمہ آیات ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور بعض دوسری متشابہات ہیں)۔ (پارہ ۳، سورۂ آل عمران، آیت ۷)
یہ معنیٰ زیادہ موافق ہے اور سیاق وسباق سے زیادہ مربوط ہے۔ لایبغین ایک نسخہ میں مایبغین ہے۔

معنوی تشریح: بے شک اللہ تعالیٰ نے آیات کو محکمہ بنادیا جو کہ منسوخ ہوتی ہیں نہ تبدیل۔ یا ان کو حکم اور مثل پر مشتمل بنایا۔ یا ان کو حکم والا بنایا کہ وہ مجمل پر حکم بیان کریں اور یا ان کو کتب سماویہ سنن نبویہ، قیاسات عقلیہ اور اتفاقات اجتماعیہ پر حاکم مقرر کیا۔ یا یہ کہ وہ حق وباطل پر دلالت کرتی ہیں یا حرام وحلال کا فیصلہ کرتی ہیں۔ پس وہ آیات اختلافات میں سے حق کی مخالفت کے لئے کوئی شبہ بھی باقی نہیں چھوڑتیں اور نہ ہی اپنے سوا کسی حاکم کا مطالبہ کرتی ہیں کیونکہ ان کی براہین واضح ہیں۔
یا کسی حکم زائد حکمتوں کا جو ان کی طرف محتاج ہو۔

(۹۵)

مَا حُوْرِبَتْ قَطُّ اِلَّا عَادَ مِنْ حَرَبٍ
اَعْدَی الْاَعَادِیْ اِلَیْهَا مُلْقِیَ السَّلَمِ

ترجمہ: ان آیات قرانیہ کے ساتھ جب بھی کسی سخت ترین دشمن نے مقابلہ کی جسارت کی تو وہ جنگ سے باز آیا اس حال میں کے وہ صلح کا خواہش مند تھا۔

لفظی تشریح: حــرب حـت محاربہ سے مشتق ہے۔ بمعنی معارضہ۔ الـحـرب بفتحتین شدت۔

حقیقت میں سلب مال کو کہتے ہیں اور مسلوب کو شدت لازم ہو جاتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ بھی حرب میں ایک لغت ہے۔ السـلـم بفتحتین اطاعت، صلح اور فرمانبرداری اعادی جمع الجمع عدو کی۔ اعدیٰ عداوت سے اسم تفصیل ہے۔

معنوی تشریح اور فصاحت قرآن:

جب بھی کسی نے آیات کے ساتھ معارضے کی کوشش کی تو ان کی کمال بلاغت وفصاحت کی بدولت بڑے بڑے معارضین اور بڑے معاندین نے معارضہ سے رجوع کرلیا۔

وہ (قرآن) معاندین کے معارضہ سے محفوظ ہو گیا۔ تو کیا وہ اس لئے قرآن پاک کمال فصاحت میں سے جزیل الفاظ اور حسین معانی پر مشتمل ہے۔ اور اس وجہ سے کہ یہ بلاغت کے اعلیٰ طبقات پر فائز ہے، تو اسی طرح ہے جیسے مردوں کو زندہ کرنا، چھڑیوں کا پھر جانا اور کنکریوں کا تسبیح کرنا۔

اور معارضہ ان کے مقدور میں تھا۔ پس اس میں علماء اہل سنت اور جمہور کا اختلاف ہے پہلے قول پر۔ اور اسی پر اعتماد ہے۔ دوسرا مذہب شیخ ابوالحسن الاشعری اور ان کے چند ساتھیوں کی جماعت کا ہے۔

شاطبی نے دونوں قولوں پر الرائۃ میں اس کی تردید کی ہے۔ اہل عرب نے معارضہ کو ترک کیا بہ سبب اس بات کے جو ان کے مقدور میں تھا یا جو ان کی جنس مقدور میں سے تھا کیونکہ وہ اس کی مثل لانے سے عاجز تھے ورنہ وہ شہروں اور دیہات سے جلاوطنی اور اسیری، اپنے مساکن کو فارغ کرنا، جھڑکوں اور اپنے اموال اور جانوں کے سلب ہونے پر راضی نہ ہوتے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے انہی احوال کی خبر دیتے ہوئے

فرمایا: وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○

اگر تم کسی شک میں ہو اس چیز کے بارے میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے، تو تم کوئی سورت اس جیسی (بنا کر) لے آؤ اور سورت بنانے میں) تم اپنے حامیوں کو بھی ماسوائے اللہ تعالیٰ کے بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کر سکے (اور یہ بات پختہ ہے کہ) تم ایسا ہرگز کر بھی نہیں سکو گے، تو ڈرو تم اس آگ سے جس کا ایندھن پتھر اور انسان ہیں۔ اور جو کافروں (منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

(پارہ ا، سورۂ بقرہ، آیت ۲۴-۲۳)

(۹۶)

رَدَّتْ بَلَاغَتُهَا دَعْوٰى مُعَارِضِهَا
رَدَّ الْغَيُوْرِ يَدَ الْجَانِيْ عَنِ الْحُرَمِ

ترجمہ: ان (آیات) کی بلاغت نے معارضہ کرنے والے کے دعویٰ کو ایسے لوٹایا جیسے ایک غیور آدمی نقصان پہنچانے والے ہاتھ کو اپنی حریم سے دور کرتا ہے۔

لفظی تشریح: البلاغة ایسا کلام جو حال کے تقاضا کے مطابق ہو۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو اس بات کو واجب کرتا ہے کہ متکلم کسی مخصوص کیفیت میں کلام کرے۔ عارض کسی شے سے مقابلہ کرنا۔ اور اس کے ساتھ برابری کرنا۔ الحرم حرمته کی جمع ہے۔ جیسے غرف عرفة کی جمع ہے۔ مرد کی حریم۔ جو شے داخل ہو وہ حرم کہلاتی ہے۔

معنوی تشریح: پہلے مصرع میں جمہور کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرے

مصرع میں ان کے علاوہ کسی اور کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس میں دلالت اس بات پر ہے کہ اس جگہ ایسی وجوہ ہیں جو اپنی جگہ پختہ ہیں۔

(۹۷)

لَهَا مَعَانٍ كَمَوْجِ الْبَحْرِ فِي مَدَدٍ
وَفَوْقَ جَوْهَرِهِ فِي الْحُسْنِ وَالْقِيَمِ

ترجمہ: ان آیات قرآنیہ کے سمندر کی موجوں کی مانند معانی ہیں اور حسن و قیمت میں یہ سمندر کے موتیوں سے فائق ہے۔

لفظی تشریح: فوق اس کا عطف کموج پر ہے۔ یہ معان کی صفت ہے جو کہ مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ بطور ظرفیت اس کو نصب لازم ہے۔ اگر چہ یہ (ظرفیت) مجازی ہے۔ ایسے ہی قرآن پاک میں ہے:

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۔ (پارہ ۱۳، سورۂ یوسف، آیت ۷۶)

معنوی تشریح: قطع نظر ان آیات کی فصاحت و بلاغت کے، یہ آیات و بینات جو کہ معجزات کے نام سے موصوف ہیں، ان کے معانی کثیر ثابت ہیں جیسے کثرت اور فراوانی میں سمندر کی موجیں ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝

(پارہ ۱۶، سورۂ کہف، آیت ۱۰۹)

ترجمہ: اگر سمندر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے سیاہی بن جائے تو سیاہی ختم ہو جائے قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں۔

کلمات سے مراد کلمات کے معانی ہیں۔

اس سے وہ قوی اشکال زائل ہو جاتا ہے جو کہ قبلیہ کی طرف سے وارد ہوتا ہے۔

جیسے کہ ہم اس کو جلالین کے حاشیہ میں ''یا النصرت والامداد'' میں تحریر کیا ہے، کیونکہ قرآن میں سے بعض حصہ اپنے بعض کی تفسیر کرتا ہے جیسے کہ سمندر کی موج، بعض بعض کی تائید کرتی ہے۔

ان آیات کے بہت زیادہ معانی، بہترین احکام اور مستحسن حکمتیں ہیں اور ارباب بصیرت واصحاب خبرت کے نزدیک یہ (معانی، احکام اور حکمتیں) سمندر کے جواہر جیسے موتی مرجان وغیرہ سے، قیمت اور حسن میں بڑھ کر ہیں۔

اور ہر آدمی نے اپنا مشرب پہچان لیا ہے۔

(۹۸)

فَلَا تَـعَـدُّ وَلَا تُـحْـصٰـی عَـجَـائِبُـهَـا
وَلَا تُسَـامُ عَلَـی الْإِكْثَـارِ بِـالسَّـئَمِ

ترجمہ: پس ان (آیات) کے عجائب لاتعداد اور بے شمار ہیں۔ اور ان (آیات کو) کثرت تلاوت سے اکتاہٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

لفظی تشریح: فاء نتیجہ ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ ایک نسخہ میں فلا کی بجائے فما تعد ہے۔ اسی طرح عجائبها کی بجائے ایک نسخہ میں عجائبه ہے یعنی ضمیر مؤنث کی بجائے مذکر مذکور ہے۔ اس صورت میں ضمیر کا مرجع القرآن ہے۔ لاتسام یہ مشتق السوم سے ہے۔ بمعنی مقابلہ کرنا۔ یہاں معنی ہوگا۔ مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور علی بمعنی مع ہے۔ الاکثار کثرت لانا۔ السام بفتحتین اکتاہٹ۔

معنوی تشریح اور عظمت قرآن:

آیات کے معانی کی گنتی حدود کی چیز میں داخل نہیں ہو سکتی ہے اور نہ اس کے عجیب وغریب معانی کی تضبیط ممکن ہے اور وہ (آیات) عبرت آموز، حکمت آفرین، آداب واخلاق، مواعظ وبراہین، عوارف ومعارف، ترغیب وترہیب، وعید واحکام اور

ضرب الامثال وغیرہ پر مشتمل ہے۔ کثرتِ تلاوت سے ملال اور اکتاہٹ طاری نہیں ہوتی (گویا کہ) وہ (قرآن) مشک کستوری ہے۔ جتنی بار تم اس کو لگاؤ مہک اور زیادہ ہوتی ہے۔

حدیث پاک ہے۔ قرآن پاک کثرت ورد سے پرانا نہیں ہوتا نہ اس کے عجائب فنا ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کے غرائب ختم ہوتے ہیں اور نہ ہی اس سے علماء سیر ہوتے ہیں۔ (جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل القرآن، صفحہ ۶۷۵، رقم الحدیث، ۲۹۰۶)

شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آیات کے معانی کا حسن و جمال سمندری ہیروں سے فائق ہے، کیونکہ جواہر اور ہیروں کی کثرت اور قیمتی ہونے کے باعث رغبت رکھنے والا اُکتا جاتا ہے۔

(۹۹)

قَرَّتْ بِهَا عَيْنُ قَارِيْهَا فَقُلْتُ لَهُ
لَقَدْ ظَفِرْتَ بِحَبْلِ اللّٰهِ فَاعْتَصِمِ

ترجمہ: ان آیات کو پڑھنے والے کی آنکھیں ان سے ٹھنڈی ہوگئیں تو میں نے اس کو کہا۔ تحقیق تو کامیاب ہو گیا ہے۔ اب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو۔

لفظی تشریح: ناظم نے قاریھا کا ہمزہ پہلے ساکن کیا پھر اس کو (یا میں) بدل دیا، (کیونکہ قاری، قرء سے مشتق اسم فاعل ہے) القرۃ ۔ اصل میں برودت کو کہتے ہیں۔ عربوں کے نزدیک عزیز ترین شے کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے عرب لوگ آنکھوں کی ٹھنڈک اور عیش وعشرت کی تمنا کے طور پر کہتے ہیں۔

شانِ قرآن:

ان (آیات) کو پڑھنے والا بہت خوش ہوا جب اس نے ان کو پڑھا۔ اور جب

وہ ان کی تلاوت سے متلذذ ہوا تو ان کی ٹھنڈک سے اس کی آنکھوں کا نور زیادہ ہوگیا۔ تو میں نے اس کو رغبت اور رشک کے طریقہ پر کہا: خدا کی قسم! تو ایسی چیز پانے میں کامیاب ہوگیا جو تجھے اللہ تعالیٰ کی خوشنودیوں تک پہنچائے گی اور اس کی جنتوں کے درجات کی طرف ترقی دے گی۔ پس تو اب اس کے الفاظ و معانی اور اس کے مآل کی تحقیق کو تھام لے۔ اس کے اوامر و نواہی پر عمل کر۔

(۱۰۰)

اِنْ تَتْلُهَا خِيفَةً مِّنْ حَرِّ نَارِ لَظًى
اَطْفَأْتَ حَرَّ لَظًى مِنْ وِّرْدِهَا الشَّبِمِ

ترجمہ: اگر تو نے ان آیات کی تلاوت جہنم کی آگ کی گرمی کے خوف کی وجہ سے کی تو یہ آیات دوزخ کی گرمی کو اپنے ٹھنڈا کرنے والے ورد سے بجھادیں گی۔

لفظی تشریح: لظی جہنم کا ایک نام ہے یا اس کے کسی طبقہ کا نام ہے اور یہ غیر منصرف ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اس پر تنوین برائے ضرورت ہے تو یہ میزان کی معرفت سے غفلت کا نتیجہ ہے کیونکہ تنوین اور الف وزن میں مساوی ہوتے ہیں۔ لظی دوسری مرتبہ ضمیر کی جگہ پر رکھا گیا ہے تا کہ التباس پیدا نہ ہو جو کہ شکوک کا باعث ہوتا ہے۔ ایک نسخہ میں نار لظی کی بجائے حر لظی آیا ہے لیکن نار لظی، اطفاء (بجھانا) کے زیادہ مناسب ہے جیسے کہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ الورد کا اطلاق قرآن پاک کے ورد کرنے پر بھی ہے اور پانی کے وارد کرنے پر بھی۔ پس اگر ورد کی اضافت آیات کی طرف کی جائے تو پہلے کی تائید ہوتی ہے لیکن ورد کو شبم کے ساتھ موصوف ہونے کے باعث دوسرے قول کی تقویت ہوتی ہے۔ شبم کا لغوی معنی ٹھنڈا کرنے والا ہے۔ اگر اس کے پہلے اطلاق پر محمول کیا جائے تو اس کا معنی ہوگا:

حرارت کو دور کرنے والا۔ اور اگر دوسرے اطلاق پر اس کو محمول کیا جائے تو یہ لفظ آیات کو اپنے ساتھ تشبیہ دیتا ہے کیونکہ آیات ارواح کی زندگی کا سبب ہیں جس طرح کہ پانی اشباح (اجسام) کی زندگی کا سبب ہے۔

معنوی تشریح: (اے قرآن پڑھنے والے!) اگر تو نیکوکاروں اور آزاد لوگوں کے درجہ سے نزول کر کے، آگ کی گرمی کے خوف سے آیات قرآنیہ کی تلاوت کرتا ہے یا احکام فرقانیہ کا اتباع کرتا ہے تو یہ اس کی گرمی کو بجھا دیں گی اور پابندی کے ساتھ ورد قرآن کرنے سے جو کہ آگ کی حرارت کو دور کرنے والا ہے، آگ کی تکلیف کو اٹھا دیں گی۔

اس شعر میں ایک حدیث کا اقتباس ہے کہ مومن جب پل صراط پر کھڑا ہو گا تو آگ کہے گی: اے مومن! جلدی چلو۔ تمہارے نور نے میری حرارت بجھا دی ہے۔

(شعب الایمان، رقم الحدیث ۳۷۵، نوادر الاصول رقم الحدیث: ۹۸۳-۱۰۲، حلیۃ الاولیاء، ۱۴۰۵۱)

(۱۰۱)

كَـأَنَّهَـا الْـحَـوْضُ تَبْيَـضُّ الْوُجُوْهُ بِـهٖ
مِـنَ الْعُصَاةِ وَقَـدْ جَـآءُوْهُ كَالْحُمَمِ

ترجمہ: (یہ آیات) گویا کہ حوض ہے جس سے نافرمانوں کے چہرے روشن ہوتے ہیں۔ حالانکہ (لوگ) کوئلوں کی مانند کالے (چہرے) لائے تھے۔

لفظی تشریح: ناظم نے پانی کو حوض سے تعبیر کیا کیونکہ وہ (حوض) پانی کا محل ہے اور یہ بلاغت کا ایک ایسا طریقہ ہے کہ محل بول کر حال مراد لیتے ہیں یا مضاف کو حذف کر کے ذکر کیا۔ اصل میں یوں ہے: مـاء الـحـوض ۔ حوض سے مراد حوض کوثر ہے اور وجوه سے مراد لوگ، اشخاص ہیں کیونکہ ناظم نے وجوه کا بیان (تشریح) عاصیوں

سے کی۔اور وجوہ کو حمم سے تشبیہ دی جو کہ حممۃ کی جمع بمعنی کوئلہ ہے۔

معنوی تشریح: آیات قرآنیہ کی تلاوت اور احکام صمدانی (اللہ تعالیٰ کے) پر عمل، اس دار دنیا میں مومنوں کے دلوں کی سفیدی کا باعث ہے۔ مومنین کے سینوں کا نور، دار آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کی مانند ہے جب کہ نافرمانوں کے چہرے حوض پر سفید ہو جائیں گے حالانکہ جب وہ حوض کے پاس آئے تھے تو ان کے چہرے کوئلے کی مانند کالے تھے۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ جب وہ اس سے نکلیں گے تو ان کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا۔ (بخاری، رقم الحدیث: ۶۵۶۰) ایک روایت میں ہے، تو پھر ان پر آب حیات انڈیلا جائے گا۔ (بخاری، رقم الحدیث: ۸۰۶) تو ان کی سیاہی (کالا پن) ختم ہو جائے گا اور سفیدی ظاہر ہو جائے گی۔ اسی طرح آیات ہیں کہ ان کی تلاوت اور ان پر عمل کے باعث چہرے روشن ہو جاتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ......الخ (پارہ ۴، سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۶) جس دن کہ کچھ چہرے سفید (روشن) ہوں گے اور کچھ سیاہ۔

(۱۰۲)

وَكَالصِّرَاطِ وَكَالْمِيزَانِ مَعْدِلَةً
فَالْقِسْطُ مِنْ غَيْرِهَا فِي النَّاسِ لَمْ يَقُمِ

ترجمہ: اور (یہ آیات) پل صراط اور میزانِ عدل کی مانند ہیں عدل کرنے کے لحاظ سے۔ پس ان کے سوا لوگوں میں عدل قائم نہیں رہ سکتا۔

لفظی تشریح: یہ آیات حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے کے اعتبار سے پل صراط کی مانند ہیں اور عدل کرنے کے لحاظ سے یہ میزان کی مانند ہیں۔ یہ ہر ایک کا حق بیان کرتی ہیں جیسے کہ مناسب ہے اور خصومت کو شرعی طریقہ سے رفع کرتی ہیں جو کہ دلیل

عقلی کے ساتھ مبعوث ہے۔

جب ایسی صورت ہے تو دنیا میں لوگوں کے درمیان آیات قرآنیہ کے علاوہ کسی اور سے عدل کو طلب کرنا مستقیم اور ثابت نہیں رہتا کیونکہ تمام احکام شرعیہ انہیں کی طرف راجع ہے اور سنت، اجماع اور قیاس بھی آیات پر مبنی ہیں۔

(۱۰۴)

لَاتَعْجَبَنْ لِحَسُوْدٍ رَّاحَ یُنْكِرُهَا
تَجَاهُلًا وَّهُوَ عَيْنُ الْحَاذِقِ الْفَهِمِ

ترجمہ: اے مخاطب! تو ہرگز بہت زیادہ حسد کرنے والے پر تعجب نہ کر جو انکار کرنے لگا ہے۔ تجاہل عارفانہ کے طور پر حالانکہ وہ خود بڑا ماہر اور فہیم ہے۔

لفظی تشریح: الحسودها پر فتحہ کے ساتھ۔ حاسد کا مبالغہ ہے، حاسد وہ شخص ہے جو دوسرے کی نعمت زائل ہونے کی خواہش رکھتا ہو۔ الفھم بکسر الہاء، بہت زیادہ سمجھنے والا۔

مخالفین کا تجاہل عارفانہ:

اے مخاطب! تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد کرنے میں مبالغہ کرنے والے پر ہرگز تعجب نہ کر اور نہ ہی تو حیران ہو۔ جیسے کہ یہود، نصاریٰ اور بعض مشرکین ہیں کیونکہ تجاہل عارفانہ کر کے آیات بینات کا انکار کرتے ہیں اور واضح معجزات کو نہیں مانتے ہیں جب کہ منکر کو ان (آیات و معجزات) کی حقیقت کا علم اور معرفت حاصل ہے حالانکہ یہ جان بوجھ کر جاہل بن کر انکار کرنے والا ماہرین کا عین اور سمجھداروں میں سے بہترین دانشمند ہے، کیونکہ آیات مختلف قسم کی دلالت پر مشتمل ہیں۔

پس اس منکر سے آیات کا انکار ہونا صرف کے اس عناد پر مبنی ہے جس کا باعث

حضور پر اللہ تعالیٰ نے نعمت نبوت اور عطیہ رسالت پر حسد ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ...... الخ یا وہ لوگوں کا حسد کرتے ہیں، اس بات پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے۔ (پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۵۴) پس حسد کے طور پر ان (آیات) کا انکار کرنا کوئی عجیب بات نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات کسی خاص وجہ سے موجود شے کا بھی انکار کر دیا جاتا ہے جیسے کہ ناظم نے اگلے شعر میں کہا ہے:

(۱۰۴)

قَدْ تُنْكِرُ الْعَيْنُ ضَوْءَ الشَّمْسِ مِنْ رَّمَدٍ
وَيُنْكِرُ الْفَمُ طَعْمَ الْمَآءِ مِنْ سَقَمٖ

ترجمہ: کبھی آنکھ آشوب چشم کی وجہ سے سورج کی روشنی کا انکار کر دیتی ہے اور بیماری کے باعث منہ پانی کے ذائقہ کو صحیح نہیں مانتا۔

لفظی تشریح: الرمد آشوب چشم۔

معنوی تشریح: کبھی کبھی آنکھ کسی علت (بیماری) کی وجہ سے سورج کے نور کے وجود کا انکار کر دیتی ہے اگرچہ وہ حقیقت ضیاء کا مشاہدہ کر رہی ہوتی ہے۔ ایسے ہی آیات ہیں کہ ان کا ظہور اظہر من الشمس ہے لیکن اندھا اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور چمگادڑ اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ آشوبِ چشم میں انسان سورج کو دیکھنا پسند نہیں کرتا، تو دیکھنے والے کے نقصان کی وجہ سے دکھائی دینے والی شے کو نقصان لازم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ (پارہ ۱۷، سورۃ الحج، آیت ۴۶)

کبھی منہ بسبب علت کے اس پانی کے ذائقہ کا انکار کر دیتا ہے جو کہ ہر شے کی زندگی کے طور پر مشہور اور متعارف ہے۔ وہ بیماری اس کو پانی کی لذات کے ادراک سے روکتی ہے۔ ایسے ہی ان (کافروں) کے دلوں میں بھی بیماری ہے جن کو قرآن کی

شفاء بھی نفع نہیں دیتی اور فرقان کے ذائقہ سے شیرینی حاصل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ......الخ ۔ (پارہ۱۵، سورۃ الاسراء، آیت۸۲) اور ہم نے اتارا ہے قرآن میں ایسی شے جو کہ مومنین کے لئے شفاء اور رحمت ہے اور ظالم لوگوں کو خسارہ میں زیادتی نصیب ہوگی۔ پس وہ نیل کی مانند محبوبین کے لئے پانی اور مجوبین کے لئے خون ہے جس سے کئی گمراہ ہوتے ہیں اور کئی ہدایت پاتے ہیں۔

پھر ناظم اپنے ممدوح کی نعت میں غائب سے خطاب کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا:

(۱۰۵)

يَا خَيْرَ مَنْ يَّمَّمَ الْعَافُوْنَ سَاحَتَهٗ

سَعْيًا وَّفَوْقَ مُتُوْنِ الْاَيْنُقِ الرُّسُمِ

ترجمہ: اے سردار! آپ ان سب سے بہتر ہیں کہ مانگنے والے جن کے صحن کا قصد کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پا پیادہ اور مضبوط، طاقتور اونٹنیوں کی پیٹھ پر سوار ہو کر آتے، آپ بہتر ہیں۔

لفظی تشریح: یمم قصد کرنا۔ العارفیون، العافی کی جمع بمعنی سائل۔ الساحة گھر کا صحن۔ سعیا بمعنی ساعین دوڑ کر۔ فوق، سعیا پر عطف ہے بمعنی کائنین فوقها اس حال میں کہ وہ ان کے اوپر ہو گئے۔ متون جمع متن کی۔ (سواری کی) پشت۔ الانیق میں یا، نون پر مقدم ہے۔ یہ کلمہ انیق (جب کہ نون، یا پر مقدم ہو) سے مغلوب ہے۔ اصل میں انوق تھا۔ پہلے واؤ کو نون پر مقدم کیا پھر مزید تخفیف کے لئے واو کو یا سے قلب کیا۔ یہ ناقہ کی جمع ہے۔ الرسم بضمتین وہ اونٹ جو شدت کے ساتھ چلنے کی وجہ سے زمین میں قدموں کے نشانات لگا دیتے ہیں۔

سخاوت مصطفیٰ:

اے آقا! آپ ایسے آقا ہیں جن کی سخاوت کے صحن کا سائلین قصد کرتے ہیں۔

آپ کے علم وحکمت کی طرف طالبین توجہ کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پاپیادہ تیزی کے ساتھ چل کر آتے ہیں یا وہ طاقت ور اونٹوں کی پشتوں پر سوار ہو کر حاجیوں کی ہیئت میں آتے ہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

آپ کے پاس پاپیادہ آتے ہیں اور ہر مضبوط سواری پر جو کہ دور دراز اور گہری وادیوں سے گزر کر آتی ہیں۔(پارہ ۱۷، سورۃ الحج، آیت ۲۷)

اس شعر میں آپ دربار میں چل کر آنے والوں کی اقسام اور آپ کی خدمت میں حاضری دینے والوں کی اصناف کی عمومیت پر اشارہ ہے کہ ہر کوئی خواہ وہ قوی ہے یا کمزور، راستہ کی مسافت قریب ہے یا بعید، آپ کا قصد کرتا ہے۔

(۱۰۶)

وَمَنْ هُوَ الْاٰيَةُ الْكُبْرٰى لِمُعْتَبِرٍ
وَمَنْ هُوَ النِّعْمَةُ الْعُظْمٰى لِمُغْتَنِمِ

ترجمہ: (اے وہ ذات!) جو عبرت حاصل کرنے والے کے لئے بہت بڑی نشانی (دلیل) ہے اور (اے وہ ذات!) جو غنیمت جاننے والے کے لئے نعمت عظمٰی ہے۔

لفظی تشریح: (یہ شعر) سابقہ شعر میں منادی پر معطوف ہے۔ **الایة** ایسی علامت جو دلیل پر صادق آئے تا کہ اس سے عبرت حاصل کرے اور اس سے اندازہ لگائے وہ شخص جو اس بات کی تائید کرتا ہو کہ حق وباطل کے درمیان تمیز کی جائے۔ **النعمة** بمعنی منعم بہ ہے۔(وہ شے جس کو بطور نعمت دیا گیا ہو) پہلے مصراع میں **اِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ** ۔ (پارہ ۱۵، سورۃ الشوریٰ، آیت ۲۵) کی طرف اشارہ ہے جس کی وضاحت آنے والا شعر **كفاك بالعلم فى الامى معجزة** کر رہا ہے۔ دوسرے مصرع میں اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ** ۔

(پارہ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷) کی طرف اشارہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت میں منفرد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کو بصیغۂ جمع ذکر اس لئے کیا تا کہ مبالغہ کا اظہار ہو۔

معنوی تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اقدس نہایت عمدہ ہے اور اس میں علم اور علم کی ایسی چمک دمک ہے کہ جس نے بھی آپ کی سیرت پاک کا مطالعہ غور وفکر سے کیا اور آپ کے عمدہ خصائل پر خوب تدبر کیا، اسے آپ کی نبوت کی صحت اور دعوت اسلام کی سچائی میں ذرہ بھر بھی شک نہ رہے گا۔

ندا کا تکرار اس بات کے اظہار کے لئے ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔

(۱۰۷)

سَرَيْتَ مِنْ حَرَمٍ لَيْلاً اِلٰى حَرَمٍ
كَمَا سَرَى الْبَدْرُ فِىْ دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ

ترجمہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے رات کو ایک حرم سے دوسرے حرم تک سیر کی جیسے کہ چودھویں رات کا چاند ظلمت کی تاریک رات میں چلتا ہے۔

لفظی تشریح: سـریٰ، اسریٰ میں ایک لغت ہے۔ رات کو چلنا۔ لیلاً ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کو تاکید کے لئے ذکر کیا اور تقلیل کے طور پر اس کو نکرہ ذکر کیا۔ حرم اول سے مراد مکہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرف کیا ہے اور دوسرے حرم سے مراد مسجد اقصیٰ مراد ہے۔ اس کا حرم نہیں ہے تو اس سے مراد قابل احترام جگہ ہے۔ داج دجـو سے اسم فاعل ہے۔ دجـو، سخت تاریکی کو کہتے ہیں۔ یہ (داج) صفت ہے اور موصوف اس کا محذوف ہے۔ اصل میں تھا: لیـل داج، الـظـلـم ضمہ اور فتحہ دونوں سے پڑھا جاتا ہے۔ جمع ظلمة (تاریکی) کی۔

معنوی تشریح: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اللہ تعالیٰ کے سیر کرانے کے عجیب وغریب سیر کی۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے قول سے اشارہ ہے: سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً...... (پ۱۵،سورۃالاسرا،آیت۱)۔(پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی رات کو) وہ سیر ایک جلیل رات کی قلیل ساعت میں مکہ کے حرمِ محترم سے قدسی حرم معظم تک ہوئی جیسے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا یہ قول دلالت کرتا ہے: مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ (پ۱۵،سورۃ الاسراء،آیت۱)۔(مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا)

وہ سیر اس طرح ہوئی جیسے کہ بدر (چودھویں کا چاند) اپنے ظہور کے کمال اور اپنے نور کے جمال کی بلندی میں، اغیار سے مخفی ہونے کے وقت پردوں گنبدوں کے نیچے چلتا ہے۔

(یہاں پر ناظم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر کو چاند کی سیر سے تشبیہ دی ہے) اس میں وجہ تشبیہ دو ہیں:

۱-مقام (منزل مقصود) کی طرف پہنچنے میں تیزی سے چلنا۔

۲-سخت تاریکی میں مکمل طور پر روشن ہونا۔

یہاں پر ناظم نے ظلمت کا ذکر بدر کے وجود کے ساتھ کیا جس سے ہمارے زمانہ ے بعض فضلاء کے فہم میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ یہ (اس طرح ظلمت اور چاند کا اکٹھا ذکر) تناقص ہے اور تعارض کا باعث بنتا ہے۔ تو اس ظلمت سے مراد ظلمت بالقوۃ ہے یعنی اگر چاند کا نور نہ ہوتا۔

کہ فی الجملہ چاند کے نور کے ساتھ ساتھ رات کچھ نہ کچھ تاریکی ظاہر کرتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ

اٰیَتَیْنِ...... الخ (پارہ ۱۵، سورۃ الاسراء، آیت ۱۲) ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا، تو ہم نے رات کی نشانی کو محو کر دیا۔ اور دن کی نشانی کو دکھائی دینے والا بنا دیا۔

آپ کی سیر اور اس سے واپسی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ سیر تین یا چار گھنٹوں میں ہوئی۔ بالا جماع معراج کی اتنی مقدار آپ کے جسم بے ساتھ حالت بیداری میں ہوئی اور بلا اختلاف اس کا منکر کافر ہے۔ اس سے مافوق جو اس کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کا منکر اہل بدعت میں سے ہے۔

(۱۰۸)

وَبِتَّ تَرْقٰى اِلٰى اَنْ نِلْتَ مَنْزِلَةً
مِنْ قَابَ قَوْسَيْنِ لَمْ تُدْرَكَ وَلَمْ تُرَمِ

ترجمہ: رات کو آپ ترقی کرتے رہے یہاں تک کہ آپ قاب قوسین مقام تک پہنچ گئے جس کا نہ ادراک کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی قصد۔

لفظی تشریح: بت، فعل ماضی مخاطب کا صیغہ بیتوتۃ سے مشتق ہے اور ایک نسخہ میں بت کی بجائے ظلت (ظاء پر فتحہ اور کسرہ دونوں سے پڑھا جاتا ہے) ہے۔ اس کا اصل ظللت ہے بمعنی صار۔ ترقیٰ قاب پر زبر۔ آپ نے صعود کیا۔ نلت اگر فعل معروف ہو تو یہ مشتق نیل سے ہے، جس کا معنی پہنچنا ہے۔ اگر مجہول ہو تو یہ نول بمعنی عطا ہے لیکن پہلی بات اظہر اور روایت میں مشہور ہے۔

اور وہ زیادہ قریب ہے۔ لم تدرك صیغہ مجہول ادراک سے مشتق ہے اور لم ترم روم سے مشتق ہے بمعنی قصد کرنا۔

معنوی تشریح: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مخفی رات میں ترقی کرتے رہے اور جلی معارج اور عمدہ بلندیوں کی طرف ساتوں آسمانوں کو چیرتے ہوئے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ آپ بلند مقام اور بہترین مرتبہ کو پہنچ گئے اور وہ (مقام

ومرتبہ) رب کونین کے ساتھ طرفین کی ملاقات کے وقت دو کمانوں کا فاصلہ ہے اور یہ چیز کمالِ قرب سے کنائیہ ہے۔ اس سے مراد قرب مرتبہ ہے، مکان نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان وزمان سے منزہ ہے۔ یا کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرش رحمٰن یا مقام وحی کے قریب ہیں علیٰ وجہ الامتنان اور او ادنیٰ کو ترک کرنا بمعنی بل اقرب الی الملک الاعلیٰ بلکہ یعنی آپ ملک اعلیٰ کے قریب ترین ہیں۔ ضرورت شعر کی وجہ سے ہے۔ سابقہ بیان میں وراء کا احساس دلایا گیا ہے کہ وہ بلند مقام علمی وعملی فضائل کے باعث مکاسب اجتہادیہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات سے حاصل ہوتا ہے۔ اس بلند منصب کی طلب وقصد آپ علاوہ دیگر انبیاء نہیں کر سکتے چہ جائیکہ اولیاء (اس منصب کی طلب کریں)

اس ترقی (معراج) میں اختلاف ہے کہ آیا یہ تمام جسمانی تھا یا روحانی اور آیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو بصارت کی آنکھوں سے دیکھا یا بصیرت کی آنکھوں سے دیکھا۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ معراج کب ہوئی اور کتنی دیر میں ہوئی۔

ضرورت مندوں کو قصہ معراج کی تفصیل سیر کی کتاب سے معلوم ہوگی۔

(۱۰۹)

وَقَـدَّمَتْكَ جَـمِيْـعُ الْاَنْبِيَـآءِ بِهَـا
وَالـرُّسْـلِ تَـقْـدِيْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰى خَدَمِ

ترجمہ: تمام انبیاء اور رسولوں نے آپ کو اس بلند مقام کے سبب مقدم کیا جیسے خادم اپنے مخدوم کو مقدم کرتا ہے۔

لفظی تشریح: الرسل رسول کی جمع۔ اس کا سین ساکن ہے۔ یہ حالت جری میں ہے۔ رسول نبی سے خاص ہوتا ہے۔

معنوی تشریح: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو سب انبیاء اور تمام اصفیاء نے اس بلند مقام عظیم مرتبہ کی ایسے مقدم کیا جیسے مخدوم خادم پر مقدم ہوتا ہے اور جیسے مقتدی تمام احوال میں امام کی اطاعت کرتے ہیں۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ امامت مسجد اقصیٰ میں ہوئی یا بلند آسمانوں میں۔ اور لفظ جمیع جو جمع سے مشتق ہے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقام جمع عالم الملک میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو کہ حی لا یموت ہے، ہوتی ہے۔

(۱۱۰)

وَاَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ
فِیْ مَوْکِبٍ کُنْتَ فِیْهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ

ترجمہ: آپ ان (انبیاء) کے ساتھ ساتوں طبق طے کرتے گئے ایک ایسی سواروں کی جماعت میں کہ جس میں جھنڈے والے (سردار) آپ تھے۔

لفظی تشریح: واؤ حالیہ ہے۔ الخرق گزرنا۔ فعل مضارع کی طرف عدول کرنے کی وجہ، گزشتہ حالات کا استحضار ہے۔ الموکب کاف کے کسرہ کے ساتھ سواروں کی جماعت۔ العلم جھنڈا۔ اس کو بالاشباع پڑھا جائے گا۔

معنوی تشریح: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اور آپ نے ساتوں آسمانوں کو طے کیا جو کہ ایک دوسرے کے اوپر تہہ در تہہ ہیں۔

اس حال میں کہ آپ انبیاء کے پاس سے گزر رہے تھے یا ان کی ارواح کے پاس سے گزر رہے تھے۔ پس آپ آسمان دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس سے گزرے، دوسرے میں حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہم السلام کے پاس سے، تیسرے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے، چوتھے میں حضرت ادریس علیہ السلام

کے پاس سے، پانچویں میں حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس سے، چھٹے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے اور ساتویں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ آپ ایک عظیم جمعیت میں جو ہیئت کریمہ کے ساتھ مصحوب تھی، کیونکہ آپ کے ساتھ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جمع کے صیغے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ (پارہ ۳، سورۃ آل عمران، آیت ۳۹) تو یہاں ملائکہ کی تفسیر جبرائیل کے ساتھ کی گئی ہے، یا اس کو بزرگوں اور باعظمت قوم کے قائمقام بنادیا گیا ہے۔

اس لشکر میں صاحب علم (جس کی طرف اشارہ کیا جائے اور جس پر مدار ہو) آپ تھے۔ علم ایسا تیر جس کے سر پر جھنڈا ہوتا کہ وہ بادشاہ پر علامت اور نشانی ہو۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہتے تو ان سے پوچھا جاتا کہ تمہارے ساتھ کون ہے۔ وہ جواب دیتے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۱۱)

حَتّٰى اِذَا لَمْ تَدَعْ شَأْوًا لِّمُسْتَبِقٍ
مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقًى لِّمُسْتَنِمِ

ترجمہ: یہاں تک کہ آپ نے کسی کو آگے بڑھنے والے کے لئے قرب کی کوئی غایت نہ رہنے دی اور نہ ہی اوپر جانے والے کے لئے کوئی سیڑھی۔

لفظی تشریح: حتّٰی اختراق کی غایت بیان کرنے کے لئے ہے۔ اذا ظرفیہ مجاز پر ہے۔

معنوی تشریح: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ دروازے میں داخل ہوئے اور آپ نے حجاب کو قطع کیا یہاں تک کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف قلب مطلق کا کمال حاصل کرنے کی کوئی غایت نہ چھوڑی (اس سے زیادہ قرب کا تصور بھی نہیں ہو

سکتا) اور نہ ہی آپ نے عالم وجود میں کسی بلندی کے طلب گار کے لئے اٹھنے، بیٹھے اور ترقی وصعود کی جگہ رہنے دی بلکہ آپ اس سے مقام قاب قوسین کی طرف بڑھ گئے یا اس سے بھی قریب، تو آپ کے رب نے آپ کو علم وحکمت کی وحی کی جو بھی وحی (اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ کسی انسان کو اس بات کی قدرت نہیں کہ وہ اندازہ یا تخمینہ لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے کس قدر علم وحکمت اپنے حبیب کو عطا فرمایا)

(۱۱۲)

خَفَضْتَ كُلَّ مَقَامٍ بِالْإِضَافَةِ إِذْ
نُوْدِيْتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمِ

ترجمہ: جیسے اضافت کی وجہ سے کلمہ کو زیر آتی ہے یوں ہی آپ نے ہر مقام کو پست کر دیا، کیونکہ آپ کو بلندی کی طرف ندا دی گئی جیسے کہ منادی مفرد علم مرفوع پڑھا جاتا ہے۔

لفظی تشریح: یہ بیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب کی خصوصیت میں ہے جس کا اشارہ اَوْ اَدْنٰی (سورۃ النجم، آیت ۹) کے ساتھ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی محبت کے ساتھ کیا گیا ہے جو کہ نہایت ہی اعلیٰ اور قیمتی مقام ہے۔ اور ناظم کا قول خفضت کل مقام یہ اذا کے جواب میں ہے جب کہ اس کو شرط مانا جائے۔ اس معنی پر سابقہ شعر کے یہ کلمات اذالم تدع دلالت کرتے ہیں جب کہ اس کو ظرف مانا جائے۔ الخفض مقام ومرتبہ کا گرنا، کسی شے کو کسی شے کے نیچے کر دینا۔ نحویوں کی اصطلاح خفض فی الاعراب اور خفض فی الاضافة بھی اسی سے ہے۔ ایسا الصاق کے لئے کہتے ہیں۔

معنوی تشریح: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے مقامات اور مراتب اصفیاء میں سے ہر مقام ومرتبہ کو پست کر دیا اور یہ برکت ہے اس اضافت کی جو آپ کو

اللہ کے حضور عالی سے ہے اور اس نسبت کی جو آپ کو بہترین محبت کے ساتھ ہے یا یہ کہ اس اضافت کی برکت کی بدولت ہے جو آپ کو اپنے جلی مقام سے ہے یا نسبت آپ کو اپنے بلند حال سے ہے۔ جب آپ کو اس مقام اعلیٰ کی طرف ندا دی گئی جس کو قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ندا تعظیم میں ایسی تھی جیسے فرد واحد اور علم جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور تکریم کے ساتھ مشہور ہے جس کو اپنی جنس کے افراد سے یکتا اور اپنے ہمسروں سے ممیز کر دیا گیا ہے۔

یہ بات مخفی نہیں ہے جو کچھ اس شعر میں اصطلاحات نحویہ کی اشارتی صفت خفض، رفع، اضافت، ندا اور مفرد علم اور مناسبات جلیہ پائی جاتی ہے۔

(۱۱۳)

کَیْمَا تَفُوْزَ بِوَصْلٍ اَیِّ مُسْتَتِرٍ
عَنِ الْعُیُوْنِ وَسِرٍّ اَیِّ مُکْتَتِمِ

ترجمہ: یہاں تک کہ آپ ایسے وصل سے کامیاب ہوئے جو بہت پوشیدہ ہے اور ایسا راز حاصل کرنے میں کامران ہوئے جو آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔

لفظی تشریح: یہ شعر سریت وبت سے لے کر آخر تک جتنے استعار آئے ہیں ان کی علت غایت ہے یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سدرۃ المنتہیٰ سے قاب قوسین اَو ادنیٰ کے مقام تک پہنچے تا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے وصال اور اس کے ماسوا سے قطع تعلق کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ایسا وصال جو کہ لوگوں کی آنکھوں سے نہایت پوشیدہ ہے اور آثار مطلوب واسرارِ محبوب سے ایک ایسا عظیم راز حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو اغیار کی آنکھوں سے بالکل مخفی ہے۔

ای دونوں جگہ مجرور ہے کیونکہ یہ اپنے ماقبل کی ایسی صفت ہے جو معنی کمال پر

دلالت کرتی ہے(تو ای مستتر کا معنی ہوگا) ایسا وصال جو استتار میں کامل ہے اور (ای منکتم کا معنی ہوگا) ایسا راز جو خفیہ ہونے میں کامل ہے۔

تفوز فعل مضارع اَن مقدرہ جو کی بمعنی لام کے بعد آتا ہے۔ یا لکی بمعنی ان اور لام مقدرہ کے بعد آتا ہے اس کے سبب منصوب ہے اور ما دونوں وجوہ کے مطابق زائدہ ہے۔

معنوی تشریح: علامہ جلال الدین المحلی نے فرمایا کہ یہ راز اس حدیث سے ماخوذ ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے مجھے معراج کی رات مختلف قسم کے کئی علوم سکھائے۔ ایک وہ علم جس کے چھپانے کا مجھ سے عہد لیا گیا۔ دوسرا وہ علم جس (کے ظہور و خفا) کا مجھے اختیار سونپ دیا گیا۔ تیسرا وہ علم جس کی تبلیغ کرنے کا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ (سیرت حلبیہ' جلد ۱ صفحہ ۵۶۶' مواہب اللدنیہ' جلد ۲ صفحہ ۳۸۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: کہ جن علوم کے ظہور و خفا کا آپ کو اختیار دیا تھا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اور مجھے آگاہی بخشتے رہتے تھے۔ اس حدیث کو بہت سے شارحین نے ذکر کیا ہے لیکن میں کتب حدیث میں اس کے اصل پر آگاہ نہیں ہوا البتہ یہ بات امام بخاری کی روایت کے منافی نہیں جو انہوں نے ابو محیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی۔ ابو محیفہ نے کہا: میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی ایسی وحی بھی ہے جو قرآن میں نہ ہو۔ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی! جس نے دانے کو پھاڑا اور بادِ نسیم کو پیدا کیا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے مگر قرآن کی سمجھ جو اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو عطا کرتا ہے اور اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت کے احکام۔

(بخاری، ۳۰۴۷)

اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے کیونکہ یہ (مسلمان) لوگوں کی

تبلیغ سے متعلق ہے اور وہ غیر تبلیغ سے۔ جیسے ظاہر بات ہے۔

اس شعر میں رویت باری تعالیٰ اور اس کی مناجات کی طرف اشارہ ہے۔ بے شک اس میں اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو ظاہری آنکھوں سے دیکھا یا جرائیل کو اس کی صورت میں دیکھا۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات میں اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے مناجات کی۔ یا جرائیل سے۔ ان دونوں باتوں کی اصل یہ دو آیات ہیں:

۱۔ رویت کی اصل مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۔

۲۔ مناجات کی اصل فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۔

بمطابق ان باتوں کے جو تفاسیر میں درج ہیں۔

قرب اور وصل سے قرب مکانی یا قرب صوری مراد نہیں ہے بلکہ یہاں پر صرف مقصود یہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کی عظمت ظاہر کرنا، آپ کی معرفت کے انوار کو روشن کرنا، غیب اور قدرت کے اسرار کا مشاہدہ کرنا، اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانا۔

(۱۱۴)

فَحُزْتَ كُلَّ فَخَارٍ غَيْرَ مُشْتَرَكٍ
وَجُزْتَ كُلَّ مَقَامٍ غَيْرَ مُزْدَحَمِ

ترجمہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ہر قابل فخر شیء کو حاصل کیا کہ جو مشترک نہیں ہے۔ اور ہر ایسے مقام سے گزر گئے جو بھیڑ والا نہ تھا۔

لفظی تشریح: حزت اور جزت دونوں قلت کے وزن پر ہیں۔ پہلا حاذ سے مشتق ہے بمعنی جمع کرنا اور دوسرا جاذ سے بمعنی تجاوز کرنا۔ الفخار وہ فضائل، عادات اور نعمتیں جن پر انسان فخر کر سکتا ہے یا یہ مصدرہ بمعنی مفاخرت اور غیر۔

دونوں مقامات پر مابعد کی صفت ہونے کے باعث مجرور ہے یا منصوب ہے اس اعتبار سے کہ یا تو کل کی صفت واقع ہو رہے ہیں۔ یا فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے۔

المتشرك اور المزدحم دونوں اسمائے مفعول بمعنی مصدر ہیں۔

معنوی تشریح: کہا گیا ہے کہ فخار غیر مشترک سے مراد مثل وسیلہ، فضیلت، اعلیٰ درجہ، حوض کوثر، شفاعت عظمیٰ، مقام محمود اور لواء الحمد وغیرہ کے ہیں اور مقام غیر مزدحم سے مراد مقام محبت، ختم نبوت، معراج، رسالت عامہ اور ان جیسے مقامات ہیں یا اس سے مراد عارفین واصلین کے مقامات ہیں۔

ان کے نزدیک سالکین اور سائرین کی منازل ہیں جن کو معین کر کے تعبیر کرنا اور ان کی طرف اشارہ کرنا ناممکن ہے جو ان کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کو چاہئے کہ مجاہدہ کرنے تاکہ مشاہدہ کر سکے، کیونکہ خبر مشاہدہ کے برابر نہیں ہوتی۔ اور یہ درجات بحر تفرید میں استغراق اور توحید میں منتہی ہوتے ہیں۔

(۱۱۵)

وَجَلَّ مِقْدَارُ مَا وُلِّيتَ مِنْ رُتَبٍ
وَعَزَّ اِدْرَاكُ مَا اُوْلِيتَ مِنْ نِعَمٍ

ترجمہ: جو مراتب آپ کو عطا کیے گئے۔ ان کی مقدار بڑی جلیل ہے اور وہ نعمتیں آپ کو عطا کی گئیں جن کا ادراک نہایت دشوار ہے۔

لغوی تشریح: ولیت آپ کو والی بنایا گیا۔ اولیت آپ کو والی بنا کر عطا کیا گیا۔ الادراك کسی شیء کا احاطہ کرنا، ذاتی طور پر یا صفاتی طور پر۔ المقدار وہ آلہ جس سے کمیت وکیفیت کا اندازہ لگایا جائے۔ الرتب جمع ہے رتبہ کی۔ النعم جمع ہے نعمۃ کی۔

معنوی تشریح: کہا گیا ہے کہ پہلا مصرع فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى (پارہ

۲۷،سورۂ النجم،آیت ۱۰) کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا مصرع وَلَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (پارہ ۲۷،سورۂ النجم،آیت ۱۸) سے عبارت ہے۔ آیات کی تفخیم میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ افہام (ذہن یا عقول) مَا اَوْحٰى کی تفسیر کی تفصیل سمجھنے سے حیران (قاصر) ہیں کیونکہ افہام آیات کبریٰ کی تعیین میں سرگرداں ہیں۔

(۱۱۶)

بُشْرٰى لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا
مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمِ

ترجمہ: اے معشر اسلام، ہمارے لئے خوشخبری ہے کہ ہمیں بطور عنایت وہ رکن عطا کیا گیا جو منہدم ہونے والا نہیں ہے۔

لفظی تشریح: بشریٰ یہ مصدر ہے اور اس سے ایسی خوشی مراد ہے جو چہرے کی حالت کو بدل دے (چہرے پہ خوشی کے آثار ظاہر ہوں) وہ اچھی حالت اور نیک پررونق صورت ہوتی ہے۔ معشر الاسلام کو نصب بطور اختصاص ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نحن معاشر الانبياء لانورث ۔ (ترجمہ) ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ (سنن الکبریٰ، نسائی، ۶۲۷۵) بعض نے کہا: یہ منادی ہے (منادی مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے) ان مکسورہ برائے تعلیل (سبب بیان کرنے کے لئے) ہے۔ عناية سے مراد وہ الطاف خفیہ ازلیہ مراد ہیں جو دائمی اور واضح سعادت کا سبب بنتے ہیں۔ رکن، کسی شے کا رکن اس کا ایسا جزو اور ایسا مرجع ہے جس پر وہ اعتماد کرتا ہے۔

معنوی تشریح: اقبال مندی اور سعادت کی صبح (طلوع ہونے) کی تاثیر سے بشارت خوشی اور جلال سے روشن ہوئی اور معاشر الاسلام کی اقوام عرب اور عجمی جماعتیں کے لئے پھیل گئی اور اس کو رکن رکین اور پختہ اور تا قیامت اس کو دین وراسخ

کے نام سے مخصوص ہوگیا۔

(۱۱۷)

لَمَّا دَعَا اللّٰہُ دَاعِیْنَا لِطَاعَتِہٖ
بِاَکْرَمِ الرُّسْلِ کُنَّا اَکْرَمَ الْاُمَمِ

ترجمہ: جب اللہ نے اپنی اطاعت کی طرف ہمیں بلانے والے نبی کو اکرم الرسل (سب رسولوں سے بزرگ) کے لقب سے پکارا تو ہم اکرم الامم (سب امتوں سے بزرگ) ہوئے۔

لفظی تشریح: دعا پکارنا، نام رکھنا، دعا کا فاعل اللہ ہے۔ داعینا اس کا مفعول بہ ہے۔ (قانون کے مطابق داعی کی یاء کو بصورت مفعول نصب آنا چاہئے مگر) یہاں یاء کا سکون ضرورت کی وجہ سے ہے اور ایک قوم کے نزدیک بعض اوقات بغیر ضرورت بھی آجاتا ہے۔ مثلاً اعط القوس باریہ لطاعته داعینا کے متعلق لطاعته میں لام (حرف جار) بمعنی الی ہے۔ اور اس میں ضمیر کا مرجع اللہ کی طرف ہے۔ باکرم الرسل (جار مجرور) دعا کے متعلق ہے۔ الرسل، رسول کی جمع۔ بسکون سین۔ یہ ایک لغت ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ داعینا فاعل سے بدل ہے۔ اور لطاعته دعا کے متعلق ہے اور ایسے ہی باکرم الرسل ہے کیونکہ آپ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہیں۔

معنوی تشریح: کنا اکرم الامم کا معنی یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ باکرامت امت ہیں کیونکہ امت کا شرف اس کے نبی کے شرف کی وجہ سے ہے۔ قرآن پاک میں ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہو۔ (پارہ ۴، سورۂ آل عمران، آیت ۱۱۰)

ناظم نے یہاں ایک ہلکا سا اشارہ بھی کیا ہے، وہ یہ کہ امت کا سب سے بہترین

ہونے کی صفت سے موصوف ہونے کا مفہوم یہ بھی ہے کہ ایسی امت کا رسول بھی اکرمیت کی صفت سے موصوف ہوگا لیکن ناظم نے اس استدلالی قضیہ کو رسالت کے بلند مرتبہ مصطفوی، مرتضوی کی تکریم کی خاطر معکوس کر دیا کیونکہ ہمارا بہترین امت ہونا آپ کے فضائل میں سے ہے کیونکہ مفعول ومشروع تقاضے کے مطابق تابع کی عزت متبوع کی عزت کے باعث ہے۔

جب ناظم قصہ معراج اور اس کے متعلق باتوں (جیسے وصال کا حاصل ہونا اور آرزوؤں کا پورا ہونا) سے فارغ ہوئے تو انہوں نے آپ کی غزوات، شجاعت، جہاد کے مجاہدہ اور اہل کفر وعناد اور کجرو اور فاسدین کے دفاع میں جو بڑی بڑی تکالیف برداشت کیں ان کا بیان شروع کیا۔

(۱۱۸)

رَاعَتْ قُلُوْبَ الْعِدٰی اَنْبَاءُ بِعْثَتِهٖ
كَنَبْأَةٍ اَجْفَلَتْ غُفْـلًا مِّنَ الْغَنَمِ

ترجمہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبروں نے دشمنوں کے دلوں کو خوفزدہ کر دیا جیسے کہ شیر کی گرج بکریوں کے ریوڑ پر کپکپی طاری کر دیتی ہے۔

لفظی تشریح: الروح ڈرانا۔ العدی اسم جمع عدو کی۔ انباء جمع نباء کی۔ ایسی خبر جو ذی شان ہو۔ البعثة رسالت۔ النباة شیر کی گرج۔ الاجفال دشمن کو کپکپا دینا، لرزہ طاری کرنا۔ اضطراب پیدا کرنا۔ عقلاً جمع فاعل کی۔ جیسے بزل جمع بازل کی۔

معنوی تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی اخبار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے آثار نے کفار اور مشرکین میں دشمنوں کے دلوں کو یوں ڈرایا جیسے شیر کی گرج (دھاڑ) غافل ریوڑوں کو ڈرا دیتی ہے کیونکہ وہ کپکپانے لگتے ہیں اور اس کی

آواز سے بھاگ جاتے ہیں بغیر اس کے حملہ کئے۔

ناظم نے غافلہ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ (اس بیان کی) ہیئت میں تاثیر زیادہ ہو اور اس شعر میں صحیحین کی حدیث کی طرف اشارہ ہے: **نصرت بالرعب مسيرة شهر** ۔ (بخاری، ۳۳۵، مسلم، ۱۱۶۳)

اور طبرانی نے روایت کیا: **نصرت بالرعب شهرين** ۔ (معجم کبیر، ۱۰۸۹۴)

اس سے مراد وہ باتیں ہیں جو ابن ملقن کی شرح العمدہ میں موجود ہیں اور ہمیں روایت کی گئی کہ آپ نے فرمایا رعب کے ساتھ ایک ماہ میرے سامنے ایک ماہ میرے پیچھے میری مدد کی گئی ہے۔ (معجم کبیر، ۶۵۲۴) اور اس روایت کے مطابق دائیں اور بائیں سمت کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے تو اس طرح پہلی روایت سے مراد ہر سمت میں ایک مہینہ ہے۔

(۱۱۹)

مَا زَالَ يَلْقَاهُمْ فِيْ كُلِّ مُعْتَرَكٍ

حَتّٰى حَكَوْا بِالْقَنَا لَحْمًا عَلٰى وَضَمِ

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر معرکہ میں کفار کے ساتھ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ کافر نیزوں پر یوں معلوم ہوتے تھے گویا کہ وہ قصاب کے پھٹے پر گوشت کی طرح پڑے ہوئے ہیں۔

لفظی تشریح: **يلقاهم** کی میم کو اشباع کے ساتھ پڑھیں گے۔ **المعترك** صیغہ مفعول کے ساتھ بمعنی معرکہ۔ **حكاه** (حکایت) مشابہ ہونا۔ **القنا** نیزہ۔ **الوضم** لکڑی کا ایسا پھٹہ جس پر قصاب گوشت کاٹ کر رکھتا ہے تا کہ مشتری اس میں رغبت کرے۔

معنوی تشریح: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر معرکہ، میدان اور مقام میں

دشمنانِ اسلام سے جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ ان کو نیزوں کی انیوں پر اس طرح مقتول چھوڑا کہ وہ اس گوشت کے مشابہ ہو رہے تھے جس کو آسمان سے معلق لکڑی پر گوشت رکھا ہوا ہے تاکہ وہ دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہو اور دل لگی کرنے والوں کے لئے سامان تفریح ہو۔

اپنے ساتھیوں کو قصاب سے تشبیہ دینا اور کفار کو غنم (بکریوں) سے، یہ ہر شجاعت میں مبالغہ ہے اور دشمنوں کے دلوں کے کمزور ہونے پر دلیل ہے۔

(۱۲۰)

وَدُّوا الْفِرَارَ فَكَادُوْا يُغْبِطُوْنَ بِهٖ
اَشْلَاءَ شَالَتْ مَعَ الْعِقْبَانِ وَالرَّخَمِ

ترجمہ: انہوں نے بھاگنے کو پسند کیا پس وہ قریب تھے کہ وہ ان اعضاء پر رشک کرتے جو عقاب اور دوسرے گوشت خور پرندے اپنے ساتھ اٹھا کر لے گئے تھے۔

لفظی تشریح: الغبطة نعمت حاصل کرنے کا اس طرح ارادہ کرنا جب کہ صاحب نعمت سے زوال نعمت کا قصد نہ ہو۔ اشلاء بروزن اشیاء جمع مکسر ہے۔ شلو کی بمعنی عضو۔ شالت بلند ہونا۔ عقبان جمع عقاب کی۔ الرخمة، پرندے کی ایک قسم۔ یہ دونوں قسم کے پرندے مردار پر آتے ہیں اور اس میں سے کھاتے ہیں اور اس میں سے اپنے بچوں کے لئے بھی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

معنوی تشریح: کفار نے اس سیّد ابرار اور سند اخیار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرار ہونے کی تمنا کی جس کی خدمت کرنے کی تمنا آزاد لوگ بھی کرتے ہیں۔ پس وہ کمال نفرت اور کمزوری کے باوجود وہ اس قدر قریب ہو گئے کہ وہ ایسی باتیں حاصل کرنے کی تمنا کرنے لگے ان اعضاء کو حاصل تھیں جن کو پرندے ان کو اٹھا کر ہوا میں

لے گئے تا کہ وہ سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ جنگ کرنے سے خلاصی پائیں جو کہ تمام اولیاء کرام کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔ آمین!

(۱۲۱)

تَمْضِی اللَّیَالِیْ وَلَا یَدْرُوْنَ عِدَّتَهَا
مَالَمْ تَكُنْ مِّنْ لَّیَالِی الْاَشْهُرِ الْحُرُم

ترجمہ: راتیں گزر جاتی تھیں اور کافر لوگ ان کی تعداد کو نہیں جانتے تھے۔
جب تک کہ حرمت والے مہینوں کی راتیں نہ ہوتیں۔

معنوی تشریح: راتیں اپنے دنوں سمیت گزر جاتی ہیں اور اوقات اپنی علامات کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں لیکن کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نبرد آزما ہونے کی تکالیف پہنچنے کی وجہ سے راتوں کی تعداد سے بے خبر رہتے ہیں سوائے اشہر حرام کی راتوں کے۔ اشہر حرام چار ہیں: رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ کفار صرف ان چار مہینوں کو جانتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرمت والے مہینوں میں جنگ وجدال سے رک جاتے تھے۔

ناظم نے بجائے اوقات یا ایام کا ذکر کرنے کے راتوں کا ذکر کیا۔ اس میں ان کے تمام اوقات کے حال کے برا ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ رات کی تاریکی اور سیاہی اسی بات سے کنایہ ہے یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب ان کی راتوں کا یہ عالم ہے جو کہ آرام اور استراحت کا وقت ہے تو پھر ان کے پریشان دنوں کا کیا عالم ہوگا جو کہ متنوع کدورتوں اور مختلف ضرورتوں کے باعث ان کے لئے تشویش کا سبب ہیں۔

(۱۲۲)

كَأَنَّمَا الدِّينُ ضَيْفٌ حَلَّ سَاحَتَهُمْ
بِكُلِّ قَرْمٍ إِلَى لَحْمِ الْعِدَى قَرِمِ

ترجمہ: گویا دین اسلام ایسا مہمان تھا جو ہر کافر سردار کے گھر کے صحن میں اترا اور دشمنوں کا گوشت کھانے میں بہت حریص تھا۔

لفظی تشریح: القوم سردار، القوم گوشت کی بہت زیادہ خواہش رکھنے والا۔

معنوی تشریح: کفار پر جو مصائب آئے اس کی وجہ ان کی کمزوری تھی۔ دین اسلام کی مثال ایک ایسے بادشاہ کی ہے جو اپنے لشکر سمیت آیا اور ہر لشکری اعداء کو کھانے میں حریض ہے اور دشمنوں کی نظروں میں بہت بہادر اور خوفناک ہے۔

بے شک کفار جس مصیبت میں واقع ہوئے وہ صرف اپنی کمزوری کی وجہ سے واقع ہوئے کیونکہ دین اسلام ایک بادشاہ کے مجسمے کے ساتھ، جس نے ایک مہمان کو اپنے گھر کے صحن میں چھوڑا۔

پس انہوں نے جانا کہ وہ کیا شے ہے اور سرگرداں رہے۔

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دین ایک ایسی شے ہے جس کی خدمت اس کے وصول کرنے کے لئے اور اس کے حضور حاضر ہونا اور حاصل کرنے کو غنیمت جاننا ضروری ہے ورنہ وہ اربابِ کمال کے دلوں میں منتقل ہو جائے گا۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضمیر ضیف (مہمان) اور اہل ارتحال میں سے ہے۔

(۱۲۳)

يَجُرُّ بَحْرَ خَمِيسٍ فَوْقَ سَابِحَةٍ
يَرْمِي بِمَوْجٍ مِّنَ الْأَبْطَالِ مُلْتَطِمِ

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز رفتار سواریوں پر سوار ایک لشکر جرار سے نکلے جس میں بہادر دریا میں ٹھاٹھیں مارنے والی موجوں کی مانند تھے۔

لفظی تشریح: الجحو کھنچاہ الخمیس ایسا لشکر جس کے پانچ ارکان ہوں: مقدمہ، ساقہ، قلب، میمنہ اور میسرہ۔ لشکر کو سمندر کے ساتھ تشبیہ، ہیبت، رفتار، ہلاکت اور چمک میں ہے اور لشکر بعض بعض پر میدان اور ہیجان میں موج مارتا ہے۔

بڑے بڑے لشکر جنگ میں آپ کے حکم کے مطابق چلتے ہیں اور آپ کے حکم سے جنگ سے رک جاتے ہیں۔ (فوق سابحة) یہ بحر کی صفت ہے یعنی اونٹوں اور گھوڑوں پر چلنے والا اگر وہ ایسے ہی ترمی بموج ہے یعنی یہ بھی بحر کی صفت ہے۔ یہاں پر باء متعدی بنانے والی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ترمی بشرر ترمی میں ضمیر بحر کی طرف یا خمیس کی طرف راجع ہے۔ سابحة کی طرف نہیں جیسا کہ بعض کا وہم ہے۔ الموج سمندر کی وہ کیفیت جو تلاطم اور اضطراب کے نتیجہ میں حاصل ہو۔ من یہاں پر بیانیہ ہے۔ ملتطم موج کی صفت ہے یعنی سمندر کا بعض شدت ہیجان کے ساتھ بعض کو مارنے والا ہے۔ الالتطام پہلوانوں کا ٹکرا جانا۔ مسابقہ اور ہتھیاروں کے ٹکراؤ کی ضد ہے۔ ابطال، بطل کی جمع، بہادر۔

معنوی تشریح: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لشکر کی قیادت فرماتے تھے جو پانچ ارکان پر مشتمل ہوتا اور جو سمندر کی موج کے مشابہ ہوتا۔ وہ لشکر اور ہلاکتوں کے میدان میں داخل ہونے والے گھوڑوں اور اونٹنیوں پر سوار ہو کر چلتا ہے۔ یہ سواریاں ہر تکلیف کو قبول کرتی ہیں۔ میدان جنگ کے محل وقوع اور اوقات کی تدبیر کرتی ہیں اور زمانہ جنگ میں بوجھ اٹھا کر (منزل مقصود) تک پہنچاتی ہیں۔ یہ (لوگوں کا سمندر) سمندر تلاطم خیز موجیں مارتا ہے۔

(۱۲۴)

مِـنْ كُـلِّ مُنْتَدِبٍ لِّلّٰـهِ مُـحْتَسِـبٍ
يَسْـطُوْ بِـمُسْتَـا صِلٍ لِّلْكُفْرِ مُصْطَلِمِ

ترجمہ: وہ نوجوان اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہیں اور ثواب کی امید کرتے ہیں۔
ان میں سے ہر ایک کفر کو ہلاک اور جڑ سے اکھیڑنے کے عزم سے حملہ کرتا ہے۔

لفظی تشریح: کہا جاتا ہے: نـدبه، اس نے پکارا۔ و انتدب اور اس سے جواب دیا۔ علامہ جلال الدین محلی نے فرمایا ہے کہ منتدب دال پر زبر کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے مدعو (جسے پکارا جائے) پس وہ غیر محل میں ہے۔ شیخ زکریا نے اس کو غریب جانا جب کہ انہوں نے نـعقب کے طور پر اس کی اتباع کی۔ قاموس میں ہے: نـدبه الـى الامـر اس کو پکارا، برانگیختہ کیا اور اس کو اکسایا (وغیرہ معانی ہیں) اور انتدب الله لـمن جزع فی سبيله یعنی جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جزع کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا وغیرہ کو بخشش کے ساتھ قبول کیا۔ الاحتســاب ثواب طلب کرنا اور نیت حاصل کرنے میں کوشش کرنا اور اخلاص اور اجر کا حساب حاصل کرنا۔

لله بعض نے کہا ہے کہ اس کا تعلق محتسب کے ساتھ ہے اور واضح یہ بات ہے کہ اس کا تعلق مــنــتــدب کے ساتھ ہے کیونکہ اس کے ساتھ اس کا مخصوص ہونا بدلیل احتساب ہے بخلاف انتداب کے۔ اور اس میں تنازع کا بھی احتمال ہے۔

یسـطو حملہ کرنا۔ استـاصـلـه جڑ سے اکھیڑنا۔ اصـطـلم ہلاک کرنا۔ ''من کل'' یہ کلمہ یا تو من الابطال کا بدل ہے یا اس کا بیان ہے اور یہی وجہ سب سے بہتر ہے۔ یہ شعر ان نوجوانوں کی بلند آوازوں اور قیمتی مقاصد کے وصف میں کہا گیا ہے جیسے کہ پہلا شعر تعداد کی کثرت اور افراد کی عمدگی اور مدد کی غایت و نہایت کے لحاظ سے

جیش کے وصف میں کہا گیا ہے۔

معنوی تشریح: وہ ماہر نوجوان، گمراہوں کے نوجوانوں میں موجود ہیں اور وہ سب کامل رغبت کے ساتھ دعوت کو حقیقی طور پر قبول کرنے والا ہے۔ اور شامل ثواب کی وجہ سے اخلاص نیت کے ساتھ کوشش کرنے والا ہے۔ ہر ایک اللہ تعالیٰ کی قوت سے حملہ کرتا ہے اور چکر لگاتا ہے۔ وہ چکر لگاتا ہے اس طرح کہ ملتبس ہو کر کفر اور کفار کو جڑ سے اکھیڑتا ہے اور جنگ کے ہتھیار تلوار اور نیزے کے آلات کے ساتھ باطل کو اس کی اصل و نسل سے ہلاک کرنے والا ہے۔

(۱۲۵)

حَتّٰی غَدَتْ مِلَّةُ الْإِسْلَامِ وَهِيَ بِهِمْ
مِنْ بَعْدِ غُرْبَتِهَا مَوْصُوْلَةَ الرَّحِمِ

ترجمہ: حتیٰ کہ ملت اسلامیہ اپنی اجنبیت (غربت) کے بعد اقرباء سے مل گئی حالانکہ وہ پہلے بھی انہیں میں سے تھی۔

لفظی تشریح: حتی یہ حرف جر کی غایت کے لئے ہے (وھی بھم) یہ جملہ حالیہ ہے۔ اور موصولہ الرحم یہ غدت کی خبر ہے۔ الرحم بمعنی قرابت۔ صلہ الرحم قریبی رشتہ داروں کی غایت کرنا انعام دینے سے یا زیادہ عطا کرنے سے یا ان سے کوئی عہد و پیمان کیا یا ان کو تلاش کیا (ان کا حال احوال دریافت کیا) یا ایسی کوئی چیز ان کو دی جس کی ان کو ضرورت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپس میں صلہ رحمی کرو۔ اگرچہ سلام کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ (مجمع الزوائد، ۱۳۴۵۹) من بعد یہ غدت کے متعلق ہے۔

معنوی تشریح: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اور چھوٹے لشکروں کو کھینچتے رہے (قیادت فرماتے رہے) اور گھوڑوں اور سواریوں سے سفر طے کرتے رہے

یہاں تک کہ ملت اسلام اس طرح ہوگئی کہ شدت جنگ اور بار بار کے حملے بھی ان کے درمیان مفارقت نہ کر سکے حالانکہ وہ ملت اسلامی آپس میں ملتبس ہے۔ یہ امت کمزور اور اجنبی ہونے کے بعد صاحب شوکت اور مددگار بن گئی اور یہ کہ غربت اور وصل سے مراد کو اس مقام کو لازم ہے وہ اہانت اور اکرام ہے۔

اس شعر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: "اسلام غریب ہو کر شروع ہوا اور عنقریب غریب کی طرف لوٹ جائے گا۔ پس مبارک ہے غرباء کے لئے۔" اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

(مسلم رقم الحدیث: ۳۷۰)

یعنی اسلام آیا اور ایسی قوم کے درمیان ظاہر ہوا جو اس کو قائم نہیں رکھ سکتی تھی۔ پس وہ (اس طرح) مقطوع الرحم تھی پھر اسی کے متعلق صحابہ کرام علیہم الرضوان نے فرمایا: تو پھر انہوں نے صلہ رحمی کی اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیا۔

(۱۲۶)

مَكْفُوْلَةً اَبَدًا مِّنْهُمْ بِخَيْرِ اَبٍ
وَخَيْرِ بَعْلٍ فَلَمْ تَيْتَمْ وَلَمْ تَئِمِ

ترجمہ: (وہ ملت) کفار کے شر سے محفوظ ہوگئی بہ سبب بہترین باپ اور بہترین خاوند کے۔ پس اب (وہ ملت) نہ تو یتیم ہوگی اور نہ ہی بیوہ۔

معنوی تشریح: مکفولة یہ غدت کی دوسری خبر ہے یا یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے جو ھی ہے۔ مکفولة بمعنی محفوظة ہے۔ اس معنی کی صورت میں منهم میں جمع کی ضمیر کا مرجع کفار ہیں یا بمعنی متکلفة اس صورت میں ضمیر نیک نوجوان (ابطال ابرار) کی طرف راجع ہے۔

ایک نسخہ میں منهم کی بجائے منه (یعنی جمع کی بجائے واحد کی ضمیر) ہے پس

ایسی صورت میں ضمیر نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ اب اور بعل سے ناظم قصیدہ کی مراد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے بعد خلفائے راشدین ہیں۔ ان کے بعد علماء مجتہدین اور امرائے مجاہدین مراد ہیں۔ کہا جاتا ہے: یتم الولد جب کہ بچے کا والد فوت ہو جائے اور وہ چھوٹا ہو۔ اور آمت المرأۃ سے فعل مضارع یئیم جیسے باع بیع باب ضرب یضرب۔ جب وہ (عورت) اپنے خاوند سے چھوٹ جائے۔ ناظم نے جوابداً کہا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ نسخ اور تبدیل سے محفوظ ہے۔

معنوی تشریح: ملت اسلامیہ محفوظ ہوگئی۔ پس اللہ کی کفالت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ اس طرح کہ ایک مشفق مربی اس کو اپنی فصیل اور ایک نرمی کرنے والا قائم رہنے والا اپنی حمایت میں رکھے گا بلکہ وہ ہمیشہ اولی الامر اور اولوالعلم جو کہ اصحاب عدل، کرم اور حلم ہیں ان کے ساتھ مربوط ہیں اور جلیل بادشاہ (اللہ تعالیٰ) کی حمایت کے ساتھ محفوظ ہے۔ پس بہترین کفیل اور بہترین وکیل ہے۔

(۱۲۷)

هُمُ الْجِبَالُ فَسَلْ عَنْهُمْ مُّصَادِمَهُمْ

مَا ذَا رَاٰی مِنْهُمْ فِیْ کُلِّ مُصْطَدَمِ

ترجمہ: وہ لشکر (ثبات ووقار میں) پہاڑ ہیں۔ ان سے ٹکرانے والوں کا حال کافروں سے پوچھ کہ انہوں نے مسلمانوں سے ٹکرا کر ہر معرکہ میں ان سے دیکھا۔

لفظی تشریح: ھم الجبال یہ تشبیہ بلیغ کی قسم میں سے ہے جیسے زید الاسد میں ہے۔ اس میں وجہ شبہ ثابت قدمی (بغیر کسی قرار کے فرار ہونا) صلابت، عظمت، معدنی ہیبہ، مصادمت ومقارعت ہے۔ مصطدم یہ مصدر ہے یا اسم مکان یا زمان

ہے۔ ماذا رأوا بدل ہے۔

معنوی تشریح: شعر میں منهم بالاشباع پڑھا جائے گا۔ فسل میں فاء شرط محذوف کا جواب ہے۔ اس کی تقدیر یوں ہے: ان لم تصدقنی فاسئل عنهم ۔ اگر تو میری تصدیق نہیں کرتا تو ان سے پوچھ لے ان کا گرنا کیونکہ پہاڑ سے (گرنے والا) ٹکرانے والا ٹوٹ جاتا ہے اور ہلاک ہوجاتا ہے یا پیچھے رہ جاتا ہے تو فوراً شکست کھا جاتا ہے۔ ان (کفار) سے پوچھو کہ انہوں نے کیسے مردوں کو دیکھا؟ یعنی شدت وصبر میں، محنت وشکر میں ہر حرکت اور حرکت کے زمانہ میں وہ جیالے نو جوان ہیں۔

ایک نسخہ میں مصادم میم کے فتحہ کے ساتھ اور ماذا رأی بصیغہ مفرد ہے تو اس صورت میں مصادم بمعنی مواضع حرب (جنگ کی جگہیں) ہے۔ اور رأی بصیغہ مفرد کا معنی ہوگا ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی جگہوں کو دیکھ لیا اور یہی زیادہ مناسب ہے۔

اگلا شعر عطف تفسیری کے طریقہ پر ہے یا وہ از قبیل عطف الخاص علی العام ہے۔

(۱۲۸)

فَسَلْ حُنَيْنًا وَّسَلْ بَدْرًا وَّسَلْ اُحُدًا
فُصُوْلُ حَتْفٍ لَّهُمْ اَدْهٰى مِنَ الْوَخَمِ

ترجمہ: غزوۂ حنین، غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کے مقالات سے (ان کا) حال پوچھ (جبکہ) کافروں کے لئے موت کی ایسی فصلیں موجود تھیں جوان کے لئے وباء سے بھی زیادہ اذیت ناک تھیں۔

لفظی تشریح: حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ احد مدینہ منورہ کے قریب ایک پہاڑ ہے۔ فصول بدل ہے یا خبر مبتداء محذوف کی ہے۔

معنوی تشریح: ان جگہوں کے متعلق ان لوگوں سے پوچھو جو اس زمانہ کے واقعات پر مطلع ہوئے، کیونکہ ان زمانوں میں دشمنوں کو مختلف قسم کی ہلاکتیں اور مصیبتیں جو کہ وباء سے بھی زیادہ سخت تھیں، پائی گئیں۔

ان غزوات کی تفصیل سیر کی کتابوں میں مسطور ہے اور بعض تفسیر کی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ احد کا ذکر نا مناسب ہے کیونکہ اس میں شکست بھی مذکور ہے، تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ بہادری تو شکست کے وقت ثابت قدمی اور تحفظ کی وجہ سے معلوم ہوتی ہے اور مسلمانوں کا حل کفار کے حال سے زیادہ قوی ہے، کیونکہ بعض ہزیمت (میں مسلمان) ثابت قدم رہے یہاں تک کہ کفار خائب وخاسر اپنے شہر کو لوٹ گئے اور وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے قادر نہ ہوئے۔ اور یہ بہتر ہے کہ یوں کہا جائے۔ اگر چہ وہ مسلمان ابتداء میں غالب آ گئے تھے۔ پھر وہ اپنے غنائم میں متفرق ہو گئے اور مسلمانوں نے مراکز اور قرار کی جگہوں کو چھوڑ دیا تو کفار نے فرار کے بعد وہ حیلہ کیا اور پیچھے سے داخل ہو گئے تو قتال واقع ہوا سو ہوا۔

اس کے باوجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تحفظ کے ساتھ ثابت قدم رکھا اور ان کے استیصال سے خلاصی دی تو اس طرح غلبہ اولاً آخراً، ظاہراً وباطناً مسلمانوں ہی کا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلك ۔

(۱۲۹)

اَلْمُصْدِرِی الْبِیْضِ حُمْرًا ۚ بَعْدَ مَا وَرَدَتْ
مِنَ الْعِدٰی کُلَّ مُسْوَدٍّ مِّنَ اللِّمَمِ

ترجمہ: وہ نوجوان مسلمان چمکدار سفید تلواروں کو ان کے خون سے سرخ کرنے والے تھے۔ وہ دشمن جن کی کنپٹیاں سیاہ تھیں یعنی وہ جوان تھے۔

لفظی تشریح: اصدر گھات سے نکالنا۔ اورد داخل کرنا۔ ورد داخل ہونا۔

ما مصدریہ ہے۔ مصدری بیض کی طرف مضاف ہے۔ اس وجہ سے ان کا نون ساقط ہو گیا (اصل میں جمع مذکر سالم اسم فاعل کا صیغہ تھا) اور وہ بتقدیر یمدح منصوب ہے۔ البیض صیقل شدہ تلواریں۔ اس کو نصب پڑھنا بھی جائز ہے جیسے پڑھا گیا۔ والمقیمی الصلوٰۃ نون کو برائے تخفیف حذف کیا گیا۔ حمرا: یہ بیض سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی خون کے ساتھ آلودہ ہیں۔ من العدی یہ ومن البیض سے حال ہے اور یہ وردت کا مفعول ہے۔ ومن اللمم یہ مسعود کا بیان ہے۔ لمم جمع لمۃ کی ہے۔ وہ بال جو کندھے تک لٹکے ہوتے ہیں اور مراد ان کے اگنے کی جگہ ہے۔

معنوی تشریح: اس شعر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کفار میں سے جو مقتول ہیں ان میں سے اکثر نوجوان ہیں۔

(۱۴۰)

وَالْكَاتِبِيْنَ بِسُمْرِ الْخَطِّ مَا تَرَكَتْ
اَقْلَامُهُمْ حَرْفَ جِسْمٍ غَيْرَ مُنْعَجِمِ

ترجمہ: وہ مسلمان گندم گوں رنگ کے نیزوں کے ساتھ لکھنے والے تھے اور ان کے قلموں نے جسم کا کوئی حصہ بغیر کسی نشان کے نہیں چھوڑا۔

لفظی تشریح: الکاتبین المصدری پر عطف ہے۔ یعنی گندم گوں نیزوں کے ساتھ سرکش کرنے والے۔ وہ نیزے ہیں۔ سمر جمع ہے اسمر کی۔ سمر اس کا ایک درخت ہے۔ بعض نے کہا کہ سمر یمامہ میں ایک جگہ کا نام ہے جہاں ہند سے سامان ضرورت لے جایا جاتا ہے۔ وما ترکت اقلامھم اقلام سے مراد ان کے تیر اور نیزے ہیں۔ حرف جسم کفار کے جسم کا ایک حصہ۔ غیر منعجم بغیر کسی نشان کے۔ غیر بطور حرف کی صفت کے منصوب ہے۔ اور غیر مجرور ہونے کی صورت

میں جسم کی صفت ہے۔ جملہ منفیه (ماترکت...... معجم) اقلامها کی روایت کے مطابق سمر الخط سے حال ہے اوراس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ نیا جملہ ہو اور ما موصولہ بمع اپنے صله الکاتبین کا مفعول ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے۔

معنوی تشریح: ان دونوں شعروں میں عبارت واشارت کے لطائف وظرائف مخفی نہیں ہیں۔ ان کا معنی یہ ہے کہ اہل عقل ودانش صحابہ کرام علیہم الرضوان اپنی سفید تلواریں دشمنوں کے سروں پر مارتے ہیں اوران کے خون سے سرخ رنگ دے کر ان تلواروں کو نکال لیتے ہیں اور نہ ٹوٹنے والے نیزوں کے قلموں سے ان کے چہروں کے اوراق پر ان کی نامرادی ان ہی کے سرخ خون سے رقم کرتے ہیں اوران قلموں کی تحریر سے کوئی جسم اور بال اگنے کی جگہ محفوظ نہیں رہ جاتی۔

(۱۳۱)

شَاكِي السِّلَاحِ لَهُمْ سِيمَا تُمَيِّزُهُمْ
وَالْوَرْدُ يَمْتَازُ بِالسِّيمَا مِنَ السَّلَمِ

ترجمہ: مسلمان ہتھیاروں سے لیس ایسی امتیازی شان کے مالک تھے جیسے گلاب ببول کے درخت سے ممتاز ہوتا ہے۔

لفظی تشریح: المصدری البیض موصوف اور شاکی السلاح صفت ہے، یا اول الذکر مبدل منہ اور مؤخرالذکر بدل ہے، یا اول الذکر ذوالحال اور مؤخرالذکر حال ہے۔ یہ الشوكة سے قلب کر کے اسم فاعل بنایا گیا ہے۔ السیما علامت۔ السلم ببول جو کہ گلاب کے مشابہ ہوتا ہے لیکن گلاب کا حسن منظر اور خوشبو اسے ببول سے ممتاز کر دیتی ہے۔

معنوی تشریح: مسلح، طاقتور اور بہادر اور نیک سیرت مسلمان کفار کے مقابلے میں بڑے سخت لیکن آپس میں ایثار پیشہ، متواضع، کریم اور رحمدل ہوتے ہیں۔ ان کے

احباب ان کی عمدہ نشانیوں سے انہیں اعداء سے ممتاز کر لیتے ہیں جیسے گلاب ببول سے ممتاز ہوتا ہے۔

ان کی نشانی ان کے چہروں میں سجدوں کے اثرات ہیں۔

(۱۳۲)

تُهْدِیْ اِلَيْكَ رِيَاحُ النَّصْرِ نَشْرَهُمْ
فَتَحْسَبُ الزَّهْرَ فِي الْاَكْمَامِ كُلَّ كَمِيْ

ترجمہ: فتح ونصرت کی ہوائیں ان کی خوشبو تجھ تک اس انداز میں پہنچاتی ہیں کہ تو ان میں سے ہر زرہ پوش بہادر کو غلافوں میں شگوفہ گمان کرنے لگتا ہے۔

لفظی تشریح: نشرھم کے میم کے ضمے کو بالاشباع پڑھا گیا ہے۔ تحسب اور تحسب دونوں درست ہے۔ الاھداء ہدیہ ارسال کرنا ہے۔ ریاح النشر سے مراد اس کی برکات اور ثمرات ہیں۔ بعض اوقات ریاح سے مراد مصائب بھی ہوتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

اذاھبت ریاحك فاغتنمھا
فعقبیٰ کل عاصفة سکون

ترجمہ: جب تجھ پر مصائب آئیں تو انہیں غنیمت جان کیونکہ ہر آندھی کا انجام سکون ہوتا ہے۔

اور نشرھم سے مراد ان کی عمدہ خبریں ہیں۔ اکمام جمع کم کی ہے یعنی غلاف، کمی شجاع۔ اس کو کم ضرورت شعری کی وجہ سے کر دیا گیا ہے۔ فتحسب الزھر تشبیہ مقلوب ہے یعنی تو ہر ایک ذرہ پوش بہادر کو غلاف کے اندر پھول گمان کرے گا۔

معنوی تشریح: اس شعر میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے جب بھی تجھے ہوا میں خوشبو محسوس ہو تو جان لے کہ یہ ان کی طرف سے آنے والی ہوا ہے۔ کل کمی کو تحسب کا مفعول اول اور ماقبل کو مفعول ثانی بھی کہا گیا ہے۔ وہ پھول جو غلاف کے اندر ہو وہ بہت حسین اور اس کی خوشبو بہت عمدہ ہوتی ہے۔

(۱۴۳)

كَـأَنَّهُـمْ فِـىْ ظُهُـوْرِ الْخَيْلِ نَبْتُ رُبًـا
مِنْ شَدَّ ةِ الْـحَزْمِ لَا مِـنْ شِدَّةِ الْحُزُمِ

ترجمہ: مسلمان شہسوار گھوڑوں پر ایسے جم کر بیٹھے ہیں جیسے ٹیلے پر گھاس۔ اس کی وجہ ان کا فن شہسواری میں شہسوار ہونا ہے نہ کہ تنگ کا خوب کسے ہوئے ہونا ہے۔

لفظی تشریح: الربا ربوة کی جمع ہے یعنی ٹیلہ۔ شدة الحزم۔ شدت احتیاط اور قوت ثبات۔ الحزم حزام کی جمع ہے جس سے زین وغیرہ باندھی جاتی ہے یعنی تنگ۔

معنوی تشریح: ٹیلے کی گھاس کی جڑیں پانی تک گہری ہوتی ہیں اس لئے وہ گھاس ٹیلے پر بڑی مضبوطی سے قائم رہتی ہے۔ ناظم نے مجاہدین اسلام کے گھوڑوں پر جم کر بیٹھنے کو ٹیلے کی گھاس سے تشبیہ دی ہے اور اس غلط فہمی کا ازالہ بھی کر دیا کہ ایسا تنگ کے خوب کسے ہوئے ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجہ فن شہسواری میں ان کی مہارت ہے۔

(۱۴۴)

طَـارَتْ قُـلُوْبُ الْعِدٰى مِنْ بَأْسِهِمْ فَرَقًا
فَـمَـا تُـفَـرِّقُ بَيْـنَ الْبَهْـمِ وَالْبُهَـمِ

ترجمہ: دشمنوں کے دل مسلمانوں کی بہادری کی وجہ سے نہایت خوفزدہ

ہوئے۔ پس وہ (دل) انسان اور چار پائے کے درمیان کوئی فرق نہیں کر پاتے تھے۔

لفظی تشریح: **فرقاً** بفتحتین۔ از روئے خوف اور گھبراہٹ کے۔ طیران کی جو نسبت قلوب کی طرف ہے۔ یہ کلمہ اس کی تمیز ہے۔ **البھم** باء پر زبر اور ھا پر جزم۔ یہ **بھمۃ** کی جمع ہے۔ وہ بکری کے بچے کو کہتے ہیں۔ مراد چو پائے۔ **البھم** باء پر پیش پر ھا پر زیر۔ جمع **بھمۃ** کی۔ ضمہ اور سکون کے ساتھ بمعنی بہادر۔

معنوی تشریح: دشمنوں کے دل مضطرب ہو گئے اور جنگ میں مسلمانوں کی بہادری (سختی) کی وجہ سے خالی ہو گئے یہاں تک کہ مذکورین کے درمیان کوئی تمیز نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی مسطورین کے درمیان کوئی فرق کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان کی نظر صرف ظاہر پر محصور ہے۔ وہ (ظاہری) گندگی اور طہارت کو جانتے ہیں البتہ مسلمانوں کی نظر بڑی باریک بین ہے جو مناسب معنی کے ساتھ مقرون ہے۔ وہ حق و باطل میں فرق کرتے ہیں اور حق پرست اور باطل پرست کے درمیان تمیز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دو سمندر آپس میں برابر نہیں ہیں اگر چہ وہ (دونوں) حیوان کی نظر میں ظاہر ہے کہ وہ دونوں مساوی ہیں۔ یہ فرات کا پانی میٹھا ہے اور دوسرا سخت نمکین ہے۔ (پارہ ۲۲ سورۃ فاطر آیت ۱۲) پس جس نے چکھا نہیں وہ جانتا نہیں اور جو جانتا نہیں وہ اعتراف کس طرح کرے۔

(۱۳۵)

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ
اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِیْ اٰجَامِهَا تَجِمِ

ترجمہ: جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد شامل ہو، اگر اس کو شیر اپنی کچھاروں میں ملیں تو اطاعت کریں۔

لفظی تشریح: النصرة مصدر مبنی للمفعول ہے۔ الاسد۔ ہمزہ پر پیش اور سین ساکن ہے۔ جمع اسد کی۔ الاجام جمع اجمة۔ وہ جگہ جہاں سرکنڈے بہت زیادہ ہوں۔ تجم۔ تا پر فتحہ اور میم پر کسرہ۔ یہ وجم سے مشتق ہے بمعنی خاموش ہونا جب بھی شکست کھائے۔ دوسری شرط اور اس کا جواب مل کر دونوں پہلی شرط کا جواب ہے۔ یہ توالی شرطین والا مشہور مسئلہ نہیں ہے کیونکہ ان میں دوسری شرط پہلی کا حال ہے اور جواب اسی کا ہے۔ جیسے ان جئتنی ان تادبت اکرمت تواصل میں ہے: ان جئتنی متادبا اکرمتك ۔ یعنی اگر تم میرے پاس مؤدب ہوکر آئے تو میں تمہاری عزت کروں گا اور تادب کا، آنے سے مقدم ہونا ضروری ہے تا کہ آمد کے ساتھ اس کی مقارنت متحقق ہو جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی اگر میں تمہیں نصیحت کر دوں جب کہ اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتا۔ (پارہ ۱۲، سورۂ ھو، آیت ۳۴)

المدد یا رسول اللہ:

جس کو دشمنوں کے ساتھ جنگ میں نصرت، اعانت اور قوت سیّد الاحباء (اہل محبت کے سردار یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی وساطت سے حاصل ہو، تو اگر ایسے انسان کو تمام شیر اپنی جولان گاہ جس کو کچھار کہتے ہیں۔ اور شیر ویسے بھی بہادری اور ہیبت ناکی میں مشہور ہیں، مل جائیں حالانکہ وہ شیر اپنی اپنی کچھاروں میں بڑے جری ہوتے ہیں (لیکن جب وہ ایسے فرد کو ملتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور نصرت حاصل ہو) تو وہ اپنے حال پر پرسکون ہو جاتے ہیں اور انجام کے خوف سے حرکت بھی نہیں کرتے۔

حضرت سفینہ:

اس شعر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو محی السنۃ نے شرح السنۃ میں حضرت

ابن المنکد ر رضی اللہ عنہ سے روایت کی: ''حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ روم کی سرزمین میں لشکر سے (اتفاقاً) جدا ہو گئے یا قید کر لئے گئے تھے تو لشکر کو تلاش کرتے ہوئے بھاگ نکلے تو اچانک راستے میں ایک شیر ملا۔ (شیر حملہ کیا ہی چاہتا تھا کہ) حضرت سفینہ بولے: اے ابوالحارث! (شیر کی کنیت ہے) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور میرا یہ معاملہ ہے، تو شیر (خادمانہ انداز میں) آگے آیا اور ان کے پہلو میں کھڑا ہو گیا اور جب بھی کوئی آواز سنتا تو اس طرف جھپٹتا۔ پھر واپس آیا اور ان کے پہلو بہ پہلو چلنے لگا، یہاں تک کہ آپ لشکر تک پہنچ گئے۔ پھر شیر واپس آ گیا۔

(مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث:۲۰۷۱۱، شرح السنۃ، رقم الحدیث:۳۷۳۲، مشکوٰۃ، رقم الحدیث:۵۹۴۹)

صاحب مشکوٰۃ نے اس حدیث کو باب الکرامات میں ذکر کیا۔

(۱۳۶)

وَلَنْ تَرٰی مِنْ وَّلِیٍّ غَیْرَ مُنْتَصِرٍ
بِہٖ وَلَا مِنْ عَدُوٍّ غَیْرَ مُنْقَصِمِ

ترجمہ: تو ہرگز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ساتھی کو غیر منصور نہیں دیکھے گا۔ اور نہ آپ کا کوئی دشمن ایسا دیکھے گا جو عاجز نہ ہوا ہو۔

لفظی تشریح: مِن دونوں جگہوں میں زائد ہے۔ بہ کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ الانقصام قاف کے ساتھ ایک روایت میں ہے بمعنی انکساری وعاجزی ہے جو انفصام سے بڑھ کر ہے یعنی انکساری بمع جدائی۔ اور غیر دونوں جگہوں میں مجرور بطور وصفیت کے ہے اور منصوب بطور تری کا مفعول ثانی ہونے کے ہے۔ اس طرح کہ رویت سے رویت قلبی مراد ہو اور مرفوع اس صورت میں غیر خبر مبتداء محذوف کی واقع ہو جو کہ ھو ہے۔

معنوی تشریح: تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ساتھی بھی ہرگز ایسا نظر نہیں آئے

گا جو غیر منصور ہو اور کوئی ایسا دشمن تمہیں نظر نہیں آئے وہ جو حالت دشمنی میں عاجز اور مقہور نہ ہو بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر دوست غالب اور آپ کا ہر دشمن عاجز ہے۔

(۱۳۷)

اَحَلَّ اُمَّتَہٗ فِیْ حِرْزِ مِلَّتِہٖ
کَاللَّیْثِ حَلَّ مَعَ الْاَشْبَالِ فِیْ اَجَمِ

ترجمہ: آپ نے اپنی امت کو اپنی ملت کے قطعہ میں اتارا۔ جیسے شیر اپنے بچوں کو لے کر نیستان میں آئے۔

لفظی تشریح: الاحلال اتارنا۔ اشبال جمع شبل کی۔ شیر کا بچہ۔ الاجم شیروں کے غائب ہونے کی جگہوں کے لئے جنس ہے۔ اس کا واحد اجمۃ ہے۔

معنوی تشریح: حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت مرحومہ کو ملت معصومہ کے قلعہ میں اتارا۔ جیسے کہ شیر اپنی اولاد سمیت محفوظ کچھار میں اتر پڑتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ملت امت کے لئے قلعے کی مانند ہے جس نے اس کو ملجا بنایا وہ آفات سے بچ گیا اور اس سے منقطع ہو گیا اس نے مصیبتوں کو چھیڑا جیسے کہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ میرا قلعہ ہے جو میرے قلعے میں داخل ہو گیا۔ وہ میرے عذاب سے مامون ہو گیا۔

(حلیۃ الاولیاء، ۳۷۸۰، مسند الفردوس، ۸۱۰۱، احیاء العلوم، جلد ا، صفحہ ۵۰۰)

دوسرے مصرع میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمال شفقت، رحمت، تادیب اور تعلیم کے باعث اپنی امت کے لئے بمنزلہ ان کے باپ کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی...... (پارہ ۲۲، سورۂ احزاب، آیت ۶) نبی مسلمانوں کی جانوں سے بھی ان کے زیادہ قریب (یا بلند مرتبہ) ہے ان کی ازواج مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ ایک شاذ قرأت میں ھو اب لھم۔ (وہ مسلمانوں کے

باپ ہیں)

(۱۳۸)

كَمْ جَدَّلَتْ كَلِمَاتُ اللهِ مِنْ جَدِلٍ
فِيهِ وَكَمْ خَصَّمَ الْبُرْهَانُ مِنْ خَصِمِ

ترجمہ: کلمات الٰہیہ نے آپ کی شان میں بہت جھگڑا کرنے والے سے جنگ کی اور کثیر مرتبہ خصم کے ساتھ خصومت کرنے میں غالب آئے۔

لفظی تشریح: کم خبریہ ہے۔ جدلت تشدید کے ساتھ۔ جدال پر واقع کرنا۔ فیہ کی ھا کو اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا اور یہ ضمیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ خصم خصومت میں غالب آنا۔ یہ خاصمت زیدا فخصمتہ (میں نے زید سے مخاصمت کی اور غالب رہا) سے مشتق ہے۔ الجدل اور الخصم عین کلمہ کے کسرہ کے ساتھ مبالغہ کا صیغہ مبالغہ کا اور یہ دونوں مفعول ہیں۔ ان پر من زائدہ ہے۔

معنوی تشریح: کثیر مرتبہ اللہ تعالیٰ کی آیات بنیات کے کلمات نے (مخالف کے دلائل کو) قطع کیا اور غالب آئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار نبوت اور اشعار رسالت کے لئے معارضہ کرنے میں وہ آیات یا کلمات مجادلہ اور مجاہدہ کرنے میں پیش پیش ہیں۔ کتنی ایسی کرامات ہیں جنہوں نے واضح دلائل اور ظاہر معجزات کو لازم کیا۔ جو معالجات میں شدید خصومت کرتے ہیں۔

(۱۳۹)

كَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِي الْأُمِّيِّ مُعْجِزَةً
فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالتَّأْدِيبِ فِي الْيُتُمِ

ترجمہ: تجھ کو بطور معجزہ یہی بات کافی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں امی کے

پاس اتنا علم ہے اور یتیمی کی حالت میں اس کے پاس اتنا ادب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمی کہنے کی وجہ:

با زائدہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے قول وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (پارہ۵، سورۃ النساء، آیت۷۹) میں ہے۔ العلم پر الف لام جنس کے لئے ہے۔ اس سے مراد فرد کامل ہے۔ الامی، ام (ماں) کی طرف منسوب ہے۔ وہ ایسا آدمی جس نے باپ کی تربیت نہ پائی ہو یا اس لئے کہ وہ اسی صفت پر موجود ہے جس پر وہ اپنی ماں کے پیٹ سے خارج ہوا یا لکھنا پڑھنا نہ سیکھنے کو امی کہتے ہیں یا اس لئے امی کہتے ہیں کہ اس کو ام العرب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ ایسی قوم ہے جن پر حساب و کتاب کی عدم معرفت غالب ہے۔

التادیب یہ مجہول کا مصدر ہے اور العلم پر معطوف ہے۔ الیتم مصدر ہے اور وہ بمعنی یتیم ہے جیسے عدل بمعنی عادل۔ (جیسا کہ فی الامی کے بعد معجزہ کا کلمہ کہا گیا ہے ایسے ہی فی الیتیم کے بعد بھی اس کا ذکر کیا جانا چاہئے تھا) مگر دوسری جگہ تیم کے بعد معجزہ کا کلمہ ترک کر دیا گیا کیونکہ وہ امر جو خارق عادت ہو۔ معجزۃ سے مراد محض وہ امر جو خارق عادت ہو۔ اگرچہ علماء نے اس کے ساتھ چیلنج کے اقتران کا بھی اعتبار کیا ہے، تحدی ایسے دعویٰ رسالت کو کہتے ہیں کہ جن میں رسول کو بھیجا گیا ہے ان کے معارضہ نہ ہو۔

معنوی تشریح:

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بہت زیادہ ہیں شمار نہیں کئے جا سکتے اور آپ کے خوارق عادات مشہور ہیں جو کہ مخفی نہیں۔ اے مخاطب! اگر تو بصیرت اور ہدایت حاصل کرنے والی آنکھ سے دیکھے اور اپنی آنکھ کو نورِ توفیق کا سرمہ لگائے تو تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ شریفہ کو اعلیٰ صفات کے ساتھ خارق عادت ربانیہ کا محل

اور معجزات سبحانیہ کا مظہر دیکھے گا۔ اے طالب! تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے یہی کافی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خرقِ عادات سے جو آپ کی کمالِ کرامات پر دلالت کرتا ہے یہی بہت ہے کہ آپ کے پاس ایسا علم ہے جو اصول وفروع پر مشتمل ہے اور جو معقول ومسموع کو محیط ہے۔ (یہ علم ایسے آدمی کے پاس ہے) جس نے علماء سے علم سیکھا نہیں اور بیوقوفوں اور جاہلوں کی کثرت کے زمانہ میں ادیبوں کے ساتھ لکھا نہیں جب کہ اس زمانہ میں سابق شرع کی تحریف ہوگئی اور لاحق ہونے والی وحی بدل گئی۔

یوں ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہترین عادات سے مؤدب ہونا اور اس کو کمال طور پر اپنے یتیمی، بچپن اولین تخلیق کی فطرت کی حالت میں، محنت کے ساتھ حاصل نہ کرنے کے باوجود تجھے کافی ہیں بلکہ یہ سخاوتِ الٰہیہ کا فیضان ہے کہ بتوں سے آپ میں عداوت پیدا کردی گئی تھی۔ معصیت سے آپ کو متنفر کر دیا گیا اور ایمان کو ان کا محبوب بنایا۔ عرفان ان کے سپرد کیا گیا اور آپ مقام احسان تک پہنچ گئے۔

یہی معنی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب نے مجھے ادب وعلم سکھایا اور میری بہترین کارکردگی ظاہر ہوئی۔ (المقاصد الحسنہ، ۴۵، کشف الخفاء، ۱۶۴، کنز العمال، ۳۱۸۹۲) بعض نے کہا ہے کہ اصل عبارت یوں ہے: میرا رب میرے ہر ایک پالنے والے سے کافی ہے۔

(۱۴۰)

خَدَمْتُهٗ بِمَدِيْحٍ اَسْتَقِيْلُ بِهٖ
ذُنُوْبَ عُمْرٍ مَّضٰى فِى الشِّعْرِ وَالْخِدَمِ

ترجمہ: میں نے قصیدہ کہہ کر آپ کی خدمت کی تا کہ میں اس کے وسیلہ

سے معافی طلب کروں، ساری عمر کے گناہوں کی جو عمر شعر گوئی اور ارباب دنیا کی خدمت میں گزری۔

لفظی تشریح: المدیح قصیدہ جس کے ساتھ مدح کی جائے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مصدر ہے۔ الاستقالة عفو طلب کرنا۔ ناظم نے یہاں شعر سے اس کا مصدری معنی مراد لیا ہے۔ یعنی ایسی کلام لانا جو موزوں اور مقفی ہو اور اکثر ایسے کلام پر شعر کا اطلاق ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہاں پر مضاف کو مقدر مانا جائے جو کہ استعمال یا تالیف ہوگا یعنی شعر کے استعمال کرنے یا تالیف کرنے میں۔

الخدم بکسر الخاء، جمع خدمته کی۔ اس سے مراد مخلوق کی خدمت ہے۔ جیسا کہ (مطلق) شعر سے شعر مذموم مراد ہوتا ہے۔ استقیل کا جملہ مدیح کی صفت واقع ہو رہا ہے یا خدمته کے فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے۔

مدد کن یارسول اللہ:

میں (ناظم) مدح کی مدد سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے سے مشرف ہوا ہوں اور اسی کے سبب اپنی زندگی کی مدت میں (ساری زندگی میں) کئے گئے گناہوں کی معافی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہوں جو زندگی شعر کے ساتھ لوگوں کی مدح اور مذمت کرنے میں گزاری اور ان کی صحبت میں اغراض فاسدہ کے لئے ارباب دنیا کی خدمات میں ضائع ہوگئی۔

(۱۴۱)

اِذْ قَلَّدَانِیَ مَا تُخْشٰی عَوَاقِبُہٗ

کَاَنَّنِیْ بِہِمَا ھَدْیٌ مِّنَ النَّعَمِ

ترجمہ: ان دونوں باتوں (شعر اور خدمت) نے میرے گلے میں ایسا پٹہ ڈالا جس کے عواقب سے ڈر ہے گویا کہ میں ان دو باتوں کے سبب

چوپایوں میں سے قربانی کا جانور ہوں۔

لفظی تشریح: اذ تعلیلہ ہے۔ التقلید ۔گردن کو باندھنا اور بمعنی التزام بھی آتا ہے۔اور شعر کو قلدانی پر زبر کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ قلدانی اور بهما (دونوں جگہ) میں ضمیر شعر اور خدمته کی طرف راجع ہے۔جن کا ارادہ کیا گیا ہے۔ الهدی جو جانور حرم میں ذبح کے لئے اونٹ گائے اور بکری جیسے جانوروں میں سے هدی کے طور پر دیا جاتا ہے جس کی شان یہ ہے کہ اس (ہدی کے) جانور کے گلے میں کوئی چیز لٹکا کر قلاوہ پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی کا جانور ہے،تو کوئی شیء اس کے ساتھ تعرض نہ کرے، پھر اس کو (منزلِ مقصود) پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ من بیانیہ ہے۔

معنوی تشریح: فضول شعروں اور دنیا کی خدمت کے حصول نے (دونوں نے) میری گردن میں گناہوں کا بوجھ لٹکا دیا جن کے انجام میں قیامت کے روز مختلف قسموں کی سزاؤں کا ڈر ہے۔ اور ان کے سبب ہلاک ہونا بھی ممکن ہے کیونکہ ان دونوں نے مجھے دارالبوار کی ہلاکتوں میں گرادیا۔

(۱۴۲)

اَطَعْتُ غَيَّ الصِّبَا فِي الْحَالَتَيْنِ وَمَا
حَصَلْتُ اِلَّا عَلَى الْاٰثَامِ وَالنَّدَمِ

ترجمہ: میں نے دونوں حالتوں (شعر وخدمت) میں لڑکپن کی اطاعت کی (لیکن) مجھے سوائے ندامت اور گناہوں کے کچھ حاصل نہ ہوا۔

لفظی تشریح: میں نے بچپن کی گمراہی اور ابتدائی جوانی کی اطاعت کی جو کہ استعمال شعر اور اشتغالِ خدمت کی دونوں حالتوں میں وقت خرچ کرنا وقت کا ضائع کرنا ہے حالانکہ میں نے ان دونوں کی طرف سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا ماسوائے اس

کے کہ میں معاصی میں واقع ہوا اور (اس کے نتیجے میں) ممنوعہ باتوں (مناہی) میں واقع ہونے پر ندامت، حسرت اور دکھ حاصل ہوا۔

ندم سے مراد وہ شئے جس پر ندامت مرتب ہو ورنہ نفس ندم سے مراد توبہ ہوتی ہے اور وہ نجات کا سبب اور بلندیٔ درجات کا وسیلہ ہوتی ہے۔ پس وہ شکایت کے تحت داخل نہیں ہوتا۔ حصلت تخفیف کے ساتھ بھی مروی ہے۔

معنوی تشریح: میں اغراض باطلہ اور مقاصد فاسدہ میں سے کسی شیء کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوا مگر یہ کہ معاصی اور ندامت میں گر پڑا۔

ممکن ہے کہ اس شعر میں لف ونشر مرتب ہو، تو بناء علی ہذا فاسقوں کی مدح پر گناہ مرتب ہوئے اور جاہلوں کی خدمت پر ندامت حاصل ہوئی۔

(۱۴۳)

فَيَا خَسَارَةَ نَفْسِيْ فِيْ تِجَارَتِهَا
لَمْ تَشْتَرِ الدِّيْنَ بِالدُّنْيَا وَلَمْ تَسُمِ

ترجمہ: ہائے افسوس! میرے نفس کو اپنی تجارت میں بہت خسارہ ہوا کہ اس نے دین کو دنیا کے عوض نہ خریدا اور نہ ہی ویسے خریدنے کا قصد کیا۔

معنوی تشریح: بعض نسخوں میں عبارت یوں ہے: فیا خسارۃ نفس ہے یعنی (کلمہ نفس کو بجائے یائے متکلم کی طرف مضاف کر کے استعمال کرنے کے) نکرہ ذکر کیا گیا۔ یہاں حرف ندا کے بعد منادیٰ محذوف ہے۔ اصل میں تھا: یاقوم! اعتبروا خسارۃ نفسی اور منادی (ندا دینے والا) خسارہ ہے یعنی خسارہ نداء کرتا ہے تاکہ وہ قوم تم سے اور تیرے معاملے میں عبرت حاصل کرے۔

غیر ذوی العقول کا ندا کرنا عرب کلام میں عام ہے۔ حضرت جلال الدین محلی نے کہا ہے کہ اس میں تعجب کے معنی بھی ہیں یعنی یہ نفس کتنے خسارے والا ہے۔

اشتـــراء سے مراد استبدال ہے۔(تبدیل کرنا، یہاں دنیا بمنزلہ قیمت ثمن ہے) اسی وجہ سے ناظم نے اس پر باء داخل کی ہے۔ السـوم خریداری طلب کرنا۔ السوم باب نصر ینصر سے مشتق ہے۔

معنوی تشریح: اے میرے ساتھیو! غور کرو اور میرے دوستو! میرے فاسد نفس کے خسارہ سے عبرت حاصل کرو جو اس کے کھوٹے معاملے سے متعلق ہے۔ وہ معاملہ یہ ہے کہ اس نفس نے باوجود باقی رہنے والے عقبیٰ کے معارضہ کے، دین قوم پر دنیائے فانی کو ترجیح دی۔ وہ دین ایسا تھا جو نعیم و مقیم تک پہنچانے والا تھا۔ جب کہ اس نے ثمن فانی سے ملک باقی کو نہیں خریدا۔ دنیا کو ترک کر کے دین کو حاصل کرنے کا قصد حسن نیت صفاء قلب کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اس شعر میں ایسا مبالغہ ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے، اور اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ دین اور دنیا کا جمع کرنا ممکن ہے۔ اور بعض اہل اشارہ نے کہا ہے کہ اس نے دین کو دنیا کے ساتھ تبدیل نہیں کیا باوجودیکہ دین ادنیٰ سی تبدیلی کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ لفظ دنیا سے الف کو گرا دیں جو کہ پانچ مانوس باتوں پر دلالت کرتا ہے اور بہ سبب عطیہ کے مقدم ہونے کے اور ہمت کو پختہ کرنے کے لئے نفس کے نون پر برکت کی یاء کو مقدم کریں وہ نفس جو زیب و ینت کا میلان رکھنے والا ہے۔

(۱۴۴)

وَمَنْ يَّبِعْ اٰجِلاً مِّنْهُ بِعَاجِلِهٖ
يَبِنْ لَّهُ الْغَبْنُ فِیْ بَيْعٍ وَّفِیْ سَلَمٖ

ترجمہ: جو آخرت کو دنیا کے بدلے بیچے گا اس کو نقد و ادھار دونوں صورتوں میں نقصان ظاہر ہوگا۔

لفظی تشریح: الآجل مد کے ساتھ۔وہ شے جو کچھ مدت کے بعد آنے والی ہو۔ اس سے مراد عقبیٰ ہے۔ العاجل جو جلدی پہنچانے والا ہو۔اس سے مراد دنیا ہے۔ لفظ منه اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا۔اس کی ضمیر من کی طرف راجع ہے۔ایسے عاجلہ کی ضمیر بھی من کی طرف راجع ہے۔ایک روایت میں عاجلة واحد مؤنث کا صیغہ ہے۔بعض نے کہا کہ منه کی ضمیر دین کی طرف لوٹتی ہے جس کلمہ پر باء (حرف جار) داخل ہے وہ ثمن ماخوذ ہے۔

اور یبن فعل مضارع مجزوم بان ۔ یبین سے مشتق مثل باع یبیع کے ہے بمعنی ظہر، ظاہر ہونا، بیع کی مختلف قسمیں ہیں:

۱- بیع العین بالعین: ایک شیء کی بیع دوسری شئے کے ساتھ۔ یہ بیع مقابضت ہے یعنی باہمی قبضہ لینا ہوتا ہے۔

۲- بیع الدین بالعین: قرض کی بیع کسی شے کے ساتھ، یہ بیع سلم ہے۔

۳- بیع العین بالدین: کسی شے کی بیع قرض کے ساتھ یہ مدانیت ہے۔قرض لینا ہے۔

۴- بیع الثمن بالثمن: ثمن (قیمت) کی ثمن کے ساتھ بیع۔ یہ بیع صرف ہے۔

جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ بیع سلم سے متعلق ہے۔اسی وجہ سے ہم اس کو بیع ماتحت درج کرنے کے ساتھ ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

اس شعر میں حدین کے قول کا رد بھی، جو یہ کہتے ہیں کہ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار ہے۔اور ادھار کے بدلے نقد دینا امر غیر معقول ہے کیونکہ بیع سلم میں ادھار لینے کے لئے کچھ مدت کے بعد بیع کو وصول کرنا نقد عطا کرنا ہوتا ہے اور ماہر قسم کے تاجر ہیں جنہوں نے ایسی بیع کو قبول کیا ہے۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کی ہے۔فرمایا: كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ الخ ایسی بات ہرگز نہیں بلکہ وہ تو عاجلت

سے حاصل ہونے والی شی ءکو پسند کرتے اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (پارہ۲۹،سورۃ القیامہ،آیت۲۱-۲۰) پھر فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ...... الخ (جو عجلت والی چیز کا خواہش تھا۔ہم نے اس چیز سے اس کے جتنا چاہا عجلت کے ساتھ بھیج دیا) یہ نہیں فرمایا کہ جس نے جتنا چاہا ہم نے بھیج دیا اور نہ ہی یہ فرمایا: جس نے بھی چاہا ہر ایک کی خواہش کے مطابق بھیج دیا۔ (اللہ تعالیٰ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارا عطا کرنا مانگنے والے کی خواہش پر منحصر نہیں بلکہ یہ ہماری اپنی مرضی پر موقوف ہے کہ جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا کریں)

پھر فرمایا: ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ...... الخ پھر ہم نے اس (عجلت پسند) کے لئے جہنم کی سزا مقرر کردی کہ وہ مذموم اور مطرود حالت میں جہنم کا عذاب برداشت کرے گا۔اور جس نے آخرت کو چاہا اور اس کے حصول کی تگ ودو کی۔اس حال میں کہ وہ مومن بھی ہو تو ایسے لوگوں کی سعی مشکور ہے، ہم ہر ایک مہلت دیتے ہیں۔ (اے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) باتیں تمہارے رب کی عنایات میں سے ہیں اور تمہارے رب کی عطا کو کوئی رکاوٹ نہیں۔ (پارہ۱۵،سورۃ الاسراء،آیت۲۰-۱۸)

معنوی تشریح: جس نے (دنیا) کو لے لیا اور آجل (آخرت) کو چھوڑ دیا، تو اس کی تجارت میں مکمل خسارہ اور اس کے معاملے میں غبن فاحش اس پر عیاں ہو جائے گا۔

قرابی نے فرمایا: اگر ایک طرف فنا ہونے والا سونا ہو اور دوسری طرف باقی رہنے والا دکھ اور غم ہو تو میں فانی سونے کی بجائے باقی رہنے والے غم کو اختیار کروں گا اور یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو آخرت کی کھیتی حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کردیتے ہیں (یعنی اس کو دنیا بھی ساتھ دے دیتے ہیں) اور جو دنیا کی کھیتی حاصل کرنا چاہتا ہے ہم اس کو اس میں سے

کچھ عطا کر دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔

(پارہ ۲۵، سورۂ الشوریٰ، آیت ۲۰)

(۱۴۵)

اِنْ اٰتِ ذَنْبًا فَمَا عَهْدِیْ بِمُنْتَقَضٍ
مِنَ النَّبِیِّ وَلَا حَبْلِیْ بِمُنْصَرِمِ

ترجمہ: اگرچہ میں نے گناہ کئے ہیں (لیکن پھر بھی) میرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ اور تعلق ٹوٹنے والا نہیں۔

لفظی تشریح: **عہدی** کی جگہ عقدی بھی روایت کیا گیا ہے اور معنی یوں ہے۔ اگر میں گناہ کروں **ان ات ذنبا** کہا۔ **ان اذنبت** نہیں کہا جو کہ قول ظاہر ہے، تو اس سے عدول کرنے کی وجہ یا تو استحضار ہے یا استمرار کا ارادہ ہے۔ **عہدی** نبی پر ایمان لانا اور ان سے امان حاصل کرنا۔ **حبل** بمعنی تعلق۔

معنوی تشریح: اگر میں گناہ کروں تو میرا عہد ٹوٹنے والا نہیں کیونکہ ارتکاب معصیت سے توبہ ٹوٹتی ہے۔ عہد ایمان اور عقد امان نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی میرا تعلق جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن محبت اور آپ کی شفاعت کی امید کے ساتھ ہے، منقطع ہونے والا ہے۔ یہ انقطاع نہ تو میری جانب سے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔

کہا گیا ہے کہ عہد سے مراد وہ مفہوم ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے نکلتا ہے: **من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة** ۔ کہ جس نے **لا الہ الا اللہ** کہا، جنت میں داخل ہوا۔ (مسلم، ۲۹۶) اور **حبل** سے مراد وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ عزوجل کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے، جس نے شیطان کی نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، تو اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا، جس میں ٹوٹنا ہے ہی نہیں۔ (سورۂ البقرہ، آیت ۲۵۶)

(۱۴۶)

فَـاِنَّ لِـیْ ذِمَّةً مِّنْـهُ بِتَسْمِيَتِیْ
مُحَـمَّـدًا وَّهُـوَ اَوْ فَـی الْخَلْقِ بِالذِّمَمِ

ترجمہ: میرا آپ کے ساتھ یہی عہد (نسبت) ہے کہ میرا نام بھی محمد ہے اور آپ اپنی ذمہ داریوں کو تمام مخلوق سے زیادہ وفا کرنے والے ہیں۔

اسم گرامی: منه کو اشباع ضمیر کے ساتھ پڑھا جائے گا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ تسمیه مصدر ہے جو کہ اپنے مفعول اول کی طرف مضاف ہے۔ اس کا دوسرا مفعول محمداً ہے۔ الذمم اول میں زیر کے ساتھ۔ یہ ذمہ کی جمع ہے۔ وہ ذمہ عہد، امان، اسلام اور ایمان ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں ذمہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدۂ شفاعت ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا (نام) محمد یا احمد ہوگا تو میں اس کی شفاعت کروں گا۔ (کنز العمال، ۴۵۲۱۵) اس بیت کا حاصل سبق شعر میں حکم کی تعلیل ہے۔

عظمت نام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم:

چونکہ میرا نام محمد ہے اور وہ احمد (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت پر دلالت کرتا ہے اور اسم، مسمی کی مخالفت سے متغیر نہیں ہوتا۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذمہ داریوں کی رعایت کرنے میں سب سے زیادہ پورا کرنے والے ہیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز ذمہ داریوں کے احاطہ کے ساتھ مستحقین شفاعت کی شفاعت کے لئے کھڑے ہوں گے۔

(۱۴۷)

اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِیْ مَعَادِیْ اٰخِذًا م بِيَدِیْ
فَضْلًا وَّاِلَّا فَقُلْ يَا زَلَّةَ الْقَدَمِ

ترجمہ: اگر بروز قیامت آپ نے اپنے فضل وکرم سے میری دستگیری نہ فرمائی تو اے مخاطب! تم مجھے کہو: قدم کی لغزش والے۔

لفظی تشریح: المعاد، یہ اسم مصدر یا اسم مکان یا زمان ہے۔ اس سے مراد روحوں کا دنوں کی طرف لوٹنا، ہاتھ پکڑنا معاونت کرنے سے کنایۃً ہے۔ فضلاً تمیز واقع ہو رہی ہے۔ الا ہمزہ مکسور اور لازم مشدد ہے اور تنوین کے ساتھ (الًّا) بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ذمہ دار عہد ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لایرقبون فی مومن الاو لاذمة** ۔ ترجمہ: وہ مومن کے بارے میں کسی عہد یا ذمہ داری کا انتظار نہیں کرتے۔ (پارہ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۱۰) اور یہی زیادہ صحیح ہے یعنی اگرچہ میرا کوئی معاون نہیں جو مجھ پر فضل یعنی وعدہ پر احسان زائد کرے یا عدل یعنی ذمہ اور عہد پورا کرے۔

یہاں واؤ بمعنی او ہے اور الا بغیر تنوین کے بھی مروی ہے۔ اس صورت میں یہ مرکب ہے۔ ان شرطیہ اور لا نافیہ سے۔ اس وقت اس کا معنی ہوگا (اگر ایسا نہ ہو تو اس کا ظاہر تو مفسد معنی ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ پس یہ بمعنی شرط اول اور اس کی تاکید کے ہے اور جواب شرط ہے۔ **فقل خطابا لمن جرده من نفسه** ۔ تو تم اس آدمی کو مخاطب ہوتے ہوئے کہو جس نے اس شرط کو اپنے سے مجرد (الگ) کر دیا ہے۔ یعنی کہو: اے قدم کی لغزش! اب حاضر ہو، کیونکہ اب تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے۔ قدم کی لغزش ہلاکتوں میں واقع ہونے سے عبارت ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس کو قدم کی پھسلاہٹ یا پل صراط سے پھسل کر آگ (دوزخ) میں گرنے پر محمول کیا جائے۔

ممکن ہے کہ کہا جائے یہ خطاب عالم ہے یعنی اے مخاطب! تم مجھے کہو: اے فلاں آدمی اپنے قدم کی لغزش سے بچ۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ اس شعر کی تقدیر (اصل میں) یوں ہے۔ پہلا مصرع ہے: ان

ام یکن عهد ۔ اور دوسرے میں سے فضل ہے۔ تو اس میں یہ قباحت ہے کہ اس طرح شرطِ اول بغیر جزاء کے پائی جائے گی۔ ہاں ایک صورت بچ نکلنے کی ہے۔ وہ یہ کہا جائے۔ دوسری جزاء اس پر دلالت کرتی ہے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ معنی اس کا یوں ہے۔ اگر فضل نہ ہو اس وجہ سے کہ عدل ہے۔ تو یہ معنی غیر صحیح ہے اس میں وہی خرابی ہے جو اوپر گزر چکی ہے کیونکہ اس روز (قیامت کے دن) عدل کی نسبت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی طرف بھی نہیں ہوگی اور یہ بات بھی ہے کہ کلام کا مرجع اس طرف ہوگا کہ اگر اس نے عدل کے طور پر میرا ہاتھ پکڑا۔ تو یہ بات بھی نامناسب ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

(۱۴۸)

حَاشَاهُ اَنْ يُّحْرِمَ الرَّاجِیْ مَكَارِمَهٗ
اَوْ يَرْجِعُ الْجَارُ مِنْهُ غَيْرَ مُحْتَرَمِ

ترجمہ: حاشا اللہ! کہ آپ کی بخششوں کا امیدوار محروم رہے یا آپ کا پڑوسی (یا آپ کی پناہ لینے والا) مایوس واپس آجائے۔

لفظی تشریح: حاشاه اس کی برأت بیان کرنے کے لئے یا اس کا معنی ہے: اس سے الگ رہو۔ یحرم یہ فعل مضارع حرم یحرم بروزن ضرب یضرب سے مشتق ہے یا احرم (باب افعال) سے مشتق ہے بمعنی روکنا۔ یہ فعل متعدی بدو مفعول ہے۔ یہ فعل مبنی علی المفعول (مجہول) ہے اور بعض نے کہا: مبنی علی الفاعل (معروف) ہے۔ اگر اس فعل کو معروف کہیں تو (الراجی) مفعول ہوگا اور اس کو نصب پڑھا جانا چاہئے مگر الراجی کے آخر میں سکون ضرورت شعر کی وجہ سے ہے۔ الجار (پڑوسی) مرفوع ہے۔ اس صورت میں فعل یرجع فعل لازم بمعنی یصیر یا یعود ہوگا یا (الجار) منصوب ہے اس صورت میں یرجع بمعنی یرد یا یعید متعدی ہوگا اور

الجار بمعنی پڑوسی نہیں بلکہ جار بمعنی مستجیر ہوگا۔(پڑوس میں عہد وامان میں داخل ہونے والا) منہ کی ضمیر بالاشباع پڑھی جائے گی۔ راجع بسوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ محتوم صیغہ اسم مفعول کا ہے۔ غیر جار سے حال واقع ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔

عطائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے منزہ ہیں کہ لطف وکرم کے امیدوار کو بخشش سے محروم رکھیں یا پناہ لینے والے کو بغیر احترام کے واپس لوٹا دیں کیونکہ آپ تو کرامات کی معدن اور احترامات کا منبع ہیں۔

(۱۴۹)

وَمُنْذُ اَلْزَمْتُ اَفْكَارِیْ مَدَائِحَهٗ
وَجَدْتُّهٗ لِخَلَاصِیْ خَیْرَ مُلْتَزِمٖ

ترجمہ: اور جب سے میں نے اپنے افکار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے ساتھ لازم کیا تو میں نے آپ کو اپنی خلاصی کے لئے بہترین کفیل پایا ہے۔

لفظی تشریح: منذ بمعنی اول مدت کے آتا ہے۔ یہ مفعول فیہ ہے۔ لخلاصی یہ ملتزم کے متعلق ہے اور لام تقویت عمل کے واسطے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: الذمته للشئی فالتزمه ۔ میں نے اس کو کسی شیء کا کفیل بنایا، تو اس نے اس کی کفالت قبول کر لی اور اس کو اپنے آپ پر واجب کر لیا۔ اظہر بات یہ ہے کہ لام علت بیان کرنے کے لئے ہے اور وجدت کے متعلق ہے۔

دافع رنج وبلا:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے مکارم اور عمدہ اخلاق میں سے یہ بات

ہے کہ میں نے جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ کی اور خلوص نیت اور صفائی ضمیر (قلب) کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وتوصیف کرنے میں اپنے افکار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں پھیرا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کفالت قبول کرلی اور مجھے ہر تکلیف اور مصیبت سے خلاصی دینے کی غرض سے کمربستہ ہوگئے۔

(۱۵۰)

وَلَنْ يَّفُوْتَ الْغِنٰى مِنْهُ يَدًا تَرِبَتْ
اِنَّ الْحَيَا يُنْبِتُ الْاَزْهَارَ فِي الْاَكَمِ

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت سے کوئی مفلس ہرگز محروم نہ رہے گا۔ بے شک بارش ٹیلوں پر بھی پھول اگاتی ہے۔

لفظی تشریح: الغناء کسرہ کے ساتھ۔ اگر اس کو اسم مقصور پڑھا جائے تو بمعنی آسانی اور فراخی ہے اور اسم ممدود پڑھا جائے تو بمعنی گانا بجانا ہے۔ الغناء فتح کے ساتھ۔ اگر مقصور پڑھا جائے تو بمعنی اقامت (قیام کرنا) ہے۔ اگر ممدود ہو تو بمعنی کفایت ہوگا۔ ان چاروں کو اکٹھا کیا ہے جس نے یہ کہا ہے: من یکون ذاغنیٰ یمل فی غنائی فی دور غنی اھل الغناء ۔ جو صاحب فراخی (مالدار) ہوگا وہ اور اقامت میں میرے گانے بجانے سے اہل کفایت کو اکتا دے گا۔

منہ کی ضمیر کو اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ یہ غنیٰ کی صفت ہے یعنی ایسا غنیٰ جو اس کی جانب سے ہے۔ یداً ہاتھ سے۔ ترب محتاج ہونا۔ یہاں ہاتھ سے مراد محتاجوں کے ہاتھ ہیں۔ سیاق نفی میں نکرہ کا استعمال عموم کا فائدہ دیتا ہے اور جائز ہے کہ یہاں غنیٰ سے مراد مال لیا جائے۔ اس بات کی تائید وہ نسخہ کرتا ہے جس میں غنیٰ کے لفظ کے بجائے ندیٰ مذکور ہے۔ ندی ندی نون پر زبر بمعنی عطا۔ الحیاء اسم مقصورہ ہے۔ بارش۔ الازھار جمع ہے زھرۃ کی۔ الاحکم جمع اکمۃ اونچی جگہ،

ثلہ۔

معنوی تشریح: اس شعر سے مقصود، آپ کی سخاوت کو عموم نفع کی وجہ سے عام سخاوت بخش کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس سخاوت کا محل عطا کا اہل ہے یا منع کا متحق ہے اور اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ للعالمین ہیں۔ یا یہ کہ آپ باعمل علماء کے لئے ظاہری اور باطنی غنی کا سبب ہیں۔

سابقہ شعر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں التجاء پیش کرنے والے سے تکلیف دور کرنے کو مفید تھا اور یہ شعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سے طامع (لالچی) کے لئے حصول نفع کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پھر چونکہ یہ شعر اس بات کا وہم دلاتا تھا کہ ناظم قصیدہ نے اخروی فائدہ کی بجائے دنیاوی نفع کا ارادہ کیا ہے تو اس وہم کو خیال سے دور کرنے کے لئے فرمایا:

(۱۵۱)

وَلَمْ اُرِدْ زَهْرَةَ الدُّنْيَا الَّتِي اقْتَطَفَتْ
يَدَا زُهَيْرٍ بِمَا اَثْنٰى عَلٰى هَرِمِ

ترجمہ: میں دنیا کا پھول (زیب وزینت) نہیں چاہتا جس کو زہیر کے ہاتھوں نے ہرم کی تعریف کر کے چن لیا۔

لفظی تشریح: اکثر نسخوں میں اقتطفت ہے، پھلوں کو چننا۔

معنوی تشریح: اس شعر میں اس بات کا اشعار ہے کہ مذموم تو صرف یہ بات ہے کہ جب امر فانی کو وصول کرنے کی طلب اور اس کو حاصل کرنے کا تکلف کیا جائے۔ البتہ اگر فانی کا قصد کئے بغیر وہ مقصود باقی کی تبع میں واقع ہو تو کوئی نقصان نہیں دیتی۔ جیسے ہدایت کے لئے محبت کی موافقت کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

زہرۃ الدنیا سے مراد دنیا کی خواہش اور لذتیں ہیں جن کو ان کی رونق اور زینت اور بہت جلدی زوال پذیر ہونے کی وجہ سے پھول کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

زهیر اسم تصغیر ہے۔ وہ سلمی کا بیٹا ہے اور وہ ان سات مشاعروں میں سے ایک ہے جن کے قصیدے کعبہ کے دروازے پر لٹکے ہوئے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کا یہ قول یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَاءَ كِ...... الخ (پارہ ۱۲، سورۂ ھود، آیت ۴۴)۔ (اے زمین! اپنا پانی نگل جا) نازل ہوا تو وہ گر پڑے۔

اس کے باقی خاندان میں سے اس کا باپ ایک بہن ایک بیٹا ایک بیٹی اور ایک پوتا تھا۔ (سبط) کا عموماً نواسے پر اطلاق ہوتا ہے۔

هرم ھاء پر زبر اور راء پر زیر۔ یہ قبیلہ غطفان کا سردار تھا۔ اور ملوک عرب میں سے باعزت تھا۔ زہیر نے اس کے متعلق بہت سے تعریفی اشعار مدحیہ قصائد لکھتے ہیں اور اس سے فوق العادت انعامات اور سواریوں سمیت عطیات پائے۔

کہا جاتا ہے کہ چار شاعر جب اپنی مخصوص کیفیت میں ہوں تو خوب شعر کہتے ہیں:

۱- امرا لقیس جب سوار ہو۔

۲- نابغہ جب خوفزدہ ہو۔

۳- زہیر جب راغب ہو۔

۴- اور اعشیٰ جب خوش ہو۔

بما میں باء سببیہ ہے اور ما مصدریہ ہے یا موصولہ ہے۔

(چونکہ صلہ میں ایک ضمیر ہوتی ہے جو اسم موصول کی راجع ہوتی ہے جس کو عائد کہتے ہیں، تو یہاں پر ما موصولہ ہونے کی صورت میں) عائد محذوف ہے۔

(۱۵۲)

يَـا اَكْـرَمَ الْـخَـلْـقِ مَـالِىْ مَنْ اَلُوْ ذُبِـه
سِـوَاكَ عِـنْـدَ حُـلُـوْلِ الْـحَادِثِ الْعَمَمِ

ترجمہ: اے تمام مخلوق سے بزرگ تر! آپ کے سوا میرے لئے کوئی نہیں کہ حادثہ عام (قیامت) میں جس سے پناہ حاصل کروں۔

لفظی تشریح: الخلق بمعنی مخلوق۔ اس پر الف لام جنس یا استغراق کا ہے۔ ایک نسخہ میں رسل جمع رسول کے، سین پر جزم ہے۔ الغی یا اکرم الخلق کی بجائے یا اکرم الرسل ہے، تو اس طرح تو بطریق اولیٰ یہ بات لازم آتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہوں۔ پہلی صورت میں معتزلہ کا رد ہے کہ وہ تفضیل ملائکہ کے قائل ہیں۔ ما نفی کے لئے ہے یا استفہام انکاری کے لئے۔ الوذ التجاء کرنا۔ پناہ حاصل کرنا۔ الحلول واقع ہونا، نازل ہونا۔ الحادث مفرد ہے حادثات کی بمعنی آفات وبلیات۔ العمم میں مفتوح اور پہلا میم مکسور ہے۔ العمم عین اور پہلی میم دونوں مفتوح۔ یہ دونوں کلمات عم سے مسموع ہیں جو کہ خص (خاص ہونا) کی ضد ہے۔

معنوی تشریح: حادث سے مراد وہ شے ہے جو کہ یا تو موت کو شامل ہو اور وہ قیامت صغریٰ ہے اور یا ساعۃ (قیامت) کو شامل ہو اور وہ قیامت کبریٰ ہے۔ یہاں مقصود اور مراد شفاعت عظمیٰ ہے۔

جان لو کہ جب ناظم قصیدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کی نعمت اور آپ کی صفات کے کمالات کو بیان کر لیا تو اب وہ غیب سے مقام حصور صلی اللہ علیہ وسلم (خطاب) کی طرف منتقل ہوئے اور نہایت اچھے آداب کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے ندا کی، جیسا کہ قرآن مجید کے شروع میں اِيَّـاكَ نَـعْبُدُ (پارہ۱، سورۃ الفاتحہ، آیت۴)

کے متعلق کہا گیا ہے۔

(۱۵۳)

وَلَنْ يَّضِيقَ رَسُوْلَ اللّٰهِ جَاهُكَ بِيْ
اِذَا لْكَرِيْمُ تَجَلّٰى بِاسْمِ مُنْتَقِمِ

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری وجہ سے آپ کی وجاہت میں اس روز ہرگز تنگی واقع نہیں ہوگی جب کہ کریم رب اپنے اسم منتقم سے جلوہ نما ہوگا۔

لفظی تشریح: رسول اللہ منادی ہے حرف ندا کو حذف کردیا گیا ہے۔ یہ وجاہت سے مشتق ہے۔ بمعنی درجہ کی بلندی اور مرتبہ کی وسعت۔ بی یہ جار مجرور یضیق کے متعلق ہے یعنی بہ سبب میری شفاعت فرماتے کے اذا برائے ظرفیت ہے۔ تجلی ایک نسخہ میں تحلیٰ ہے۔

معنوی تشریح: تحلیٰ حاء کے ساتھ ہو تو اس کا معنی متصف ہونا ہے۔ تجلی جسم کے ساتھ ہوت اس کا معنی ہے منکشف ہونا۔ پہلا از روئے روایت کے زیادہ صحیح ہے اور دوسرا از روئے روایت کے زیادہ واضح ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ کا صفات سے) متصف ہونا ازلی ہے اور (ان صفات کا) منکشف ہونا زمانی ہے۔ الکریم اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس ہے۔ ناظم قصیدہ نے اس صفت (الکریم) کو جو کہ صفات جمالیہ میں سے ہے، صفت انتقام کے مقام میں جو کہ صفات جلالیہ میں سے ہے، اس لئے ذکر کیا تا کہ اعتدال حاصل ہو جائے اور لوگوں کے دل منقطع نہ ہوں، تو یہ بڑا لطیف امتزاج ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ (پارہ ۲۹، سورۃ الانفطار آیت: ٦) (تجھ کو اپنے رب کریم کے ساتھ کس شئے نے مغرور بنا دیا) یہ بندے کی تعلیم کی خاطر فرمایا تا کہ بندہ کہے: اے اللہ! مجھے تیرے کرم نے ہی مغرور بنایا۔

یا ان دونوں صفات کو جمع کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو ضرب المثل کے طور پر کہا گیا ہے: نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ الْحَلِیْمِ ۔ ہم بردبار آدمی کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ پہلا شعر (قیامت کے روز) عام تکلیف کے وقت شفاعت کبریٰ کی طرف اشارہ کرتا ہو جب کہ ساری مخلوق حتیٰ کہ انبیاء (علیہم السلام) بھی نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ اور دوسرا شعر اس امت کے لئے تا قیامت کی مختلف جگہوں میں متعدد شفاعتوں کا شعور دلاتا ہے۔ اور یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے باعث ہوں گی۔ اور جاہ ایک ایسا مرتبہ اور مقام ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی مقام و مرتبہ نہیں ہے۔

(۱۵۴)

فَـإِنَّ مِنْ جُـوْدِكَ الـدُّنْيَـا وَضَـرَّتَهَـا
وَمِـنْ عُـلُـوْمِكَ عِـلْـمَ الـلَّـوْحِ وَالْقَلَمِ

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی سخاوت اور بخشش میں سے دنیا اور آخرت ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا کچھ حصہ ہے۔

لفظی تشریح: مـن تبعیضیہ ہے۔ ضـرتهـا منصوب ہے اور دنیا پر معطوف بالاسمیت (اسم ہونے کی وجہ سے) ہے۔ لغوی معنی سوکن ہے۔ ضرۃ بمعنی آخرت۔ آخرت کو سوکن کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی کہ آخرت اور دنیا کو جمع کرنا اسی طرح مشکل ہے جیسے دو عورتوں کو۔ جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی آخرت کو پسند کیا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی دنیا کو پسند کیا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا۔ پس تم فانی کی بجائے باقی پر جھپٹو (اختیار کرو)۔

(مسند احمد، ۱۹۵۸۶، صحیح ابن حبان، ۷۰۹)

بعض اقوال میں سے ایک لطیف بات (جو دنیا کے متعلق) کہی گئی ہے۔

اشعار کا ترجمہ۔

۱- میں دنیا پر عالم کے مؤخر اور جاہل کے مقدم کرنے کی وجہ سے ناراض ہوا تو دنیا نے کہا عذر قبول کرو۔

۲- جاہل لوگ میری اولاد ہیں اس لئے میں نے ان کو اونچا مقام دیا اور عقل مند لوگ میری دوسری سوکن کی اولاد میں سے ہیں۔

عِلْمَ اللَّوْحِ منصوب ہے اور بعض نے کہا کہ مرفوع ہے۔ دونوں (رفع ونصب) کی وجہ ظاہر ہے۔ والجود صفت ہے ایسی عطا کی جو مانگی جائے اور عطاء کسی شیء کے عوض یا کسی لالچ کی وجہ سے نہ ہو۔

معنوی تشریح: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت میں سے ایک آدمی پر سخاوت کر دینے سے آپ کی وجاہت میں ہرگز کمی نہیں ہوگی کیونکہ آپ کی سخاوت اور احسان تمام مخلوق کے ساتھ ہے، دنیا میں ہدایت اور عقبیٰ میں شفاعت سب سے بہتر ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ کونین کا وجود آپ کی سخاوت اور عطاء کی وجہ سے ہے اور یہ کہ آپ تمام ماہیات پر وجود کے فیضان اور تمام موجودات یہ سخاوت کے جاری ہونے میں واسطہ ہیں۔ اس شعر میں اس حدیث لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ کی طرف تلمیح ہے۔

شارحین کرام اور دوسرے مصرع کی شرح میں مضطرب ہوئے۔ بعض نے کہا: مصدر ہے اور یہ فاعل کی طرف مضاف ہے تو معنی ہوا: لوح اور قلم کو جو اشیاء کا علم ہے تو اس صورت میں یہ کہنے کی بھی ضرورت پڑی کہ لوح اور قلم میں ادراک اور شعور کی قوت ہے بہ سبب اس بات کے جوان دونوں کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

بعض نے کہا کہ لفظ ''علم'' اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اس صورت میں معنی ہوا۔ لوگوں کو لوح وقلم کا جو علم حاصل ہے۔ تو پھر یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ اس بات میں کئی اقوال ہیں:

۱۔ بعض نے کہا کہ قلم نے لوح محفوظ پر جو کچھ لکھا اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع کر دیا۔

۲۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد اولین اور آخرین کا علم ہے۔ اور یہی بات اظہر ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ علم لوح سے مراد وہ نقوش قدسیہ اور صور غیبیہ ہیں جو اس میں نقش کئے گئے ہیں اور علم قلم سے مراد وہ ہے جو قلم کے ساتھ لوح میں نقش کیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

یا یہ اضافت معمولی سی ملابست کی وجہ سے ہے۔

وسعتِ علوم مصطفیٰ:

لوح وقلم کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں سے ہونا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلیات وجزئیات، حقائق لوح وعوارف ومعارف، معلق بالذات ومعلق بالصفات کی طرف تقسیم ہوتا ہے اور یہ کہ لوح وقلم کا علم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی سطروں میں سے ایک سطر اور آپ کے علم کے سمندروں میں سے ایک نہر ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ (لوح وقلم کا علم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی برکت سے ہے۔ جیسا کہ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِىْ ۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا یعنی پھر اس نور کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہیبت کی نظر سے دیکھا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ نصف نصف ایک نصف ٹکڑے سے کونین کو پیدا کیا اور قلم سے یہی مراد ہے۔ اسی وجہ سے

(یہ بھی وارد ہوا) کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ (ابوداؤد،۴۷۰۰) تو اب دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہ رہا۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دنیا اور آخرت آپ کے وجودِ باوجود کے آثار میں سے ہیں اور لوح پر قلم سے جو کچھ ظاہر ہوا وہ آپ کے معارف کے اسرار اور آپ کے علوم کے انوار کا کچھ حصہ ہے۔

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حقیقی جاہ و منزلت اللہ تعالیٰ کا علم حاصل کرنے میں اور مخلوقِ خدا پر سخاوت کرنے میں ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ کمال ایمان میں سے یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم اور مخلوق خدا پر شفقت کی جائے۔

(۱۵۵)

يَا نَفْسُ لَا تَقْنَطِيْ مِنْ زَلَّةٍ عَظُمَتْ
اِنَّ الْكَبَائِرَ فِي الْغُفْرَانِ كَاللَّمَمِ

ترجمہ: اے نفس! تو کسی عظیم خطا، لغزش کے باعث ناامید نہ ہو۔ بے شک بڑے بڑے گناہ بخشش (کے سمندر) میں صغیرہ ہوتے ہیں۔

لفظی تشریح: نفس سین پر پیش کے ساتھ مروی ہے۔ اس طور پر کہ وہ منادی مفرد و معرفہ ہے اور سین کے نیچے کسرہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس طور پر کہ وہ منادیٰ یائے متکلم کی طرف مضاف ہے۔

خطاب کرنے کے لئے نفس کو مخصوص کرنے میں اور اس پر جو عتاب مترتب ہوتا ہے اس کو بیان کرنے کا مقصد اس بات کا شعور دلانا ہے کہ ناامیدی صرف نفس کی طرف سے پیدا ہوتی ہے ورنہ عقل تو جائز قرار دے سکتی ہے اور نقل اس کی تصحیح کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک

ٹھہرایا جائے۔ اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش دیتا ہے۔ (پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۴۸)

اس شعر میں معتزلہ اور خارجیوں کا رد ہے جو کہ ورطہ اور احاطہ نقل سے بالکل خارج ہیں اور نفس کی پستی میں داخل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید اور اس کے نفس سے بالکل مایوس ہیں۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا: بے شک اللہ کی رحمت سے سوائے کافر قوم کے اور کوئی بھی مایوس نہیں ہوتا۔ (پارہ ۱۳، سورۂ یوسف، ۸۷)

اس میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ ناامیدی کا محل کفر ہی ہے۔ گناہ ہائے کبیرہ نہیں۔ تقنطی میں نون پر فتحہ بھی ہے اور کسرہ بھی۔ ان الکبائر نیا جملہ ہے، اس میں تعلیل کا معنی پایا جاتا ہے۔

معنوی تشریح: اے نفس! تو لغزش کے بخشے جانے سے یا کسی معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے جو کیفیت میں بڑی اور کمیت میں زیادہ ہو، مایوس نہ ہو کیونکہ بڑے بڑے گناہ، گناہوں کے بخشنے والے کی بخشش کے پہلو میں چھوٹے چھوٹے عیبوں کی طرح ہیں کیونکہ یہ دونوں قدرت کے ماتحت اور مشیت ایزدی کے ضمن میں ہونے کی وجہ سے برابر ہیں جیسے کہ آیت مبارکہ اس طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور تحقیق خبر میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے مخلص اور کامل بندوں کے متعلق یہ آیت اتری: اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۔ (پارہ ۲۷، سورۃ النجم، آیت ۳۹)

تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے ساختہ یہ شعر ارشاد فرمایا:

ترجمہ: اے اللہ! اگر تو نے بخشنا ہے تو سب کو بخش دے جو کوئی بھی ہے وہ تیرا بندہ ہے۔

علامہ قشیری نے اللہ تعالیٰ کی اس آیت (یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا...... الخ)۔ (اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی) کے متعلق فرمایا:

یَاعِبَادِیْ کے ساتھ پکارنا مدح ہے اور اَسْرَفُوْا کے ساتھ ان کا وصف بیان کرنا ان کی مذمت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا تو فرمانبرداروں نے چاہا کہ اس خطاب کا مقصود اور عتاب کا مطلوب، ہم ہی ہوں تو انہوں نے اپنے سروں کو اونچا کرلیا اور گنہگاروں نے اپنی گردنوں کو جھکالیا اور کہا: (اے اللہ!) ہم کون ہیں جو تم ہم سے اس طرح خطاب کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اَسْرَفُوْا فرمایا تو حال پھر گیا اور امیدیں (انجام) بدل گئیں تو جن لوگوں نے سر کو جھکالیا تھا وہ کبیدگی کے بعد خوش ہو گئے اور سروں کو اٹھالیا۔ ان کی ذلت زائل ہو گئی۔

جنہوں نے پہلے سر کو اٹھایا تھا انہوں نے سر پھیر لیا اور ان کی آواز بلند ہو گئی اور ان کو عَلٰی اَنْفُسِهِمْ کہہ کر ان کو سلامتی کا مژدہ سنایا۔ پھر لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۔ (اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو) کی آیت ان پر پڑھی۔ (اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا)۔ (سورۃ الزمر، آیت ۵۳)۔ (بے شک اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ بخش دے گا) پھر اللہ تعالیٰ نے اَلذُّنُوْبَ کو جس پر الف لام استغراقی ہے جَمِيْعًا کہہ کر موکد کر دیا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں سب گناہ بخش دوں گا۔

اگر تمہاری جنایت (گناہ کا ارتکاب) عام ہے تو میری عنایت (بخشش) بھی قدیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری رحمت ہر شے سے وسیع ہے۔

(سورۃ الاعراف، آیت ۱۵۶)

(۱۵۶)

لَعَلَّ رَحْمَةَ رَبِّىْ حِيْنَ يَقْسِمُهَا
تَأْتِىْ عَلٰى حَسَابِ الْعِصْيَانِ فِى الْقِسَمِ

ترجمہ: امید ہے کہ جب میرا رب اپنی رحمت تقسیم کرے گا تو رحمت گناہوں کی مقدار کے مطابق ہر ایک کے حصہ میں آئے گی۔

لفظی تشریح: القسم قاف پر زبر۔ قسمة کی جمع ہے۔

معنوی تشریح: میں اپنے دل کے حسن ظن سے امید کرتا ہوں کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ نفس لوامہ رکھنے والے لوگوں پر اپنی رحمت کو ظاہر اور تقسیم کرے گا۔ تو رحمت ان کے گناہوں کے مطابق ان کے حصہ میں آئے گی نہ کہ ان کی نامرادی کے مطابق۔ ورنہ اس کی رحمت تو ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ وسیع اور اس کا فضل ہمارے عیبوں کی نسبت زیادہ شامل ہے۔

اور بنی نوع انسان سے صادر ہونے والے گناہوں کے مراتب کے مطابق رحمت تقسیم ہوگی۔ وہ اس طرح کہ چھوٹی رحمت چھوٹی نیت کے مطابق اور بڑی رحمت نیت کے مطابق ہوگی۔ ایسے ہی رحمت کا تھوڑا یا زیادہ ہونے کا دارومدار نیت پر منحصر ہے۔

اسی وجہ سے کامل عارفوں میں سے کسی ظریف الطبع نے کہا: قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ظہور رحمت کے کمال میں سے یہ بات ہوگی کہ گناہ گار لوگ دنیا میں اپنی معصیت کی کمی پر نادم ہوں گے۔ اس چیز پر مغنی (کتاب کا نام) کی روایت دلالت کرتی ہے (وہ یہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کے صغیرہ گناہوں کو ظاہر کرے گا اور ان کو بخش دے گا اور ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اس کو بہت زیادہ اجر عطا فرمائے گا تو وہ بندہ کہے گا: (اے اللہ!) میرے تو بڑے بڑے گناہ بھی تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دندانہائے مبارک نمودار ہو گئے۔

(مسلم، ۴۶۶)

پس یہ حدیث امید وسعت پر دلالت کرتی ہے، تو دعا مانگنے اور پناہ حاصل کرنے کو لازم پکڑنا ہر ایک پر واجب ہے۔

(۱۵۷)

یَارَبِّ فَاجْعَلْ رَجَائِیْ غَیْرَ مُنْعَکِسٍ
لَدَیْکَ وَاجْعَلْ حِسَابِیْ غَیْرَ مُنْخَرِمِ

ترجمہ: یارب! میری امید کو سیدھا رکھ (پورا کر) اور میرے گمان کو منقطع نہ کر۔

لفظی تشریح: رب اس کی یاء محذوف ہے (یعنی رب یائے متکلم کی طرف مضاف تھا تو اس کو حذف کرکے) کسرہ پر اکتفاء کیا۔ ایک نسخہ میں واجعل کی واؤ کی بجائے فاجعل یعنی فاء ہے۔ الانخرام خاء کے ساتھ بمعنی منقطع ہونا۔

معنوی تشریح: اے اللہ! میرے عیبوں اور گناہوں کو مٹا کر مجھ پر رحم فرما اور اپنی جناب میں میری امید کو الٹا نہ کر کیونکہ بخشش کی جگہ رسوائی اور رحمت کی جگہ سزا نہیں ہو سکتی اور اے اللہ! تیرے متعلق میرا جو گمان ہے اس کو اپنے فضل سے منقطع نہ کر کیونکہ تو نے حدیث قدسی میں فرمایا: میں اپنے بندے کے ظن کے مطابق ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے۔ (بخاری، ۷۴۰۵، مسلم ۶۷۴۶)

(۱۵۸)

وَالْطُفْ بِعَبْدِکَ فِی الدَّارَیْنِ اِنَّ لَہٗ
صَبْرًا مَّتٰی تَدْعُہُ الْاَھْوَالُ یَنْھَزِمِ

ترجمہ: اے اللہ! اپنے بندے پر دونوں جہانوں میں مہربانی فرما۔ بے شک اس کے پاس ایسا صبر ہے کہ جب مصیبتیں اس کے صبر کو پکاریں تو وہ بھاگ۔

لفظی تشریح: اللطف پوشیدہ طور پر احسان کرنا یا وہ احسان جس کا کوئی ظاہری سبب نہ ہو۔

معنوی تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ یہ بھی مہربانی کی ہے کہ اس کے انجام کو خفیہ رکھا کیونکہ اگر انسان کو اپنی نیک بختی معلوم ہو جائے تو اس کا عمل کم ہو جائے اور وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائے اور اگر اس کو اپنی بدبختی کا علم ہو جائے تو وہ مایوس ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عجز وانکساری کرنا چھوڑ دے۔

بعض نے کہا کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کے لطف میں ایک یہ ہے کہ اس نے بندہ کی اجل (موت) کو چھپا دیا ہے تا کہ وہ گھبرا نہ جائے۔ اگر ہم اس کی اجل کو معلوم کر دیتے تو وہ بندہ، جب کوئی امید لمبی ہو جاتی تو اس کو پورا نہ کر سکتا اور عمل کرنے میں تاخیر کرتا۔

درود وسلام:

ایک نسخہ میں تدعہ کی جگہ تلقہ ہے۔ مصیبتوں اور گھبراہٹوں سے انسان بھاگ جاتا ہے اور مردوں میں سے کوئی بھی ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پابندی کے ساتھ درود پاک پڑھنے سے زیادہ قوی پناہ گاہ اور کوئی نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا شرف اور کرم ہیں۔ اور جب ناظم قصیدہ نے یوں فرمایا:

(۱۵۹)

وَائْذَنْ لِّسُحْبِ صَلٰوةٍ مِّنْكَ دَائِمَةٍ
عَلَى النَّبِيِّ مُنْهَلٍّ وَّمُنْسَجِمِ

ترجمہ: یارب! تو ان بادلوں کو حکم دے جو تیری طرف سے ہمیشہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہیں تا کہ وہ لگاتار اور کثرت سے (صلوٰۃ وسلام) کی بارش برسائیں۔

لفظی تشریح: ائذن بمعنی امر باب علم یعلم سے ہے۔ سحب سین اور حاء پر

پیش کے ساتھ لیکن برائے تخفیف اس کی حاء کو ساکن رکھا گیا ہے۔ الصلوٰۃ (درود پاک پڑھنا) اس سے مراد مزید شرافت اور کرامت ہے۔ منك یہ صلوٰۃ کی صفت ہے یعنی جو تیری طرف سے واقع ہو اور دائمۃ صفت کے بعد صفت ہے۔ علی النبی یہ صلوٰۃ کے متعلق ہے۔ یا دائمۃ کے متعلق ہے۔ بمنھل یہ ایذن کے متعلق ہے۔ منسجم صحیح یہ ہے کہ یہ جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے اور منھل پر اس کا عطف ہے۔

معنوی تشریح: یا اللہ! بادلوں کو حکم دے کہ یہ سرداروں میں سب سے زیادہ حسین اور سرداروں کے سردار پر نہایت بلیغ انداز میں صلوٰۃ وسلام کی موسلا دھار نہ ختم ہونے والی بارش برسائیں، کیونکہ ناظم نے اپنے شعر میں مندرجہ ذیل باتیں جمع کی ہیں جو اس کے کلام سے مستفاد ہیں۔ بعض دلالت کے ساتھ سمجھی گئی ہیں اور بعض اشارہ کے ساتھ۔

۱- حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک کا پڑھنا۔
۲- اس کا دوام۔
۳- اس کا نزول۔
۴- نزول کا مبتداء
۵- نزول کا منتہیٰ۔
۶- انصباب (ٹپکنا) کے ضمن میں اس کی کثرت۔
۷- روانی کے ضمن میں اس کا عام ہونا۔
۸- اس کا محل وموقع۔
۹- اس کو بارش کے ساتھ تشبیہ دینا۔
۱۰- اور اس کے لئے بادلوں کو ثابت کرنا۔

لفظ ائـــذن میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام کے بادل حاضر کھڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اذن کے منتظر ہیں اور اذن متحقق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ ملاءِ اعلیٰ سمیت آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ اس نے تو اپنے مطیع بندوں کو بھی آپ کی تعظیم وتشریف اور ہیبت وتکریم کے لئے صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (احزاب، ۵۶) کے ساتھ حکم دیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہرہ پر درود وسلام بھیجو۔

(۱۶۰)

مَا رَنَّحَتْ عَذَبَاتِ الْبَانِ رِيْحُ صَبَا
وَاَطْرَبَ الْعِيْسَ حَادِي الْعِيْسِ بِالنَّغَمِ

ترجمہ: (وہ بادل بارش برساتے ہیں) جب تک بادِ صبا درخت بان کی ٹہنیوں کو جھولاتی رہے اور جب تک حدی خواں نغموں کے ساتھ اونٹوں کو خوش کرتے رہیں۔

لفظی تشریح: رنـحـت نون مفتوح پر تشدید اور حاء پر بھی فتحہ ہے بمعنی جھولانا، جھومنا۔ ما مصدریہ ظرفیہ ائذن کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا کہ نحویوں کی اصطلاح کے مطابق اس کو دوامیہ کہتے ہیں کیونکہ اس سے دوام مراد ہوتا ہے اور مـــا مدت بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ لمبی مدت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ بادِ صبا کا چلنا اور بان کی ٹہنیوں کو ہلانا اگرچہ علی الدوام نہیں پایا جا سکتا لیکن یہ امتدادِ زماں اور وقت کی دوری کے (ساتھ) مطابق دیرپا ہو سکتا ہے۔

معنوی تشریح: حاصل کلام یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے جب تک دنیا باقی ہے۔ جن چیزوں سے وہ دونوں خالی نہیں ہو سکتے اسی وجہ سے بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ یہ ہمیشہ رہنے سے کنایہ ہے۔

عذبات (حرکات کے ساتھ) بان کی ٹہنیاں۔ بان ایک ایسا درخت ہے جس کی ٹہنیاں نہایت نازک ہوتی ہیں۔ عذبۃ اصل میں کسی شیء کے لطیف حصے کو کہا جاتا ہے۔ الصبا ایسی ہوا ہے جو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ سے اس وقت چلتی ہے جب رات اور دن برابر ہو جائیں (یعنی صبح صادق کے بعد طلوع شمس سے پہلے) اور باب کعبہ کے مقابل ہو کر گزرتی ہے گویا کہ وہ اس پر شیدا ہے اور اس سے میلان رکھتی ہے۔ کبھی اس کو قبول بھی کہا جاتا ہے اور وہ ہوا جو کعبہ کے پیچھے سے چلتی ہے اس کو دبور کہتے ہیں۔

حدیث پاک میں آیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بادِ صبا کے ساتھ میری مدد کی گئی اور قومِ عاد کو دبور کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔ (بخاری، ۱۰۳۵، مسلم، ۲۰۸۴)

کہا گیا ہے کہ بادِ صبا گرم مرطوب ہونے کی وجہ سے درختوں اور ٹہنیوں میں اثر کرتی ہے اور ان کو نرم کرتی ہے۔ زمین کے اندر قوائے نامیہ میں ہیجان (جوش) پیدا کرتی ہے اور ٹہنیوں کو گوناگوں کلیوں اور رنگارنگ پھولوں سے زینت بخشتی ہے۔

شعراء اپنے اشعار میں اس کا ذکر کر کے برکت حاصل کرتے ہیں۔ (متبرک بناتے ہیں) جیسے کسی نے کہا:

الا یا صبا نجد متی ھجت من نجد

فقد زادنی سراك وجدا علی وجد

ترجمہ: اے نجد کی بادِ صبا! جب تو نجد میں سے گزرتی ہے تو تیرا یہ چلنا میرے غم میں اضافہ کر دیتا ہے۔

ریح کو الصبا لطافت کے استعمال کرنا از قبیل اضافۃ العام الی الخاص ہے۔

عذبات مفعول ہے۔ اکثر شارحین نے ایسے ہی ذکر کیا ہے اور یہی بات جمہور کی زبان پر مشہور ہے لیکن علامہ مولانا اعصام الدین نے ذکر کیا ہے کہ اس میں کئی اشکال ہیں۔

وہ یہ ہے کہ لفظ رنـح لغت میں مبنی بر مجہول ہے جیسا کہ التاج اور صحاح اس پر دلالت کرتی ہیں۔ پس مناسب ہے کہ اس کو مجہول ہی پڑھا جائے اور ریح صبا کو فعل محذوف کا فاعل بنایا جائے یعنی امالة ریح صبا ۔ (بادِ صبا کا حرکت دینا) تا کہ جملہ یسبح له فیها بالغدوا الاصال رجال کی قسم میں سے ہو جائے۔

پھر میں نے قاموس کو دیکھا۔ وہ صحاح کے موافق تھی۔ اس نے لکھا: تـرنـح مدہوشی کے عالم میں جھومنا۔ یا رنح علیه ترنیحا (بالضم)

تـرنیحا بالضم غشی طاری ہونا یا کسی کی ہڈیوں میں کمزوری پیدا ہونے کی وجہ سے لڑکھڑانا۔ (القاموس المحیط، فصل الراء، مادہ رنح جلد ۱ صفحہ ۲۲۰)

لیکن مجھے معلوم ہوا کہ مبنی بر مجہول ہونا مخصوص حالت میں ہے جب کہ فعل علیٰ کے ساتھ متعدی ہو اور خصوصی معنی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ نیز اس لئے کہ فعل تـرنـح موافق ہے۔ (مطاوع) اس کے لئے فعل متعدی کا ہونا ضروری ہے تو جس طرح یہ فعل معروف ہے وہ بھی معروف ہی ہوگا۔ تو اس طرح جہالت (مجہول ہونا) اٹھ گئی۔

یہ جو حدیث آئی ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی ہے۔ (المعجم الکبیر، ۲۴-۱۳۶۲۳) صحیح ہے۔ پھر میں نے دیکھا۔ ابن الغازی نے کہا: یـقـال رنـحـت الریح الغصون ۔ کہا جاتا ہے کہ ہوا نے ٹہنیوں کو ہلایا۔ پھر وہی ذکر کیا جو صحاح میں ہے۔

الـطـرب ہلکا پن جو خوشی کا سبب بنتا ہے اور حرکت سے حاصل ہو۔ یہ طـرب یطرب باب حفظ یحفظ سے مشتق ہے اور ہمزہ کے ساتھ (باب افعال) اس کو متعدی بنایا جاتا ہے۔ الـعـیـس یہ مفعول ہونے کے باعث منصوب ہے۔ یہ جمع ہے اور اس کا واحد اعیـــس ہے۔ ایسے اونٹ جو ٹمیالے رنگ کے (سرخی مائل سفید) ہوں۔ یہ نہایت عمدہ اونٹ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض احادیث میں الـفـضـل من حمر النعم وسوق الابل کے الفاظ ملتے ہیں اور کہا گیا ہے۔

النغم نون اور غین پر زبر کے ساتھ۔ اچھی آواز۔

اور قاموس میں ہے، النغم حرکات کے ساتھ اور سکون کے ساتھ النغم بمعنی آہستہ کلام۔

نغم فی الغنا اچھی آواز سے گانا۔ یہ باب ضرب یضرب، نصر ینصر اور سمع یسمع سے ہے۔ انتہی۔

ابن تازی نے ابن المرزوق سے جو کچھ نقل کیا قصیدہ کے شعر میں کسرہ نون کے ساتھ (نغم) وہ نقل صریح اور دلیل صحیح کا محتاج ہے۔

ٹہنیوں کا جھومنا اور جوش پیدا ہونے کو اکٹھا کرنا اور انگلیوں کے پوروں اور حیوانات کی جماعت کو جوڑنا، ان کے جمال کے ظہور اور کمال کے حصول کی طرف اشارہ ہے۔

اس شعر میں اس بات کا بھی اشعار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنا، پڑھنے والے کے کمال کا سبب ہے اور اس کا کمال، اس کے حال کی خوبی اور انجام کی بہتری کا مقتضی ہے۔

اللہ تعالیٰ صلوٰۃ وسلام نازل کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر اور آپ کے تمام انبیاء ومرسلین بھائیوں پر۔ والحمد للہ رب العالمین۔

شارح مرحوم ومغفور جب اس مقام پر پہنچا تو فرمایا: وہ (شارح) ماہ صفر میں فارغ ہوا اور سیّد البشر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کے ۱۰۰۶ سال میں کامیابی اور خیریت کے ساتھ ختم کیا۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے فضائل پر مشتمل رسالہ

اَلْمَعْدِنُ الْعَدَنِیْ فِیْ فَضَائِلِ اُوَیْسِ الْقَرَنِیْ

ترجمہ: بنام

تاجدارِ یمن

تصنیف

امام علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری

متوفی ۱۰۱۴ھ

ترجمہ و تخریج

ابوذہیب محمد ظفر علی سیالوی غفرلہ

ناشر

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَقَّ حَمْدِهٖ ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَبْدِهٖ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ وَحِزْبِهٖ وَجُنْدِهٖ ۔ اَمَّا بَعْدُ! فَيَقُوْلُ الْعَبْدُ الْمُلْتَجِیْ اِلٰی حَرَمِ رَبِّهِ الْبَارِیْ عَلِیّ بْنِ سُلْطَانِ مُحَمَّدِ الْقَارِیْ، اِنَّ هٰذِهٖ مَقَالَةٌ مُشْتَمَلَةٌ عَلٰی بِيَانِ بَعْضِ فَضَائِلِ خَيْرِ التَّابِعِيْنَ اُوَيْسُ الْقَرْنِیْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔ اَلْمُسَمَّاةُ بِالْمَعْدَنِ الْعَدَنِیْ رِجَاءُ اَنْ يَّحْصُلَ لِیْ دَعْوَتَهٗ بِالْمَغْفِرَةِ لِذُنُوْبِیْ وَيَكُوْنَ وَسِيْلَةً بِسَتْرِ غُيُوْبِیْ فِی الْاَمْرِ الدُّنْيَوِیْ وَالْاُخْرَوِیْ ۔

حمد و ثنا کے سب صیغے اللہ عزوجل کے لئے خاص ہیں جس طرح اس ذات اقدس کی حمد کئے جانے کا حق ہے۔ اور صلوٰۃ اور سلام ہوں اس کے مکرم رسول پر اور اس کے معظم عبد پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر اور آپ کے متبعین اور آپ کی امت پر اور آپ کی افواج پر۔

امابعد! اپنے پیدا کرنے والے رب کی بارگاہ میں دست بدعا علی بن سلطان محمد القاری عرض گزار ہے کہ یہ مقالہ حضرت خیر التابعین اویس القرنی رضی اللہ عنہ کے بعض فضائل کے بیان پر مشتمل ہے، جس کا نام المعدن العدنی ہے۔ امید کرتے ہوئے کہ ان کی دعا میرے گناہوں کی مغفرت کا سامان بن جائے اور دنیاوی اور اخروی امور میں میرے عیبوں کی پردہ پوشی کا وسیلہ بنے۔

نوٹ: معلوم ہوا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ والوں کا ذکر بھی بخشش و مغفرت کا وسیلہ ہوتا ہے۔ سیالوی)

خیر التابعین:

فاعلم انه جاء من طرق متكاثرة كادت ان يكون متواترة .

١ - عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان خير التابعين رجل يقال له اويس رواه الحاكم عن على واحمد وابن سعد عن عبدالرحمن بن ابى ليلىٰ، عن رجل من الصحابة .

ترجمہ: پس تم اس بات کو جان لو کہ یہ حدیث طرق کثیرہ سے مروی ہے بلکہ متواتر کا درجہ رکھتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تابعین میں سے بہترین ایک شخص ہے جسے اویس کہتے ہیں۔ اس حدیث کو حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور احمد بن حنبل اور ابن سعد نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے انہوں نے ایک صحابی سے روایت کیا ہے۔

(مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ذکر مناقب اویس بن عامر القرنی رضی اللہ عنہ، جلد ۳، صفحہ ۵۵، رقم الحدیث ۵۷۱۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، مسند احمد، مسند عمر بن الخطاب، جلد ۱، صفحہ ۲۵۱، رقم الحدیث ۲۶۶، دارالحدیث قاہرہ مصر، الطبقات الکبریٰ، اویس القرنی، رقم الترجمہ ۲۰۷۶، جلد ۶، صفحہ ۲۰۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، اور مسلم نے اسی اضافہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

وَلَهُ وَالِدَةٌ هُوَ بِهَا بُرٌّ لَوْ اَقْسَمُ عَلَى اللهِ لَاَبَرَّهُ، وَكَانَ بِهٖ بَيَاضٌ، فَمُرُوْهُ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ .

ان کی والدہ ہے وہ ان کی خدمت کرتے ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کام کے ہونے کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرما دیتا ہے۔ ان کے بدن پر کچھ سفیدی ہے پس جب تم ان کے پاس جاؤ تو ان

سے کہنا کہ وہ تمہارے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ (مسلم، کتاب فضائل اصحابہ، باب من فضائل اویس القرنی رضی اللہ عنہ، صفحہ ۱۱۶۴، رقم الحدیث ۶۴۳۸، دار المعرفۃ بیروت، لبنان، مسند احمد، مسند عمر بن الخطاب، جلد ۱، صفحہ ۲۵۱، رقم الحدیث ۲۶۶، دار الحدیث قاہرہ)

وفی روایة له عن بلفظ: ان رجلا یاتیکم من الیمن یقال له: اویس لایدع بالیمن غیر ام له، قد کان به بیاض فدعا الله فاذهبه عنه .الا مثل موضع الدرهم، فمن بقیهُ منکم فمروه فلیستغفر لکم .

اور مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ: ایک شخص تمہارے پاس یمن سے آئے گا جسے اویس کہا جاتا ہوگا ملک یمن میں اس کی ماں کے سوا اس کا اور کوئی نہیں ہے۔ اس کے بدن پر کچھ سفیدی ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے شفایابی کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سفیدی کو دور کر دیا لیکن ایک درہم جتنا نشان باقی ہے۔ پس تم سے جو اس سے ملے تو ان سے درخواست کرے کہ وہ تمہارے لئے بخشش کی دعا کریں۔

(مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، من فضائل اویس القرنی، صفحہ ۱۱۶۳، رقم الحدیث ۶۴۳۷، دار المعرفۃ بیروت، لبنان)

خلیل حبیب:

وروی ابن سعد عن رجل مرسلا:

۲- انه علیه السلام قال "خلیلی من هذه الامة اویس القرنی ."

ابن سعد نے ایک شخص سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں سے میرا خلیل (یعنی گہرا دوست) اویس

قرنی ہے۔

(الطبقات الکبریٰ، اویس القرنی، رقم الترجمہ ۲۰۷۶، جلد ۶، صفحہ ۲۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شفاعت اویس قرنی:

۳-ورواه ابن عدى عن ابن عباس سيكون فى امتى رجل يقال له اويس بن عبدالله القرنى وان شفاعته فى امتى مثل ربيعة ومضر .

ابن عدی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت میں ایک شخص ہوگا جس کو اویس بن عبداللہ القرنی کہتے ہوں گے۔ بے شک اس کی شفاعت میری امت کے حق میں ربیعہ اور مضر قبائل کے برابر ہوگی۔ (الکامل فی الضعفاء الرجال، جلد ۸، صفحہ ۳۴۷)

تخت سکندری پر وہ تھوکتے نہیں:

۴- وروى احمد فى الزهد وابو نعيم فى الحلية عن محارب بن دثار عن سالم بن جعد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من امتى من لايستطيع ان يأتى مسجد ومصلاه من العرى يعجزه ايمانه ان يسأل الناس منهم اويس القرنى وفرات بن حيان .

احمد بن حنبل نے کتاب الزہد میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں محارب بن دثار کے واسطے سے سالم بن ابی جعد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں ایسے افراد بھی ہیں جو اپنی مسجد میں اور اپنی جائے نماز میں اپنی برہنگی کی وجہ سے نہیں آسکتے۔ اور ان کا ایمان ان

کو لوگوں سے بھیک مانگنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ان میں اویس قرنی اور حضرت فرات بن حیان ہیں۔

(احمد بن حنبل، الزہد، باب: زہد اویس القرنی، صفحہ ۲۷۷، رقم الحدیث ۲۰۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ حلیۃ الاولیاء، اویس بن عامر القرنی، جلد ۲، صفحہ ۸۷، رقم الحدیث ۱۵۷۰، المکتبۃ التوفیقیہ، مصر، کنز العمال، کتاب الفضائل، اویس بن عامر القرنی، جلد ۱۲، صفحہ ۳۵، رقم الحدیث ۳۴۰۵۵۔ تقریب البغیۃ بترتیب احادیث الحلیۃ، کتاب الفضائل، اویس القرنی، جلد ۳، صفحہ ۱۵۱، رقم الحدیث ۳۴۴۷، در الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان)

بخشش کی دعا کرانا:

۵- روی ابو یعلیٰ عن عمر قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انه سیکون فی التابعین رجل من قرن یقال له اویس بن عامر، یخرج به وضحٌ. فیدعو الله ان یذهبه عنه، فیقول: اللهم دع لی فی جسدی ماذکر نعمتك علی، فیدع له منه مایذکر به نعمة علیه، فمن ادرکه منکم فاستطاع ان یستغفر له، فلیستغفر له.

ابویعلیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تابعین میں سے ایک شخص علاقۂ قرن کا ہوگا جسے اویس بن عامر کہتے ہوں گے، اسے برص کا مرض ہوگا پس وہ دعا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کا مرض دور کر دے۔ وہ بارگاہِ الوہیت میں عرض کرے گا یا اللہ! اس مرض کا کچھ نشان میرے وجود پر رہنے دے تاکہ میں تیری عطا فرما ہوئی صحت کو یاد کرتا رہوں۔ پس تم میں سے جو شخص اس کو ملے تو اس سے اپنے لئے بخشش کی دعا کرا سکے تو وہ اس کے لئے دعا مغفرت کرے گا۔

(مسند ابی یعلیٰ، مسند عمر بن الخطاب، صفحہ ۸۰، رقم الحدیث ۲۱۲، دار المعرفۃ بیروت، احمد بن حنبل، الزہد، زہد اویس القرنی، صفحہ ۲۷۸، رقم الحدیث ۲۰۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، کنز العمال، کتاب الفضائل، جلد ۱۲، صفحہ ۳۵، رقم الحدیث ۳۴۰۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تم کو ایک شخص ملے گا:

۶- روی ابن ابی شیبة عن عائشة قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سیقدم علیکم رجل یقال له اویس کان به بیاض فدعا الله له فاذهبه الله فمن لقیهٗ منکم فمروه فلیستغفر له .

ابوبکر بن ابی شیبہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کو ایک شخص ملے گا جس کو اویس کہا جاتا ہوگا، اس کے بدن پر سفیدی ہوگی پس اس کی دعا سے اللہ تعالیٰ اس کی سفیدی کو دور فرمادے گا، تو تم میں سے جو شخص اس سے ملے تو اس سے دعا کی درخواست کرے کہ وہ اس کیلئے دعائے مغفرت کرے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الفضائل، باب: ماذکر فی اویس القرنی رضی اللہ عنہ، جلد ۶، صفحہ ۴۰۰، رقم الحدیث ۳۲۳۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

تکمیل از مترجم:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک حدیث شریف نقل کی ہے۔ اس کے آگے ابن ابی شیبہ کے الفاظ ہیں:

قال: فلقیه عمر فقال: استغفر لی، فاستغفر له .

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے لئے دعا کریں تو حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے دعا کی۔ (سیالوی)

سلام آیا پیام آیا:

۷- الخطیب وابن عساکر عن عمر بن الخطاب: انه علیه السلام قال: یاعمر! یکون فی امتی فی آخر الزمان رجل یقال له اویس القرنی، یصیبه بلاء فی جسده فیدعوا الله عزوجل فیذهب به الالمعة فی جنبه، اذا راها ذکر الله، فاذا القیته فاقرنه منی السلام، ومره ان یدعوالك، فانه کریم علی ربه، بار بوالده، لویقسم علی الله لابره، یشفع بمثل ربیعة ومضر.

الخطیب اور ابن عساکر نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر! میری امت کے آخری لوگوں میں ایک شخص ہوگا جس کا نام اویس قرنی ہو گا، جس کے بدن میں مرض ہوگا۔ تو وہ اس کو دفعہ کرنے کی دعا اللہ تعالیٰ سے کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے مرض کو دور کر دے گا سوا اس کے کہ ایک سفید داغ اس کے پہلو میں رہ جائے گا۔ اس لئے کہ جب وہ اسے دیکھے تو اپنے رب کا شکر ادا کرے گا۔ تو اے عمر! تو جب بھی اس سے ملے تو میری طرف سے سلام کہنا اور اس کو پیام دینا کہ وہ تیرے لئے دعا کرے کیونکہ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں بڑا صاحب مرتبہ ہے، اپنی والدہ کا خدمت گزار ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری کر دیتا ہے، اور میری اُمت کی ربیعہ اور مضر قبائل کے افراد کے برابر لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ (تاریخ دمشق الکبیر، اویس بن مالک بن عمر بن سعد، جلد ۹، صفحہ ۴۳۱، رقم الحدیث ۲۴۵۲، دار الفکر بیروت' کنز العمال، کتاب الفضائل، باب: اویس

بن عامر القرنی، جلد۱۲، صفحہ۳۵، رقم الحدیث ۳۴۰۵۸)

۸- وروی ابن سعد واحمد ومسلم والعقیلی والحاکم فی "مستدرکہ" عن عمر بلفظ: یاتی علیکم اویس بن عامر مع امداد اھل الیمن، من مراد ثم قرن، کان بہ برص فبری منہ الاموضع درھم، لہ والدۃ ھو بھابر، لواقسم علی اللہ لابرہ، فن استطعت ان یستغفرلك فافعل ۔

ابن سعد، احمد بن حنبل، مسلم، العقیلی اور حاکم اپنی مستدرک میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس ایک شخص اویس بن عامر اہل یمن کی کمک کے ساتھ آئے گا جن کا تعلق قبیلہ مراد سے ہوگا۔ وہ قرن کا رہنے والا ہوگا۔ اس کو برص کا مرض ہوا ہوگا۔ وہ اس مرض سے صحت یاب ہو چکا ہوگا لیکن بقدر ایک درہم اس کے جسم پر برص کا نشان ہے۔ اس کی والدہ ہیں اور وہ اپنی والدہ کا خدمت گزار ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا لے تو اس کی قسم پوری ہو کر رہے گی۔ اے عمر! اگر تو اس سے دعائے مغفرت کرا سکے تو ضرور کرنا۔

(الطبقات الکبریٰ، اویس القرنی، رقم الترجمہ ۲۰۷۶، جلد ۶، صفحہ ۲۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، احمد بن حنبل، الزہد، زہد اویس القرنی، صفحہ ۲۸۰، رقم الحدیث ۲۰۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، مسلم، کتاب الفضائل، من فضائل اویس القرنی، صفحہ ۱۱۶۴، رقم الحدیث ۶۴۳۷، دار المعرفۃ بیروت، العقیلی، الضعفا، جلد ۱، صفحہ ۱۳۷، مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابہ، ذکر مناقب اویس بن عامر القرنی رضی اللہ عنہ، جلد ۳، صفحہ ۴۵۶، رقم الحدیث ۵۷۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

وہ شخص اویس قرنی ہیں:

۹- روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والحاکم فی مستدرکہ

والبیهقی وابن عساکر عن الحسن مرسلاً ولفظه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخل الجنة بشفاعة رجل من امتی اکثر من ربیعة ومضر، قال الحسن هو اویس القرنی .

ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں، حاکم نے اپنی مستدرک میں، بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مرسلاً ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ: میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے ربیعہ اور مضر قبائل کے لوگوں سے زیادہ افراد جنت میں جائیں گے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ شخص حضرت اویس قرنی ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الفضائل، باب ماذکر فی اویس القرنی رضی اللہ عنہ، جلد ۶، صفحہ ۴۰۰، رقم الحدیث ۳۲۴۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ذکر مناقب اویس القرنی رضی اللہ عنہ، جلد ۳، صفحہ ۴۵۸، رقم الحدیث ۵۷۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، تاریخ دمشق الکبیر، جلد ۹، صفحہ ۴۳۸، دارالفکر، بیروت، لبنان، دلائل النبوۃ، جلد ۶، صفحہ ۳۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اہل بیت کی شفاعت:

۱۰- روی الطبرانی عن ابی امامة مرفوعًا: یدخل الجنة بشفاعة رجل من امتی اکثر من مضر ویشفع الرجل فی اهل بیته ویشفع علی قدر علمه .

طبرانی نے ابوامامہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ: میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے قبیلہ مضر کے افراد سے زیادہ لوگ جنت میں جائیں گے۔ وہ شخص اپنے اہل بیت

کی شفاعت کرے گا اور وہ اپنے عمل کے مقدار شفاعت کرے گا۔
(المعجم الکبیر، جلد۴، صفحہ ۳۶۵، رقم الحدیث ۷۹۸۴، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، مجمع الزوائد، کتاب البعث، باب: شفاعۃ الصالحین، جلد ۱۰، صفحہ ۵۰۴، رقم الحدیث ۱۸۵۴۶)

ابونعیم کی روایت:

روی ابو نعیم عنه بلفظ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج من النار بشفاعة رجل من امتي اكثر من ربيعة ومضر .

ابونعیم نے بھی ابوامامہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے ربیعہ اور مضر کے افراد سے زیادہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ (تاریخ اصبہان، رقم الترجمہ ۶۱۹، حزور الاصبہانی ابو غالب صاحب ابی امامۃ، جلد ۱: صفحہ ۳۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ ۱۹۹۰)

نوٹ: مترجم عرض کرتا ہے کہ امام طبرانی نے بھی ان الفاظ سے روایت کیا ہے۔
(معجم الکبیر، جلد۴، صفحہ ۳۶۵، رقم الحدیث ۷۹۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت اور امام ابونعیم نے دونوں الفاظ سے نقل کی ہے۔ سیالوی)

علامہ علی قاری کی تطبیق:

هٰذه الاحاديث صريحة في ان اويسا خير التابعين فاشار كثرة الثواب كما يشير اليه لفظ خير التابعين فما ينافي ماقال بعضهم ان افضل التابعين سعيد بن المسيب من اهل المدينة والحسن من اهل البصرة ومكحول من اهل الشام وعلقمة من اهل الكوفة، فانهٔ محمول علٰى انهم افضل التابعين بمعنى اكثرهم علما والله سبحانه، اعلم .

ان مذکورۃ الصدر احادیث سے صریحاً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ خیر التابعین ہیں اور لفظ خیر التابعین سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ بوجہ کثرت ثواب کے خیر التابعین ہیں۔ خیر التابعین کا یہ مفہوم بعض علماء و مشائخ کرام کے اس قول کے منافی نہیں ہے کہ اہل مدینہ میں حضرت سعید بن المسیب افضل التابعین ہیں اور بصریوں میں حضرت حسن بصری افضل التابعین ہیں۔ شامیوں میں حضرت مکحول افضل التابعین ہیں، کوفیوں میں حضرت علقمہ افضل التابعین ہیں۔ یہ حضرات علم کی کثرت اور (علمی کمال) کی وجہ سے فضیلت رکھتے تھے۔ اس لئے افضل التابعین کہلاتے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تاجدارِ یمن سے ملاقات:

١١ - روی ابن سعد ومسلم وابو عوانه والرویانی وابو یعلیٰ وابو نعیم والبیهقی فی الدلائل عن اسیر بن جابر قال کان عمر ابن الخطاب اتی علیه امداد اهل الیمن سالهم افیکم اویس بن عامر حتّٰی اتی علیٰ اویس قال انت اویس بن عامر قال نعم قال من مراد ثم من قرن قال نعم قال فکان بك برص فبرأت منه الاموضع درهم قال نعم قال لك والدة قال نعم قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول یاتی علیکم اویس بن عامر مع امداد اهل الیمن من مراد من قرن کان به برص فبرأ منه الا موضع درهم له والدة هو بها برلو اقسم علی الله لابره، فان استطعت ان یستغفرلك فافعل فاستغفرلی فاستغفرله، فقال له عمر این

یرید قال الکوفة قال الا اکتب لك الی عاملها قال اکون فی غیراء الناس ۔

قال فلما کان العام المقبل حج رجل من اشرافهم فوافق عمر فساله، عن اویس فقال ترکته رث البیت قلیل المتاع قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول یاتی علیکم اویس بن عامر مع امداد من اهل الیمن من مراد ثم من قرن کان بهٖ برص فبراه منهٗ الا موضع درهم له والدة هو بها برلو اقسم علی الله لابره فان استعطت ان یستغفرلك فافعل فاتی اویسا فقال استغفرلی قال انت احدث عهدا بسفر صالح فاستغفرلی قال استغفرلی قال لقیت لعمر قال نعم فاستغفرله ففطن له الناس فانطلق علیٰ وجهه وزیادة فی مسلم: قال اسیر وکسوته، بردة فکان کلما راه انسان قال من ابن لاویس هذه البردة ۔

ابن سعد، مسلم، ابوعوانہ، الرویانی، ابونعیم اورالبیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت اسیر بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں جب اہل یمن کی کوئی جماعت مدینہ منورہ آتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سے پوچھتے تھے کہ کیا تمہارے درمیان اویس بن عامر ہے؟ یہاں تک کہ ایک دفعہ اویس بن عامر اہل یمن کی ایک جماعت میں شامل ہوکر آئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم اویس بن عامر ہو؟ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں! میں اویس بن عامر ہوں۔ پھر دریافت فرمایا کہ قبیلہ مراد سے ہو اور مقام قرن سے ہو؟

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اثبات میں جواب دیا کہ ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ تم کو برص کا مرض تھا اور اب صحت یاب ہو۔ لیکن بقدر ایک درہم کے اس کا نشان باقی ہے؟ حضرت نے جواب دیا کہ ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ کیا تمہاری والدہ محترمہ زندہ موجود ہے؟ حضرت نے جواب دیا کہ ہاں! اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: اویس بن عامر مرادی قرنی اہل یمن کی ایک جماعت میں شامل ہو کر تمہیں ملے گا۔ اسے برص کا مرض تھا۔ اب وہ اس مرض میں سے شفایاب ہے لیکن بقدر ایک درہم کے اس کا نشان باقی ہے۔ ان کی والدہ محترمہ زندہ موجود ہے جس کا وہ خدمت گزار او راطاعت شعار ہے۔ مگر وہ کسی امر پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو سچ کر دیتا ہے۔ پس اگر تجھ سے ممکن ہو اس سے اپنے حق میں استغفار کرانا۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ میرے لئے استغفار کریں تو حضرت نے اس کے لئے استغفار کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سے پوچھا کہ اس کے بعد تم کہاں جانا چاہتے ہو؟ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں کوفہ جانا چاہتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہاں کے عامل کے نام آپ کے واسطے میں کچھ لکھ دوں۔ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ مجھے یہ بہت پسند ہے کہ میں غیر معروف لوگوں میں رہوں۔

حضرت اسیر بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے آئندہ سال کے ایام حج میں ایک شخص شرفاء یمن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے حضرت اویس کا حال دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ میں نے اسے قلیل المتاع اور پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس پایا ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس یمنی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی ہوئی حدیث سنائی۔ اسے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ تمہارے پاس اہل یمن کی ایک جماعت میں سے اویس بن عامر مرادی قرنی آئے گا جس کو برص کا مرض ہوا تھا وہ اس مرض سے شفایاب ہو چکا ہے لیکن بقدر ایک درہم کے اس کا نشان باقی رہا ہے۔ اس کی والدہ زندہ موجود ہے جس کا وہ خدمت گزار اور اطاعت شعار ہے۔ اگر وہ کسی امر میں قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو سچا کر دیتا ہے۔ اگر تجھ سے ممکن ہو تو اس سے طلب مغفرت کرو! پس وہ یمنی شخص حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور اپنے لئے استغفار کی درخواست کی۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جواب دیا کہ تو ابھی ابھی سفر صالح سے آیا ہے اس لئے تو ہی میرے لئے استغفار کر۔ اس یمنی شخص نے پھر آپ سے استغفار کی درخواست کی اور آپ نے اس شخص سے پوچھا کہ کیا تو نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں! میں ان کی زیارت سے فیض یاب ہوا ہوں۔ پھر حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے لئے استغفار کی۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ کو پہچان لیا۔ پھر آپ وہاں سے چلے گئے۔ (مسلم اور ابی سعد) میں مزید ہے حضرت رسیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کو چادر پہنائی۔ پس جب کوئی انسان ان کو چادر پہنے دیکھتا تو کہتا کہ یہ چادر اویس کے لئے کہاں سے

آ گئی۔

(الطبقات الکبریٰ، اویس القرنی، رقم الترجمہ ۲۰۷۶، جلد ۶، صفحہ ۲۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، مسلم، کتاب الفضائل، من فضائل اویس القرنی رضی اللہ عنہ صفحہ ۱۱۶۴، رقم الحدیث ۶۴۳۹، دار المعرفہ، بیروت، دلائل النبوۃ، جلد ۶، صفحہ ۳۷۷-۳۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

آپ نے ہم سے ملنا کیوں چھوڑ دیا:

۱۲ – فی رواية لابن سعد وابی نعيم والبيهقی فی الدلائل وابن عساكر عن اسير بن جابر ايضا قال كان محدث بالكوفة يحدثنا فاذا فرغ من حديثه تفرقوا ويبقى رهط فيهم رجل يتكلم بكلام لااسمع احداً يتكلم كلامه، فاحببتهٔ ففقدته، فقلت لاصحابی هل تعرفون رجلا كان يجالسنا كذا وكذا فقال رجل من القوم نعم انا اعرفه ذاك اويس القرنی قلت فتعلم منزله، قال نعم فانطلقت معه، حتى ضربت حجرته، فخرج الی قلت يااخی ماحبسك عنا قال العرى قال وكان اصحابه، يسخرون به ويوذونه، قال قلت خذ هذا البرد فالبسه قال لاتفعل فانهم اذن يوذوننی ان راوه علی فلم ازل به حتی لبسه، فخرج عليهم فقالوا من ترون خدع عن برده هذا قال فجاء فوضعه، وقال اترى قال اسير فاتيت المجلس فقلت ما تريدون من هٰذا الرجل قد اذيتموه الرجل يعرى مرة ويكتسى مرة فاخذتهم بلسانی اخذا شديداً قال فقضیٰ ان اهل الكوفة وفدوا الی عمر فو فدرجل ممن كان يسخربه فقال عمر هل ههنا احد من

القرنيين فجاء ذلك الرجل فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد قال ان رجلا ياتيكم من اليمن يقال له اويس لايدع باليمن غير ام له، وقد كان به بياض فدعا الله فاذهبه عنه الامثل موضع الدرهم فمن لقيه منكم فمروه فليستغفر لكم، قال مقدم علينا قال قلت من اين قال من اليمن قلت ماسمك قال اويس قال فمن تركته، باليمن قال امالی قال اكان بك بياض فدعوت الله فاذهبه عنك قال نعم قال استغفر لی قال اويستغفر مثلی لمثلك ياامير المومنين قال فاستغفر له، قال قلت له، انت اخی لاتفارقنی قال فاملس منی انيئت انه قدم عليكم الكوفة قال فجعل ذلك الذی كان يسخربه ويحقربه يقول ماهذا فينا ياامير المؤمنين وما تعرفه فقال عمر بلٰی انه رجل كذا كانه يضع من شانه قال فينا ياامير المؤمنين رجل يقال له، اويس تسخر به قال ادرك واراك تدرك فاقبل ذٰلك الرجل حتى دخل عليه قبل ان ياتی اهله، فقال اويس ماهذه بعادتك فما بدالك قال سمعت عمر يقول فيك كذا وكذا فاستغفرلی يااويس قال لاافعل حتى تجعل لی عليك ان لالسخربی فيما بعد ولاتذكر الذی سمعته، عن عمر لاحد قال قال فاستغفر له، قال اسير فما لبث ان فشا امره، فی الكوفة قال اسير فاتيته، فدخلت عليه فقلت له، يااخی الا اراك العجب ونحن لانشعر قال قال ماكان فی هذا ما اتبلغ به فی الناس

ومایجزی کل عبد الا بعمله ثم املس منهم فذهب ۔

ابن سعد، ابونعیم، بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابن عساکر نے حضرت اسیر بن جابر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ایک محدث تھے جو ہم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف سنایا کرتے تھے۔ جب وہ حدیث شریف بیان کر چکتے تو لوگ منتشر ہو جاتے۔ بعض لوگ وہاں ٹھہر جاتے اور ان لوگوں میں ایک ایسا شخص تھا جو ایسی پیاری باتیں کرتا کہ میں نے ایسی بات کسی اور شخص سے نہیں سنی تھی۔ بس میں اس کی مجلس میں بیٹھ کر اس کی پیاری پیاری باتیں سنا کرتا تھا۔ آخری دن وہ مجھ سے نہ ملے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ تم اس شخص کو پہچانتے ہو جو ہمارے پاس ایسی ایسی شکل وصورت والا بیٹھا کرتا تھا؟ تو قوم میں سے ایک شخص نے بتایا کہ ہاں! میں اسے پہچانتا ہوں۔ وہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو اس کی قیام گاہ کو جانتا ہے؟ اس نے بتایا کہ ہاں! میں اس کی قیام گاہ سے باخبر ہوں۔ حضرت اسیر بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کے ساتھ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی قیام گاہ پر حاضر ہوا اور آپ کے حجرہ مبارک پر دستک دی۔ تو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ میں نے پوچھا کہ بھائی صاحب! آپ نے ہم سے ملنا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ جواب دیا کہ برہنگی کی وجہ سے۔ حضرت اسیر بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی ان سے مذاق کرتے تھے اور ان کو اذیت دیتے تھے۔ حضرت اسیر بن جابر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں کہ میں نے ان سے کہا یہ چادر لیجئے اور اسے پہنئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایسا نہ کریں کیونکہ جب وہ لوگ میرے بدن پر اس چادر کو دیکھیں گے تب وہ مجھے اذیت دیں گے۔ مگر میں نے بار بار اصرار کیا یہاں تک کہ انہوں نے اس چادر کو زیب تن کیا۔ جونہی وہ اسے زیب تن کر کے گھر سے باہر نکلے، دیکھتے ہی وہ لوگ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے جھپٹ پڑے۔ تو انہوں نے پوچھا کہ بتاؤ کس کو فریب دیا ہے؟ یہ کپڑا کس نے اوڑھایا ہے؟ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسیر بن جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا دیکھا کیا کہتے ہیں۔ حضرت اسیر بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں کے گروہ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ بتاؤ تم اس شخص سے کیا چاہتے ہو؟ تم اس شریف آدمی کو کیوں ستاتے ہو؟ جب کہ کبھی اس کے پاس کپڑا نہیں ہوتا تھا اور کبھی اس کے پاس پہننے کے لئے کپڑا ہوتا ہے۔ میں نے اس گروہ کو زبانی کلامی سخت سست کہا۔ انہی دنوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اہل کوفہ کا ایک وفد آیا۔ ان میں ایک شخص وہ تھا جو حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ سے تمسخر کرتا رہتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کیا تم میں اس جگہ قرن کا رہنے والا کوئی شخص موجود ہے؟ پس وہی شخص آپ کے سامنے پیش ہوا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہارے پاس یمن کا رہنے والا ایک شخص آئے گا جسے اویس کے نام سے پکارتے ہیں، یمن میں اس کی والدہ کے سوا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ اس کے بدن پر برص کی سفیدی تھی۔ اس نے اللہ عزوجل

سے صحت یابی کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس مرض سے صحت عطا کر دی لیکن بقدر دینار یا درہم کے نشان باقی رہا۔ پس جو شخص تم میں سے اسے ملے تو اسے درخواست کرے کہ وہ تمہارے لئے استغفار کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق وہ شخص یعنی اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے پاس آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ جواب دیا کہ یمنی ہوں۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟ جواب دیا کہ اویس۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ یمن میں کس رشتہ دار کو چھوڑ آئے ہو؟ جواب دیا کہ یمن میں میری والدہ ماجدہ ہے۔ پوچھا کہ کیا آپ کے بدن پر سفیدی کا نشان تھا جس سے شفایابی کی تو نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے اور اس سے تجھے شفا ہوئی؟ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے طلب مغفرت کی۔ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے گزارش کی یا امیر المومنین! مجھ جیسا کم مایہ شخص آپ جیسے خوش بخت صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استغفار کرے۔ راوی نے کہا پھر اویس رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لئے استغفار کی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے کہا کہ آپ میرے بھائی ہیں، مجھ سے جدا نہ ہوں۔ فرماتے ہیں کہ وہ یعنی اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے ہاتھ چھڑا کر چلے گئے۔ مزید فرمایا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ تمہارے پاس کوفہ میں آئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے تمسخر اور نفرت کرتا تھا، وہ کہنے لگا یا امیر المومنین! ایسا شخص ہم میں

نہیں رہتا اور نہ ہی ہم اسے پہچانتے ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بتایا کہ ہاں وہ اس طرح کے حلیے کا شخص ہے۔ گویا کہ وہ اپنی شکل وصورت کو ادنیٰ بنائے رکھتا ہے۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے تمسخر اور نفرت کرنے والے شخص نے عرض کیا: یا امیر المومنین! وہ اس وضع قطع کا شخص ہم میں موجود ہے جسے اویس کہتے ہیں، ہم اس سے تمسخر کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا کہ تو اس کو تلاش کر کے ملاقات کر۔ میں دیکھوں گا کہ تو اس سے ملا ہے۔ پھر وہ شخص حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور اپنے گھر جانے سے پہلے انہیں ملا۔ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے رویے کو معمول کے سلوک سے ہٹ کر ملاحظہ کیا، پوچھا کہ یہ اس طرح کی تکریم و تعظیم کی کیا وجہ ہے؟ تو اس نے بتایا کہ میں نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آپ کی شان میں اس اس طرح کے کلمات سنے ہیں جن سے متاثر ہو کر آپ کی عظمت کا معترف ہوا ہوں۔ یا اویس! شفقت کیجئے۔ میرے گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا خیر کیجئے۔ حضرت اویس نے اسے فرمایا کہ تیرے لئے استغفار اس شرط پر کروں گا کہ تو اب کے بعد میرے ساتھ تمسخر نہیں کرے گا اور میرے بارے میں جو تو نے امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ کسی سے بیان نہیں کرے گا۔ راوی فرماتے ہیں کہ اس شخص نے بتایا کہ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لئے استغفار کی۔

حضرت اسیر راوی فرماتے ہیں تھوڑے ہی عرصے میں حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ کوفہ میں کھل گیا۔ حضرت اسیر بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں کہ میں ان کے پاس گیا اور ان سے ملاقات کی۔ میں نے ان سے کہا کہ اے میرے بھائی! کیا میں آپ میں عجب (تکبر) نہیں پاتا حالانکہ ہم اس کا احساس نہیں کرتے۔ راوی فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جس چیز کی ہم لوگوں میں تبلیغ کرتے ہیں وہ اس میں نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے عمل ہی کا ثمرہ پائے گا۔ پھر وہ (اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ) لوگوں سے الگ ہو کر چلے گئے۔

(الطبقات الکبریٰ، جلد ۶، صفحہ ۲۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، حلیۃ الاولیاء، جلد ۲، صفحہ ۸۳، رقم الحدیث ۱۵۶۵، المکتبۃ التوفیقیہ، مصر، دلائل النبوۃ، جلد ۶، صفحہ ۳۷۷، ۳۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، تاریخ دمشق الکبیر، جلد ۹، صفحہ ۴۱۸، دار الفکر، بیروت، لبنان)

حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کی دعا:

۱۴- روی ابو نعیم فی المعرفة والبیهقی فی الدلائل وابن عساکر عن صعصة بن معاویة قال کان أویس بن عامر من التابعین رجلاً من قرن وان عمر بن الخطاب قال اخبرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم، انه، سیکون فی التابعین، رجل من قرن یقال له اویس بن عامر یخرج به وضع فیدعو الله ان یذهبه عنه فیقول اللهم دع لی فی جسدی منه ماأذکر به نعمتك علی فیدع له فی جسد مایذکر نعمته علیه فمن ادرکه منکم فاستطاع ان یستغفر له فلیستغفر له۔

روی الخطیب وابن عساکر وقال حدیث غریب جدا۔

ابو نعیم نے المعرفۃ میں بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابن عساکر نے صعصۃ بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت اویس بن عامر رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے قرن کے رہنے والے ایک

شخص ہیں۔ ان کے بارے میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ تابعین کرام میں سے قرن کا رہنے والا ایک شخص ہو گا جسے اویس بن عامر کے نام سے موسوم کریں گے، جس کے بدن پر برص کے سفید داغ ہوں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اس مرض سے شفایابی کی دعا کریں گے۔ وہ دعا اس طرح ہو گی: اے اللہ! میرے بدن میں اس مرض کا کچھ نشان باقی رکھ تا کہ میں تیری عطا کردہ اس نعمت کو یاد کرتا رہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرما کر ان کے بدن پر ان کو عطا کردہ نعمت کا نشان باقی رکھے گا۔ پس جو بھی تم میں سے ان کو ملے ممکن ہو تو ان سے اپنے حق میں استغفار کرائے۔ پس وہ اس کے حق میں استغفار کریں۔

الخطیب اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے، ساتھ ہی یہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث انتہائی غریب ہے۔ (دلائل النبوۃ، جلد ۶، صفحہ ۳۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، تاریخ دمشق الکبیر، جلد ۹، صفحہ ۴۲۰، دار الفکر، بیروت، لبنان)

لبیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

۱۴ – عن یحییٰ بن سعید عن سعید بن المسیب عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ذات یوم یاعمر فقلت لبیک وسعدیک یارسول اللہ فظننت انه یبغینی فی حاجة فقال یاعمر سیکون فی امتی آخر الناس رجل یقال له، اویس القرنی یصیبه، بلاء فی جسده فیدعو اللہ فیذهب به الا لمعة فی جنبه اذا رأها ذکر اللہ عزوجل فاذا لقیته فاقرء منی السلام وامره ان یدعولك فانه

کریم علٰی ربہ بار بوالدیہ لویقسم علی اللہ لابرہ یشفع لمثل ربیعۃ ومضر قال عمر فطلبتہ حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم اقدر علیہ وطلبتہ خلافۃ ابی بکر فلم اقدر علیہ وطلبتہ، شطر من امارتی فبینا استقرای الرفاق واقول فیکم احد من مراد؟ فیکم احد من قرن؟ فیکم اویس القرنی؟ قال شیخ من القوم ھو ابن اخی، انک تسأل عن رجل وضیع الشان لیس مثلک یسأل عنہ یاامیرالمونین قلت اراک فی ھمن الھالکین فرد الکلام الاول فبینا ان کذالک اذرفعت لی راحلتہ رثۃ الحال علیھا رجل رث الحال فوقع فی خطری انہ اویس قلت یاعبداللہ انت اویس القرنی قال نعم قلت فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرء علیک السلام قال علیٰ رسول اللہ السلام وعلیک یاامیرالمومنین قلت ویامرک ان تدعولی فکنت القاہ فی کل عام فاخبرہ، بذات نفسی ویخبرنی بذات نفسہ .

یحیٰی بن سعید سے مروی ہے کہ حضرت سعید بن المسیب نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ اے عمر! میں نے عرض کیا لبیک وسعدیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے سمجھا کہ شاید آپ نے مجھے اپنے کسی کام کے سرانجام دینے کے لئے طلب فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا اے عمر! بات یہ ہے کہ میری امت کے آخر لوگوں میں ایک عظیم المرتبت شخص ہوگا جسے اویس قرنی کے نام سے موسوم کریں گے۔ اس کے

بدن میں ایک مرض ہوگا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے شفایابی کی دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے شفایاب کرے گا لیکن اس کے ایک پہلو میں ایک دھبہ کا نشان باقی رہے گا۔ جب وہ اسے دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا۔ پس اے عمر! تو اس سے ملاقات کرے تو اسے میرا اسلام پہنچانا اور اسے کہنا کہ وہ تیرے لئے دعائے خیر کرے۔ اس لئے کہ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں صاحب تکریم ہے اور اپنے والدین کا خدمت گزار اور اطاعت شعار ہے۔ اگر وہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں کسی کام کے ہونے کی قسم کھالے تو اللہ عزوجل اس کی قسم کو سچا کر دیتا ہے۔ وہ ربیعہ اور مضر قبائل کے افراد کے برابر روز محشر شفاعت کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے زمانے میں تلاش کیا مگر میری جستجو ناکام ہوئی۔ پھر میں نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انہیں تلاش کیا تب بھی ان کا پتہ نہ چل سکا۔ اس کے بعد اپنی خلافت کے پہلے نصف دورانیے میں تلاش کیا۔ تب میں ان کی ہم سفر جماعت سے ملا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا تم میں قبیلہ مراد کا کوئی شخص ہے؟ تم میں کوئی قرن کا باسی ہے؟ تم میں اویس القرنی نام کا کوئی شخص ہے؟ اس گروہ کے ایک عمر رسیدہ بزرگ نے بتایا کہ وہ تو میرا بھتیجا ہے۔ وہ شخص جس کے بارے میں آپ دریافت کر رہے ہیں وہ تو ادنیٰ درجہ کا آدمی ہے۔ اے امیر المومنین! آپ جیسا عظیم المرتبت شخص اس معمولی آدمی کے بارے میں جستجو کرے، حیرانی کی بات ہے۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے کہا کہ میرے خیال میں تو اس نکتہ نگاہ میں تو

ہلاکت زدہ ہے۔ پھر اس نے اسی بات کو دہرایا۔ ہم اسی ردوقدح میں الجھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک گھٹیا ساز وسامان کی سواری میرے سامنے آئی۔ اس سواری پر ایک مفلوک الحال شخص سوار تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے دل میں خیال آیا کہ یہی میرا مطلوب شخص اویس ہوسکتا ہے۔ میں اس سے مخاطب ہوا اور پوچھا کہ اے اللہ کے عبد مکرم کیا تو اویس القرنی ہے؟ جواب ملا کہ میں اویس القرنی ہی ہوں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچایا۔ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو اور اے امیر المومنین! آپ پر سلام ہو۔ نیز میں نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ میرے لئے دعا کریں۔ اس کے بعد میں حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو ہر سال ملتا رہا اور اپنی خیر وعافیت انہیں بتاتا اور وہ مجھے اپنی خیر وعافیت بتاتے تھے۔ (اس کی تخریج رقم ے کے تحت گزر چکی ہے۔ سیالوی)

حضرت حسن بصری کا فرمان:

۱۵ – روی ابن عساکر عن الحسن قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدخل من امتی الجنۃ اکثر من ربیعۃ ومضر اما اسمی ذلک الرجل قالوا بلیٰ قال ذاک اویس القرنی ثم قال یاعمر ادرکتہ، فاقرء منی السلام وقل لہ حتی یدعولک واعلم انہ، کان بہ وضع فدعا اللہ فرقع عنہ ثم دعاہ فرد علیہ بعضہ، فلما کان فی خلافۃ عمر قال عمر وھو بالموسم لیجلس کل رجل منکم الا من کان من قرن فجلسوا الا رجلا وقال ماترید منہ فانہ، رجل لایعرف یاوی

الخرابات لایخالط الناس فقال اقرء ہ منی السلام وقل له، حتی یلقانی فابلغه الرجل رسالة عمر فقدم علیه قال له، عمر انت اویس فقال نعم یا امیر المومنین فقال صدق الله ورسوله، هل کان بك وضح فدعوت الله فرفعه، علیك ثم دعوته، فرد علیك بعضه، فقال نعم من اخبرك به فوالله ما اطلع علیه غیر الله قال اخبرنی به رسول الله علیه السلام وامرنی ان اسئالك حتی تدعولی وقال یدخل الجنة بشفاعة رجل من امتی اکثر من ربیعة ومضر ثم سماك فدعا یعمر ثم قال له، حاجتی الیك یاامیر المومنین ان تکتمها علیهم وتاذن فی الانصراف ففعل فلم یزل مستخفیا من الناس حتی نهاوند فیمن استشهد.

ابن عساکر نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کی شفاعت سے میری امت کے ربیعہ اور مضر قبائل سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ موجود لوگوں نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے کہا اس شخص کا نام ظاہر نہیں کیا گیا؟ آپ نے جواب دیا ہاں! وہ شخص اویس القرنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر! تو اس شفاعت کرنے والے شخص سے ملے گا۔ جب تو اسے ملے تو اسے میرا سلام پہنچانا اور اسے کہنا کہ وہ میرے لئے دعا کرے۔ اس شخص کے بارے میں مزید سن لو کہ اس کو برص کا مرض ہوا تھا جس سے شفایابی کے لئے اللہ عزوجل سے دعا کی

تو اللہ تعالیٰ نے اسے صحت بخشی۔ پھر بارگاہ ربوبیت میں دعا کی کہ اس مرض میں کچھ علامت اس کے بدن پر باقی رکھی جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اس کے بدن پر اس مرض کا کچھ نشان باقی رہا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج کے موسم میں خدمت میں حاضر لوگوں سے فرمایا کہ قرن کے باشندوں کے سوا سب لوگ بیٹھ جائیں۔ سب لوگ بیٹھ گئے لیکن ایک شخص کھڑا رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا اور اس سے دریافت کیا کہ تم میں ایک شخص ہے جس کا نام اویس ہے۔ تو اسے جانتا ہے؟ اس قرنی شخص نے جواب دیا کہ جناب کو اس شخص سے کیا کام ہے؟ یہ تو غیر معروف شخص ہے اور ویرانوں میں رہتا ہے۔ لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ اسے میرا اسلام پہنچاؤ اور اسے بتاؤ کہ وہ مجھے ملے۔ جب وہ شخص حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو ملا تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سلام پہنچایا تو اویس القرنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تو اویس ہے؟ تو حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اے امیر المومنین! ہاں میں اویس القرنی ہی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب سن کر فرمایا کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سچ ہے۔ ان سے پوچھا کہ کیا تجھے برص کا مرض ہوا تھا؟ تو نے اللہ تعالیٰ سے شفایابی کی دعا کی تھی۔ اللہ عزوجل نے تیری دعا کو قبول فرمایا تھا، تجھے شفا ہوئی پھر تو نے اللہ عزوجل سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے تیرے بدن پر اس مرض کا کچھ نشان باقی رکھا؟ حضرت اویس رحمۃ

اللہ علیہ نے ان کے سوالات کا جواب اثبات میں دیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کو کس نے ان امور کی اطلاع دی ہے۔ جب کہ ان امور کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تم ان سے اپنے لئے دعا خیر کی درخواست کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا کہ میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے قبیلہ ربیعہ اور مضر کے افراد سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا نام لیا یعنی وہ شفاعت کرنے والے شخص حضرت اویس القرنی ہوں گے۔ پھر حضرت اویس القرنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہم کلام ہوئے کہ مجھے آپ سے ایک اہم بات کا مطالبہ ہے کہ آپ لوگوں کو میری تشہیر نہ کریں۔ مجھے پوشیدہ رکھیں۔ پھر حضرت اویس القرنی رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت لی اور چلے گئے۔ ہمیشہ وہ لوگوں سے مستور رہے حتیٰ کہ انہوں نہاوند میں جامِ شہادت نوش کیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر، جلد۹، صفحہ۴۵۴، دار الفکر، بیروت)

جانِ کائنات نے بشارت دی:

۱۶- روی ابن عساکر عن سعید بن المسیب قال نادی عمر بن الخطاب علی المنبر بمعنی یااھل القرن فقام مشائخ فقالوا یاامیر المومنین قال افی قرن من اسمہ اویس فقال شیخ یاامیر المومنین لیس فینا من اسمہ اویس الا مجنون لیسکن القفار والرمال لایالف ولایؤلف فقال ذاک

الـذی اعنیـه اذا عـدتـم الـی قـرن فاطلبوه وبلغوه سلامی وقـولوا له ان رسول الله علیه السلام بشرنی بلك وامرنی ان اقـرا عـلیك سـلامـه . فـعـادوا الـی قرن فطلبوه جدوه فی الـرمـال فـابلغوه سلام رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال عـرفنی امیر المؤمنین وشهر باسمی السلام علٰی رسول الله عـلیـه السـلام اللهم صل علیه وآله . وهام علٰی وجهه فلم یـوقف له بعد ذٰلك علٰی اثر ذهرا ثم عاد فی ایام علی رضی الله عنه فقاتل بین یدیه فاستشهد فی صفین .

ابن عساکر نے حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں منبر پر کھڑے ہوکر ندا دی کہ قرن کے رہنے والو! تو یہ فرمان سن کر عمر رسیدہ قرنی بزرگ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور ارشاد فرمائیے۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم میں قرن کا رہنے والا اویس نام والا شخص موجود ہے؟ ان میں سے ایک بزرگ بولے: اے امیر المومنین! ہم میں اویس نام والا کوئی شخص نہیں ہے۔ البتہ ایک دیوانہ شخص ہے جو ویرانے اور ریگستان میں رہتا ہے۔ وہ کسی سے میل جول رکھتا ہے اور نہ کوئی اس سے میل جول رکھتا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہی تو میرا مطلوب ہے۔ جب تم قرن واپس جاؤ تو اسے تلاش کرو اور اسے میرا اسلام پہنچاؤ اور اسے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آپ سے ملاقات کی بشارت دی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچاؤں۔

پھر وہ قرنی لوگ اپنے وطن قرن واپس لوٹے۔ انہوں نے حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کو تلاش کیا اور انہیں ریگزار میں پایا اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچایا۔ حضرت اویس القرنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں سے کہا کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے میرا لوگوں سے تعارف کرا دیا ہے اور میرے نام کا چرچا کر دیا ہے۔ پھر آپ نے نہایت ادب سے کہا: السلام علٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ پھر وہ اپنا سارخ لے کر چلے گئے۔ وہ کافی عرصہ تک گم رہے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لوٹ آئے اور صفین کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر لڑے اور شہید ہوئے۔

(تاریخ دمشق الکبیر، جلد ۹، صفحہ ۴۳۴، دار الفکر، بیروت)

یہ درویشی ہے جس پر ہیں فدا حاذق زمانے کے:

۱۷- روی ابو یعلٰی وابن مندة وابن عساكر عن صعصعة بن معاوية قال كان عمر بن الخطاب يسأل وفد اهل الكوفة اذ قدموا عليه اتعرفون اويس بن عامر القرنى فيقولون لا . وكان اويس رجلًا يلزم المسجد بالكوفة فلا يكاد يفارقه، وله، ابن عم يغشى السلطان ويؤذى اويسا فوافد ابن عمه فيمن وفد من اهل الكوفة قال عمر اتعرفون اويس بن عامر القرنى فقال ابن عمه ياامير المؤمنين اويسا لم يبلغ ان تعرفه، انت انما هو انسان ذون وهو ابن عمى فقال له، عمر ويلك هلكت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حدثنا انه سيكون فى التابعين رجل يقال له، اويس بن عامر

القرنی فمن ادرکه، منکم اوستطاع ان یستغفرله، فلیفعل فاذا رأیته، فاقرء منی السلام ومره ان یستغفرله فوفد الیه فما دخل علیه قال انت اویس بن عامر القرنی انت الذی خرج بك وضح من برص فدعوت الله ان یذهبه، عنك فاذهبه، فقلت اللهم ابق لی منه فی جسدی ما اذکر به نعمتك قال وانی دریت یاامیر المؤمنین والله مااطلع علی هذا بشر ۔ قال اخبرنی به رسول الله صلی الله علیه وسلم انه سیکون فی التابعین رجل یقال له اویس بن عامر القرنی یخرج به وضح من برص فیدعوالله ان یذهبه، عنه فیفعل فیقول اللهم اترك فی جسدی ماذکر به نعمتك ففعل فمن ادرکه، واستطاع ان یستغفرله، فلیفعل فاستغفرلی یااویس قال غفرالله لك یاامیر المؤمنین قال یغفرالله یااویس بن عامر فقال الناس استغفرلنا یااویس فراع مما روی حتیٰ الساعة ۔

ابویعلیٰ، ابن منده، ابن عساکر نے حضرت صعصہ بن معاویہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کوفہ سے آنے والے وفود سے دریافت کرتے تھے۔ کیا تم اویس بن عامر القرنی کو پہچانتے ہو؟ تو وہ نفی میں جواب دیتے۔

حضرت اویس القرنی رحمۃ اللہ علیہ ایسے صالح اور عبادت گزار شخص تھے جو کوفے کی جامع مسجد میں شب وروز قیام پذیر رہتے تھے۔ حتی الامکان مسجد سے الگ نہ ہوتے تھے۔ وہاں ان کا ایک چچازاد رہتا تھا جو حضرت

ایس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو اذیت دیتا تھا۔ ایک دفعہ اہل کوفہ کا ایک وفد مدینہ طیبہ گیا جس میں حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کا وہی چچازاد شامل بھی تھا۔ یہ لوگ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم اویس بن عامر القرنی کو جانتے ہو؟ تو اویس القرنی رحمۃ اللہ علیہ کے چچازاد نے امیر المؤمنین کی خدمت میں عرض کیا کہ جناب! اویس کا اتنا کہاں مقام کہ آپ اس کے متعلق دریافت کریں۔ وہ تو کم درجہ کا آدمی ہے۔ وہ میرا چچازاد ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی گفتگو سن کر خفگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ تو ہلاک ہو گیا۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تابعین میں ایک شخص ہو گا جسے اویس بن عامر قرنی کے نام کے ساتھ موسوم کرتے ہوں گے۔ جو بھی تم میں سے اسے ملے ان سے استغفار کرانے کی سعادت حاصل کر سکتا ہے تو ضرور استغفار کرائے۔ نیز فرمایا کہ اے عمر! جب تو اس سے ملے تو اس کو میرا اسلام پہنچاؤ اور اسے کہو کہ وہ آپ کے لئے استغفار کریں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئے۔ جب آپ ان سے ملے تو ان سے پوچھا کہ تم اویس بن عامر القرنی ہو۔ تمہیں برص کے مرض کی وجہ سے سفید نشان تھا۔ تو نے اللہ تعالیٰ سے اس سے صحت یابی کی دعا کی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے تجھے اس برص سے صحت یاب کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی تھی۔ اے اللہ! میرے بدن میں اس مرض کا کچھ نشان باقی رکھ تاکہ میں اسے دیکھ کر تیری نعمت کو یاد کروں۔ یہ سن کر حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یا امیر المؤمنین میں سمجھ گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی

قسم! اس واقعہ کا کسی بشر کو علم نہیں ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تابعین کرام میں ایک شخص ہوگا جسے اویس بن عامر القرنی کے نام سے موسوم کرتے ہوں گے۔ اسے برص کا مرض ہوگا اور اللہ عزوجل سے صحت یابی کی دعا کرے گا تو اس کی دعا قبول ہوگی اور مرض جاتا رہے گا۔ پس وہ بارگاہِ الٰہی میں التجا کرے گا۔ اے اللہ! میرے جسم میں اس مرض کا کچھ نشان چھوڑ تاکہ میں اسے دیکھ کر تیری نعمت کو یاد کرتا رہوں۔ مزید فرمایا کہ تم میں سے جو شخص اس سے ملے تو اس سے استغفار تو ضرور کرائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے اویس! میرے لئے استغفار کرو! تو اویس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یاامیر المؤمنین اغفر اللہ لك۔ (اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یااویس بن عامر یغفر اللہ لك۔ پھر لوگوں نے درخواست کی: یااویس! ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ پس وہ اب تک روایت مذکور سے ڈرتے رہے۔

(مسند ابو یعلیٰ، مسند عمر بن الخطاب، صفحہ ۸۰، رقم الحدیث ۲۱۲، دار المعرفۃ، بیروت، تاریخ دمشق الکبیر، جلد ۹، صفحہ ۴۱۹، دار الفکر، بیروت، لبنان، سیر اعلام النبلاء، اویس القرنی، رقم الترجمہ ۳۷۳، جلد ۴، صفحہ ۵۲۳-۵۲۲، دار الحدیث قاہرہ، مصر)

حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہما کی تاجدارِ یمن سے ملاقات:

۱۸- رواہ ابن عساکر عن افشل بن سعید عن الضحاك بن مزاحم عن ابن عباس قال مکث عمر یسأل عن اویس بن عامر القرنی عشر سنین فذکر انہ قال یاهل الیمن من کان من مراد وقعد اخرون فقال فیکم اویس؟ فقال رجل

یاامیر المؤمنین لانعرف اویسا ولکن لی ابن اخ یقال له، اویس هو اضعف وامهن عن ان یسأل مثلك عن مثله قال له، ابحرمنا هو قال نعم باراك بعرفة یرعی ابل القوم فرکب عمر وعلی علی حمارین ثم انطلقا حتی اتیا الاراك فاذا هو قائم یصلی یضرب ببصره نحو مسجده فدخل بعضه فی بعض فلما راياه قال احدهما ان بك احد الذی تطلب فهذه هو فلما سمع حسهما خفف وانصرف فسلما علیه فرد علیهما وعلیکما السلام ورحمة الله قالا له، ماسمك قال انا عبدالله قال له، علی قد علمنا ان من فی السموت والارض عبدالله فانشدك برب الکعبة ورب هٰذا الحرم ما اسمك الذی سماك به امك؟ قال وما ترید الی ذٰلك انا اویس بن مراد فقالا له، اکشف لنا عن شقك الایسر فکشف لهما اذا لمعة بیضاء قدر الدرهم من غیر سوء فابتدرا یقبلان الموضع ثم قالا له، ان رسول الله صلی الله علیه وسلم امرنا ان نقرء بك السلام وان نسالك ان تدعوا قال ان دعائی فی شرق الارض وغربها لجمیع المؤمنین والمؤمنات فقالا وادع لنا فدعا لهما والجمیع المؤمنین والمؤمنات فقال له عمر اعطیك شیئا من رزقی اومن عطائی تستعین به فقال ثوبائی جدید ان ونعلای مخصوفتان ومعی اربعة دراهم ولی فضله، عند القوم فمتی افنی هذا انه، من امل جمعة امل شهراً ومن امل شهرا امل

سنة ثم رد علی القوم ابلهم ثم فارقهم فلم یر بعد ذلك .

ابن عساکر نے افشل بن سعید سے اور انہوں نے الضحاک بن مزاحم سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ دس سال تک حضرت اویس بن عامر قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات نہ کر سکے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل یمن سے پوچھا کہ قبیلہ مراد کے کون لوگ موجود ہیں؟ تو قبیلہ مراد کے سب لوگ بیٹھ گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا: تم میں اویس ہے؟ ان میں سے ایک شخص نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! ہمیں کسی اویس کا علم نہیں ہے البتہ میرا ایک چچازاد اویس نام والا ہے جو کمزور اور ادنیٰ آدمی ہے۔ آپ جیسا عظیم المرتبت آدمی اتنا کم ترین مرتبے کے آدمی کے بارے میں دریافت کرے، تعجب کی بات ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے پوچھا کہ وہ یعنی اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حرم مکہ میں موجود ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں وہ عرفات کے علاقے میں پیلوں والے جنگل میں اپنی قوم کے اونٹ چرا رہا ہے۔ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اپنی سواریوں پر سوار ہوئے اور ان کی طرف روانہ ہو گئے یہاں تک کہ دونوں پیلوں کے جنگل میں پہنچ گئے۔ دیکھا تو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور اپنی سجدہ گاہ پر نظر ٹکائے ہوئے ہیں۔ اس کا بعض بعض سے ملا۔ جب ان ہر دونوں نے حضرت اویس القرنی کو دیکھ لیا تو ہر ایک نے ایک دوسرے کو کہا کہ جو کوئی ایک تیرے ساتھ ہے جو کہ ہمارا مطلوب ہے پس

وہ یہی ہے۔ جب حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں اصحاب کرام کے قدموں کی چاپ سنی تو نماز کو خفیف کر دیا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو اصحاب کرام نے حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کو سلام کیا تو آپ نے ان کے سلام کا جواب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا۔ پھر ان دونوں اصحاب کرام نے حضرت اویس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟ آپ نے بتایا کہ میرا نام عبداللہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اویس رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا کہ ہم جانتے ہیں کہ جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ عبداللہ ہے۔ میں تجھے رب کعبہ اور اس حرم کے رب کی قسم دیتا ہوں، تیرا نام جو تیری امی نے رکھا ہے وہ کیا ہے؟ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا تمہیں اس کی ضرورت کیوں پڑی ہے۔ پھر بتایا کہ اویس بن مراد ہوں۔ تو ان دونوں صحابہ کرام نے ان سے کہا کہ تم اپنا بایاں پہلو کھول کر ہمیں دکھاؤ۔ حضرت خواجہ نے پہلو کھولا تو ان کے پہلو پر بیماری کے ایک درہم کے برابر سفید نشان ہے۔ تو وہ دونوں صحابہ کرام اس جگہ کو چومنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے آگے بڑھے۔ اس کے بعد ان اصحاب کرام نے حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آپ کو سلام پہنچائیں اور آپ سے اپنے لئے دعائے خیر کی درخواست کریں۔ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میری دعا زمین کے مشرق ومغرب کے سب مومنوں اور مومنات کے لئے عام ہے۔ پھر انہوں نے درخواست کی کہ آپ ہمارے لئے دعا خیر کریں۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اصحاب کرام کے لئے دعائے خیر کی اور

تمام مومنوں اور مومنات کے لئے دعائے خیر کی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میں تجھے کچھ نفقہ دوں یا کچھ عطیہ دوں کہ آپ اس سے نفع اٹھائیں۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میرے دونوں کپڑے نئے ہیں اور میرے جوتے عمدہ اور رنگے ہوئے ہیں اور میرے پاس چار درہم ہیں اور میں لوگوں سے مستغنی ہوں۔ جب یہ ختم ہوں گے حقیقت یہ ہے کہ جس نے جمعہ کی امید رکھی اس نے مہینہ کی امید رکھی، جس نے مہینہ کی امید رکھی اس نے سال کی امید رکھی۔ اس کے بعد حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کے اونٹ لوگوں کے حوالے کئے، پھر وہ ان سے الگ ہو گئے پھر وہ اس کے بعد نہیں دیکھے گئے۔

(تاریخ دمشق الکبیر، جلد۹، صفحہ۴۲۲، دار الفکر، بیروت)

آٹھ افراد پر زہد ختم ہے:

۱۹ – روى ابن عساكر ايضا عن علقمة بن يزيد الحضرمى قال انتهى الزهد الى ثمانية نفر من التابعين عامر بن عبدالله بن قيس، واويس القرنى، وهرم بن حيان العبدى، والربيع بن خيثم، وابى مسلم الخولانى، والاسود بن يزيد، ومسروق بن الاجدع، والحسن بن ابى الحسن البصرى .

نیز ابن عساکر نے علقمہ بن یزید الحضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ زہد تابعین کرام کے آٹھ افراد پر ختم ہے (۱) عامر بن عبداللہ بن قیس (۲) اویس القرنی (۳) ہرم بن حیان العبدی (۴) الربیع بن خیثم (۵) ابو مسلم الخولانی (۶) الاسود بن یزید (۷) مسروق بن

الاجدع (۸) الحسن بن ابی الحسن البصری۔

فما اویس القرنی فان اهله، ظنوا انه مجنون بنوا بیتا علی باب دراهم فکان یاتی علیهم السنة والسنتان ولایرون له وجهاً وکان طعامه، مما یلتقطه من الثوی فاذا امسی باعه لافطاره وان اصاب حشفا حسباناً لافطاره فلما ولی عمر بن الخطاب قال یاایها الناس قوموا بالموسم فقاموا فقال الااجلسوا الا من کان من اهل الیمن فجلسوا فقال الا اجلسوا الا من کان من اهل الکوفة فجلسوا فقال الا اجلسوا الا من کان من مراد فجلسوا فقال الا اجلسوا الا من کان من قرن فجلسوا الا رجلا وکان عم اویس فقال له، عمر اخبرنی انت قال نعم قال اتعرف اویسا قال وما تسأل عن ذلك یا امیر المؤمنین فوالله مافینا اخف منه ولااخس منه ولا احوج منه فبلیٰ عمر قال بك لابه سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول یدخل الجنة بشفاعة مثل ربیعة ومضر۔

حضرت اویس القرنی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان نے آپ کو مجنون سمجھا۔ انہوں نے اپنے گھروں کے سامنے ایک گھر بنایا جہاں وہ سال یا دو سال بعد آتے تھے۔ ان کا چہرہ نہ دیکھ پاتے یعنی وہ گھر میں چھپے رہتے۔ وہ گری پڑی کھجور کی گٹھلیوں کو چنتے، جب شام ہوتی تو انہیں بیچ ڈالتے۔ اس رقم سے افطاری کا سامان لاتے یا ردی کھجور کو اپنے افطار کے لئے رکھ لیتے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین بنے تو آپ نے حج کے موسم

میں لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: اے لوگو! کھڑے ہو جاؤ۔ تو وہ سب کھڑے ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ یمن والوں کے سوا سب بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا کہ کوفہ والوں کے سوا سب بیٹھ جاؤ۔ تو وہ سب بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا کہ مراد والوں کے سوا سب بیٹھ جائیں۔ تو وہ سب بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا کہ قرن والوں کے سوا سب بیٹھ جائیں۔ تو وہ سب بیٹھ گئے۔ ان کا ایک شخص کھڑا رہا اور وہ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کے چچا تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ تم مجھے کچھ بتا سکتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تو اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو پہچانتا ہے۔ اس نے عرض کیا اے امیر المؤمنین آپ اس کے بارے میں کیوں پوچھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم میں سے زیادہ اس سے ہلکا شخص اور زیادہ ادنیٰ، اور اس سے زیادہ مفلوک الحال کوئی شخص نہیں ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غم زدہ ہو گئے۔ فرمایا کہ تجھ سے اور اس سے نہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے ایک شخص کی شفاعت سے قبیلہ ربیعہ اور مضر کے افراد کے برابر تعداد میں لوگ جنت میں جائیں گے۔

(تاریخ دمشق الکبیر، جلد ۹، صفحہ ۴۳۲، دار الفکر)

فهـذه الاحـاديث دالة على جلالة اويس ورفعة قدره وعلىٰ جهالة حاله وخفاء امه ويتشكل يقول الشيخ علائی الدولتة السمنانی من ان القطب فی زمان النبی صلی اللہ علیه وسلم عـم اويـس الـقـرنی عاصم فجری ان يقول انی لاجد نفس الـرحـمن من قبل اليمن ۔ (مسـنـد بـزار، ۲۷۰۲، مسـنـد الشاميين،

۱۰۸۳، التاریخ الکبیر، جلد ۴، صفحه ۷۰، معجم الکبیر، ۶۳۵۸، الاسماء والصفات، ۹۶۸) وهو مظهر خاص لتجلی الرحمانی کما کان النبی صلی الله علیه وسلم مظهراً خاصاً لتجلی الالهی المخصوص باسم الذات وهو الله سبحانه ۔ انتهیٰ ۔

خلاصہ احادیث: پس احادیث حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت اور ان کی رفعت ان کے حال کی گمانی اور اس کے معاملہ کے پوشیدہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت الشیخ علائی الدولۃ السمنانی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قطب حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے چچا حضرت عاصم تھے۔انہوں نے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انی لاجدُ نفس الرحمٰن من قبل الیمن اور عاصم رضی اللہ عنہ تجلی رحمانی کے مظہر خاص تھے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تجلی الٰہی مخصوص باسم ذات کے مظہر خاص تھے اس ذات یعنی اللہ تعالیٰ ہے۔

ولایخفی عاصمًا هٰذا لیس له ذکر فی الوجود لاخاصًا ولاعامًا وعلٰی تقدیر ثبوته بالنقل اوالکشف المقبول لاهل العقل یستبعد ان تکون القطبیة له، مع وجود الخلفاء الاربعة الذین هم افضل الخلق بعد الانبیاء باجماع الامة فالظاهر انه، قطب دائرة الوجود للسابقین وللاحقین فی مقام الشهود ولاشك انه، قطب الارشاد لجمیع العباد فی سائر البلاد وتکون هٰذه السنبة العلیة والرتبة القطبیة منتقلة الی خلفاء الراشدیة المهدیة وهلما جرا من یکون الجامع

بین المعالم الشرعیة والمعارف الدنیة .

خلاصہ احادیث: آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا ذکر موجوداتِ عالم میں نہیں ہے۔ نہ خاص اور نہ عام میں۔ اگر بالفرض محال بطور نقل یا بطور کشف مقبول ان کا وجود تسلیم کرلیا جائے تو ان کی قطبیت خلفائے راشدین کے ہوتے ہوئے بعیداز گمان وقیاس ہے کیونکہ اجماع امت سے ثابت ہے کہ خلفائے راشدین سب کے سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد افضل الخلق اور اشرف الناس ہیں۔ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام شہود میں سابقین اور لاحقین کے دائرہ وجود کے قطب ہیں۔ بلاشک وشبہ وہ ذات اقدس تمام عباد کے لئے ساری کائنات میں قطب الارشاد ہیں۔ یہ نسبت اور یہ قطبیت کا عظیم مرتبہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم سے منتقل ہو کر صالحین امت میں جاری رہا ہے۔ اور اب تک وہ لوگ بہرہ ور ہوئے ہیں۔ جو شریعت مطہرہ اور معارف لدنیہ کے فیوضات سے متصف ہیں۔

قطب ابدال:

اما القطب الابدال فی زمانه علیه السلام الذی فی ظنی انه اویس القرنی، علٰی انه قال الامام الیافعی وقد سترت احوال القطب فهو الغوث عن العامة والخاصة غیرة من الحق علیه . ویویدة ما فی الحدیث القدسی اولیائی تحت قبائی لایعرفهم غیری .

وحیث انجر المقال الی تحقیق الحال فلا یرید من معرفة الولی والقطب والاوتاد والابدال .

البتہ قطب ابدال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میرے خیال میں حضرت اویس القرنی رحمۃ اللہ علیہ ہوتے ہیں اور وہی خواص وعوام میں سے غوث ہوتا ہے۔ اور اس لئے کہ ذات حق عزوجل اپنی غیرت کی وجہ سے اسے مستور رکھتی ہے۔ ان کے اس قول کی تائید اس حدیث قدسی سے ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں یہ ہے: **اولیائی تحت قبائی لایعرفھم غیری** ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے اولیاء میری قباء کے نیچے ہیں۔ میرے سوا ان کو کون نہیں پہچانتا۔ اس لئے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ذات حق کی تجلیات میں مستور ہے۔ لہٰذا ایسی صفت سے متصف ولی قطب ہوتا ہے۔

اولیاء کی پہچان:

فاعلم ان اولیائھم المتقون الازکیاء التابعون للانبیاء کما قال تعالیٰ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۔ وقال عزوعلا، اِنْ اَوْلِيَآئُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ واقل مراتب التقویٰ ان یتقی الشرک باللہ واعلاہ ان یکون لہ، دوام الحضور مع اللہ ویتقی حضور ماسواہ وما بینھا المراتب العلیۃ لارباب المناقب الجلیۃ لکن فی عرف الفقھاء وسائر العلماء ان الولی ھو الذی یکتسب الما مورات ویجتنب المحضورات ولم یکن مصرا علی الصغائر ولم یوجد مقرا علی الکبائر ثم منھم الخواص ارباب الاختصاص ۔

جب گفتگو تحقیق حال تک پہنچ گئی تو اب ضروری ہے کہ ولی قطب، اوتاد اور

ابدال کی پہچان ومعرفت پر گفتگو کی جائے۔ یاد رکھئے کہ اولیاء کرام متقی اور صاحب تزکیہ ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے مطیع وتابع دار لوگ ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول کریم ہے: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۔ (پارہ ۱۱، سورۂ یونس، آیت ۶۲-۶۳)۔ (یاد رکھو کہ اللہ کے ولیوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور برائیوں سے پرہیز رکھتے ہیں) نیز فرمایا: اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (پارہ ۹، سورۂ انفال، آیت ۳۴)۔ (اس کے متولی تو سوا متقیوں کے اور اشخاص نہیں لیکن ان کا اکثر لوگ علم نہیں رکھتے)

تقویٰ کے مراتب کا کم مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے سے اجتناب ہے اور اس کا اعلیٰ درجہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر دم حضور ہے۔ اور ماسواء اللہ کے حضور سے پرہیز اور اجتناب ہے۔ اور ان دونوں مراتب کے مابین جلیل المناقب لوگوں کے عظیم مراتب ہیں لیکن فقہاء اور باقی علماء کے عرف میں ولی وہ شخص ہے جو ماموارت شرعیہ پر عمل کرتا ہے اور منہیات وممنوعات شرعیہ سے اجتناب کرتا ہے۔ اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہیں کرتا اور کبیرہ گناہوں پر قائم نہیں رہتا۔ پھر ان اولیاء کرام میں خواص ہیں جن کو بارگاہِ الوہیت میں خصوصیت حاصل ہے۔

ابدال شام میں ہیں:

۲۰- فعن علی کرم اللہ وجهه، عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: لاتسبوا اهل الشام فان فیهم الابدال ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: اہل شام کو برامت کہو کہ ان میں ابدال ہیں۔

(الفتن، بدو فتنة الشام، صفحہ ۱۴۱، رقم الحدیث ۶۳۹، مکتبة الصفا، قاہرہ، المعجم الاوسط، من اسمہ علی، جلد ۳، صفحہ ۲۷۴، رقم الحدیث ۳۰۹۵، دارالکتب العلمیہ)

۲۱- وفی روایة عنه موقوفًا: وسبوا ظلمتهم .

اس ملک کے ظالموں کو برا کہو۔

(مستدرک علی الصحیحین، کتاب الفتن والملاحم، جلد ۴، صفحہ ۹۶، رقم الحدیث ۸۶۵۸)

۲۲- وفی اخریٰ عنه: لاتعم، فان فیهم الابدال .

ان کے ساتھ حسد نہ کرو کہ ان میں ابدال ہیں۔ (تاریخ دمشق الکبیر، جلد ۱، صفحہ ۲۹۶، دارالفکر، بیروت۔ تاریخ دمشق الکبیر، جلد ۱، صفحہ ۳۴۱، دارالفکر، بیروت)

۲۳- وفی اخریٰ: الابدال بالشام، والنجباء باالکوفة .

اور ایک روایت میں ہے کہ ابدال شام میں اور نجباء کوفہ میں ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر، جلد ۱، صفحہ ۲۹۶، دارالفکر، بیروت)

۲۴- وفی اخریٰ: الا ان الاوتاد من ابناء الکوفة، والابدال من اهل الشام .

اور ایک روایت میں ہے:

یاد رکھو! اوتاد کوفہ میں ہیں اور ابدال شام میں۔

(ابن عساکر، جلد ۱، صفحہ ۲۹۷، دارالفکر، بیروت)

۲۵- وفی اخریٰ: النجباء بمصر، والاخیار من اهل العراق . والعصائب بالیمن، ولاابدال بالشام وهم قلیل .

اور ایک روایت میں ہے کہ نجباء مصر میں ہیں اور اخیار اہل عراق میں سے ہیں اور قطب یمن سے ہیں اور ابدال شام میں اور وہ قلیل تعداد میں ہیں۔ (ابن عساکر، جلد ۱، صفحہ ۳۰۰-۲۹۸)

۲۶- واخرج احمد عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الابدال بالشام وهم اربعون رجلاً، يسعى بهم الغيث، وينصر بهم على الاعداء، ويصرف عن اهل الشام بهم العذاب .

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ: ابدال شام سے ہیں، اور وہ چالیس مرد ہیں۔ ان ہی کی برکت سے بارش ہوتی ہے، اور ان ہی کے وسیلہ سے دشمنوں پر تمہاری مدد کی جاتی ہے اور ان ہی کی برکت سے اہل شام سے عذاب دفع کیا جاتا ہے۔

(مسند احمد، مسند علی بن ابی طالب، جلد ا، صفحہ ۴۸۹، رقم الحدیث ۸۹۶، دار الحدیث قاہرہ، مصر، مجمع الزوائد، کتاب المناقب، باب وما جاء فی الابدال وانھم بالشام، جلد ۱۰، صفحہ ۳۴، رقم الحدیث ۱۶۶۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، غایۃ المقصد فی زوائد مسند احمد، کتاب المناقب، باب: فی فضل الشام واھلہ، جلد ۴، صفحہ ۳۴، رقم الحدیث ۴۰۷۴، مکتبۃ بیت السلام الریاض، تاریخ دمشق الکبیر، جلد ا، صفحہ ۲۸۹، دار الفکر، بیروت)

نوٹ: یہ حدیث توسل اولیاء کی واضح دلیل ہے، بارش ہوتی ہے تو اولیاء کاملین کے توسل سے، لوگوں کی مدد کی جاتی ہے تو اولیاء کاملین کے وسیلہ سے، اہل شام عذاب سے محفوظ ہیں تو اولیاء کاملین کے وسیلہ سے۔ معلوم ہوا کہ توسل اولیاء برحق ہے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (سیالوی)

۲۷- واخرج ابن ابى الدنيا عنه: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الابدال؟ (قال) وهم ستون رجلاً، فقلت: يارسول الله صلى الله عليه وسلم! اجلهم لى؟ قال: ليسوا بالمتنطعين، ولا بالمبتدعين، ولا بالمتنمين، لم

ینالوا ما نالوا بکثرۃ صلاۃ ولا صیام ولا صدقۃ، ولکن بسخاء الانفس، وسلامۃ القلوب، والنصحۃ لائمتھم ۔

ابن ابی دنیا نے ان سے روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابدال کے بارے میں دریافت کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ ساٹھ مرد ہیں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی ان میں شامل فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ قول وفعل میں انتہا پسند نہیں ہیں، وہ بدعت میں مبتلا ہونے والے نہیں ہیں، وہ امور میں شدت پسند نہیں ہیں، انہوں نے جو مرتبہ پایا ہے وہ روزے، نماز اور صدقے کی کثرت سے نہیں پایا بلکہ نفوس کی سخاوت اور کرم، سلامتی قلب اور اپنے حاکموں کی خیر خواہی سے پایا ہے۔

(موسوعۃ ابن الدنیا، کتاب الاولیاء، جلد۲، صفحہ۱۹۷، رقم الحدیث۸، دار التوفیقۃ للتراث، قاہرہ)

۲۸- واخرجہ الخلال فی "کرامات اولیاء" وفیہ: ولا بالمعجبین، بدل "ولا بالمتمقین" وذاد فی اٰخرہٖ: انھم یاعلی فی امتی من الکبریت الاحمر ۔

امام خلال نے اپنی کتاب "کرامات اولیاء" میں ان الفاظ سے نقل کیا ہے: معنی وہی ہے صرف الفاظ کا فرق ہے۔ امام خلال نے البتہ یہ اضافہ نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے علی! میری امت میں وہ سونے سے بھی کم ہیں۔

(کرامات اولیاء، صفحہ۳۱۶، رقم الحدیث۱۴، المکتبۃ الاسلامیہ، قاہرہ)

۲۹- وعن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: البدلاء اربعون رجلاً، اثنان وعشرون بالشام،

وثمانية عشر بالعراق، كلما مات منهم احدبدل الله تعالىٰ مكانه اخر، فاذا جاء الامر قبضوا كلهم، فعند ذلك تقوم الساعة ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابدال چالیس مرد ہیں، بائیس شام میں ہیں اور اٹھارہ عراق میں ہیں۔ جب ان میں سے کوئی انتقال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرتبہ پر کسی دوسرے کو اس مقام پر بدل دیتا ہے۔ جب یہ سب وصال کر جائیں تو اس وقت قیام آجائے گی۔ اسے حکیم ترمذی نے نقل کیا ہے۔

(نوادر الاصول، جلد ۱، صفحہ ۶۷۰، رقم الحدیث ۲۹۸، دار المنہاج، السعودیہ)

۳۰- وفى رواية عنه ايضًا: ان الابدال اربعون رجلاً، واربعون امرأ ة، كلما مات رجل ابدل الله مكانها و كلما مات امرأة ابدل الله مانها امرأة، اخرجه الديلمى فى مسند الفردوس ۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ: ابدال چالیس مرد اور چالیس عورتیں ہیں۔ مردوں میں سے کوئی جب فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اور مرد اور جب کوئی عورت فوت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اور عورت مقرر فرما دیتا ہے۔ اسے دیلمی نے اپنی کتاب مسند الفردوس میں تخریج کیا ہے۔

(مسند الفردوس، جلد ۱، صفحہ ۱۱۹، رقم الحدیث ۴۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، کرامات الاولیاء، صفحہ ۳۰۳، رقم الحدیث ۱، المکتبۃ الاسلامیہ، قاہرہ، کشف الخفاء، جلد ۱، صفحہ ۲۲، رقم الحدیث ۳۵، درالکتب العلمیہ، بیروت، الحاوی للفتاویٰ، جلد ۲، صفحہ ۲۴۳، دار الکتب العلمیہ بیروت)

۳۱- وفى رواية ايضًاان بدلاء امتى لم يدخلوا لجنة بكثرة

صلاتهم وصيامهم، ولكن دخلوا بسلامة صدورهم وسخاوة انفسهم، اخرجه ابن عدی والخلال، وزاد فی آخره 'والنصح المسلمين"

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ابدال جنت میں نماز اور روزے کی کثرت کی وجہ سے داخل نہیں ہوں گے بلکہ وہ اپنے دلوں کی سلامتی، اپنے نفوس کی سخاوت اور کرم سے جنت میں داخل ہوں گے۔ اس روایت کو ابن عدی اور خلال نے نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں اضافہ کیا ہے "مسلمانوں کی خیرخواہی" (سے بھی جنت میں داخل ہوں گے)۔ (الکامل فی الضعفاء الرجال، جلد ۷، صفحہ ۵۴۹، کرامات الاولیاء، صفحہ ۳۰۷، رقم الحدیث ۵، المکتبۃ الاسلامیہ، قاہرہ)

۳۲- وفی رواية اخری باسناد حسن عنه: انه عليه السلام قال: لن تخلو الارض من اربعين رجلاً مثل خليل الرحمن، فبهم تسقون، وبهم تنصرون، مامات احد الا ابدل الله مكانه اخر "قال قتادة: لسنانشك ان الحسن منهم"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زمین ایسے چالیس مردوں سے خالی نہیں ہوگی ان ہی کے وسیلہ سے تمہاری مدد کی جائے گی۔ جب کوئی ان میں سے انتقال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرتبہ پر کسی اور کو بدل دیتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ذرا بھی شک نہیں کہ حضرت حسن بصری ان ابدالوں میں سے ہیں۔

(معجم الاوسط، جلد ۳، صفحہ ۱۳۶، رقم الحدیث ۴۱۰۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، مجمع الزوائد، کتاب

المناقب، جلد ۱۰، صفحہ ۳۴، رقم الحدیث ۳۳۶۷۳، ۱۰۶۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الجامع الصغیر، صفحہ ۲۵۲، رقم الحدیث ۲۸۰ ۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔)

نوٹ: ملا علی قاری کے علاوہ اس حدیث کو امام بیہقی اور امام سیوطی نے بھی حسن کہا ہے۔ سیالوی)

۳۳- وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال: ماخلت الارض من بعد نوح عليه السلام عن سبعة يدفع الله بهم عن اهل الارض .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین سات ایسے نفوس قدسیہ سے خالی نہیں ہوئی جن کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین کو بلاؤں اور آفات سے محفوظ رکھتا ہے۔

(کرامات الاولیاء، صفحہ ۳۱۰، رقم الحدیث ۸، المکتبۃ الاسلامیۃ، قاہرہ)

۳۴- وعن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خيار امتى فى كل قرن خمس مئة، والابدال اربعون، فلا الخمس مئة ينقصون والاربعون، كلما مات رجل ابدل الله فى الخمس مئة مكانه، وادخل فى الاربعين مكانه، قالوا يارسول الله صلى الله عليه وسلم! دلنا علىٰ اعمالهم؟ قال: يعفون عمن ظلمهم، ويحسنون الى من اساء اليهم، ويتواسون فيما اتاهم الله تعالىٰ، اخرجه ابو نعيم وغيره .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے اخیار ہر دور میں پانچ سو افراد ہیں۔ ابدال چالیس افراد ہیں۔ پانچ سو کی تعداد بھی کم نہیں ہوتی اور نہ ہی چالیس کی تعداد کم ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص چالیس میں سے انتقال کر جاتا ہے تو

اللہ تعالیٰ پانچ سو سے کسی کو اس کے مرتبہ پر فائز کر دیتا ہے۔ اسی طرح کوئی پانچ سو میں سے پردہ کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس میں سے کسی کو فائز کر دیتا ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں ان کے اعمال کے بارے میں ارشاد فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ ظلم کو معاف کرتے ہیں اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں ہمدردی کرتے ہیں۔ اس روایت کو ابونعیم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء، جلد ۱، صفحہ ۸، مسند الفردوس، باب الفاء، جلد ۲، صفحہ ۱۷۵-۱۷۴، رقم الحدیث ۲۸۷۱، تاریخ دمشق الکبیر، جلد ۱، صفحہ ۳۰۳، دار الفکر، بیروت)

۳۵- وفی روایة عنه مرفوعاً: لکل قرن من امتی سابقون رواه ابو نعیم فی "الحلیة" والحکیم الترمذی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ہر دور میں سے سابقین کا ایک گروہ ہے۔

(حلیۃ الاولیاء، جلد ۱، صفحہ ۸، مسند الفردوس، حرف الفاء، جلد ۲، صفحہ ۱۴۰، رقم الحدیث ۴۳۷۵، دار الکتب علمیہ، نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول، الاصل السادس والاربعون والمئۃ، جلد ۲، صفحہ ۷۱۹، رقم الحدیث ۸۱۴، دار المنہاج، السعودیہ)

۳۶- وعن ابن مسعود قال علیه السلام ان الله عزوجل فی الخلق ثلاثمائة قلوبهم علیٰ قلب آدم ولله فی الخلق اربعون قلوبهم علیٰ قلب ابراهیم والله فی الخلق خمسة قلوبهم علیٰ قلب جبرائیل ولله فی الخلق ثلثة قلوبهم علیٰ قلب میکائیل ولله فی الخلق واحد قلبه، علیٰ قلب اسرافیل فاذا

مات الواحد ابدل الله مكانه من الثلاثة واذا مات من الثلاثة ابدل الله مكانه من الخمسة واذا مات من الخمسة ابدل الله مكانه من السبعة واذامات من السبعة ابدل الله مكانه من الاربعين واذا مات من الاربعين ابدل الله مكانه من الثلاثة مائة واذا مات من ثلاثمائة ابدل الله مكانه، من العامة فيهم يحيى ويميت وينبت ويمطر ويدفع البلاء قيل لابن مسعود كيف بهم يحيى ويموت قال لانهم يسألون الله تعالىٰ اكثار الامم فيكثرون ويدعون على الجبابرة فيقصمون ويستقون ويسقون ويسألون فتنبت لهم الارض ويدعون فيدفع بهم انواع البلاء ۔ اخرجه، ابن عساكر ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مخلوق میں تین سونفوس قدسیہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں جن کے قلوب آدم علیہ السلام کے قلب پر ہیں اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے لئے چالیس نفوس قدسیہ مخصوص ہیں جن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہیں۔ مخلوق میں پانچ نفوس قدسیہ ہیں جن کے قلوب حضرت جبرائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں۔ مخلوق میں تین نفوس قدسیہ ہیں جن کے قلوب حضرت میکائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں۔ مخلوق میں ایک نفس قدسیہ ہے جس کا قلب حضرت اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر ہے۔ جب ایک وفات پاجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرتبہ پر ان تین سو میں سے کسی ایک کو فائز کرتا ہے۔ جب کوئی تین میں سے کوئی ایک وفات پاجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرتبہ پر ان پانچ سے ایک کو فائز

کر دیتا ہے۔ جب کوئی ان پانچ میں سے وفات پا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرتبہ پر ان سات میں سے کسی ایک کو فائز کر دیتا ہے، جب کوئی سات میں سے وفات پا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چالیس میں سے ایک کے مرتبہ پر فائز کر دیتا ہے۔ جب کوئی ان چالیس میں سے وفات پا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان تین سو میں سے اس کے مرتبہ پر فائز کر دیتا ہے۔ جب کوئی ان تین سو میں سے وفات پا جاتا ہے تو اس کے مرتبہ پر عام لوگوں میں سے کسی خوش بخت کو فائز کر دیتا ہے۔ ان کی برکت سے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، نباتات اگاتا ہے اور بارانِ رحمت دیتا ہے، بلائیں اور مصیبتیں ٹالتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ان کی برکت سے کیسے زندہ کرتا اور مارتا ہے؟ جواب فرمایا کہ وہ نفوس قدسیہ اللہ تعالیٰ سے قوموں کی کثرت کے لئے استدعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں کثرت پیدا کر دیتا ہے۔ وہ جابر و ظالم لوگوں کو بد دعا کرتے ہیں تو وہ نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ وہ بارانِ رحمت مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو سیراب کر دیتا ہے۔ وہ بارگاہِ الوہیت میں دست دعا اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین مخلوق کے لئے رزق اگاتی ہے۔ وہ دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ مخلوق سے بلاؤں اور مصیبتوں کو ٹال دیتا ہے۔ اس روایت کو ابن عساکر نے نقل کیا ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر، جلد ا، صفحہ ۳۰۳، دار الفکر، بیروت، حلیۃ الاولیاء، جلد ا)

ابدال کی علامات:

۳۷- وعن معاذ بن جبل قال علیه السلام ثلاث من کن فیه فهو من الابدال الذین بهم قوام الدنیا واهلها الرضاء

بالقضاء والصبر عن محارم الله والغضب فی ذات الله رواه الدیلمی فی مسند الفردوس .

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین خصلتیں جن میں ہیں وہ شخص ابدال میں سے ہے۔ جن کی وجہ سے دنیا قائم ہے اور اس کے اہل اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی ہیں، اللہ تعالیٰ کے محارم سے باز رہنا، اللہ تعالیٰ کی ذات کی خاطر غصہ کرنا۔ اس روایت کو دیلمی نے مسند الفردوس میں نقل کیا ہے۔

(مسند الفردوس، حرف الثاء، جلد ۲، صفحہ ۸۴، رقم الحدیث ۲۴۵۷، کنز العمال، کتاب الفضائل، جلد ۱۲، صفحہ ۸۵، رقم الحدیث ۳۴۵۹۴، الحاوی للفتاوی، جلد ۲، صفحہ ۲۳۶-۲۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

مسجد کی خدمت:

۳۸- وعن ابی هریرة قال دخلت علی النبی صلی الله علیه وسلم فقال لی یا ابا هریرة یدخل علی من هذا الباب الساعة رجل من احد السبعة الذین یدفع الله تعالیٰ عن اهل الارض بهم فاذا حبشی قد طلع من ذلك الباب اقرع اجدع علیٰ راسه جرة من ماء فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لابا هریرة هو هذا وقال علیه اسلام ثلاثة مرات مرحبا بیسار وکان یرش المسجد ویکنسه وکان غلاما للمغیرة بن شعبة ذکره الخلال .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے ارشاد فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان سات مردوں میں سے ایک ابھی ابھی اس

دروازے سے میرے پاس آیا ہے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ اہل ارض سے مصیبتیں ٹالتا ہے۔ اچانک ایک حبشی اسی دروازے سے نمودار ہوا۔ وہ شخص گنجا اور عیب دار ناک والا تھا۔ اس کے سر پر پانی کا گھڑا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! وہ یہی شخص ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یسار کو مرحبا فرمایا۔ وہ مسجد کو پانی چھڑکتے اور اس کو جھاڑ و دیتے اور وہ مغیرہ بن شعبہ کے غلام تھے۔
اس روایت کو خلال نے نقل کیا ہے۔

(کرامات الاولیاء، صفحہ ۳۰۸، رقم الحدیث ۶، مسند الفردوس، جلد ۴، صفحہ ۱۶۲، رقم الحدیث ۶۵۰۵، کنز العمال، جلد ۱۳، صفحہ ۲۶۰، رقم الحدیث ۳۷۵۴۵)

نبوت کا سلسلہ ختم:

۳۹- عن ابی الدرداء قال ان الانبیاء علیہم السلام کانوا اوتاد الارض فلما انقطعت النبوۃ ابدل اللہ تعالیٰ مکانہم قوما من امۃ محمد یقال لہم الابدال لہم یفضلوا الناس بکثرۃ صوم ولا صلوٰۃ ولا تسبیح ولکن بحسن الخلق وبصدق الورع وحسن النیۃ وسلامۃ قلوبہم لجمیع المسلمین والنصیحۃ للہ تعالیٰ رواہ الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول۔

حضرت ابو درداء سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام زمین کے اوتاد (میخیں) ہیں۔ جب نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ایک قوم ان کے بدل رکھی ہے۔ ان کو ابدال کہا

جاتا ہے۔ وہ نفوس قدسیہ روزے اور نماز کی کثرت و تسبیح کہنے کی وجہ سے صاحب فضل و شرف نہ ہوں گے بلکہ حسن خلق، سچی پرہیزگاری، حسن نیت، ان کے قلوب کی سلامتی تمام مسلمانوں کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ کے لئے خیر خواہی کرنا۔ اس روایت کو حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں ذکر کیا ہے۔

(نوادر الاصول، جلد ۱، صفحہ ۲۶۷، رقم الحدیث ۲۹۹، نوادر الاصول، جلد ۳، صفحہ ۵۴۰، رقم الحدیث ۱۱۳۰)

۴۰- عن بکر ابن خنیس یرفعه: علامة ابدال امتی لا یلعنن شیئاً .

حضرت بکر خنیس سے مرفوعاً مروی ہے کہ فرمایا: میری امت کے ابدالوں کی علامت یہ ہے کہ وہ کسی چیز پر لعنت نہیں کرتے۔

(موسوعة ابن ابی الدنیا، کتاب الاولیاء، جلد ۲، صفحہ، رقم الحدیث ۵۹، دار التوفیقیہ للتراث، قاہرہ)

عظمت قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم:

وقال بعضهم لم یذکر النبی صلی الله علیه وسلم ان احداً علیٰ قلبه اذلم یخلق الله فی عالم الخلق والامر اعز واشرف والطف من قلبه علیه السلام فقلوب الانبیاء والملائکة والاولیاء بالاضافة الی قلبه کاضافة سائر الکواکب الی اضاءة الشمس ولعل ذٰلك لانه، مظهر الحق لجمیع صفاته بخلاف غیره فانه، یکون مظهر البعض صفاته فی ضوء تجلیاته علیٰ مکنونات مکنوناته .

بعض علماء نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں فرمایا کہ: ان احداً علی قلبی یعنی کس کا دل مجھ پر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم خلق اور عالم امر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ عزت

والا، سب سے زیادہ شرف والا اور سب سے زیادہ لطیف قلب عطا فرمایا ہے لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ اور اولیائے کرام کے دل کی نسبت حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر و منور کی طرف ایسے ہے جیسے تمام ستاروں کی سورج سے۔ شاید (میں کہتا ہوں یقیناً) دیگر انبیاء کرام و فرشتے اور اولیاء اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کے مظہر ہیں اور حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم خالق کائنات کی تمام صفات کے مظہر ہیں۔ آپ ہی اپنی بعض صفات کی تجلیات سے کائنات کی تکوین پر جلوہ گر ہیں۔ (مترجم عرض کرتا ہے کہ حضور سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم صرف مظہر صفات ہی نہیں بلکہ مظہر ذات بھی ہیں)

میرے غوث کا وسیلہ:

۱۴۱- وعن الكتاني يقول النقباء ثلاثمائة والنجباء سبعون والبدلاء اربعون والاخيار سبعة العمد اربعة والغوث واحد مسكن النقباء المغرب ومسكن النجباء مصر ومسكن الابدال الشام والاخيار سياحون فى الارض والعمد فى زوايا الارض ومسكن الغوث مكة واذا عرضت الحاجة من امر العامة ابتهل فيها النقباء ثم النجباء ثم الابدال ثم الاخيار ثم العمد فان اجيبوا والاابتهل الغوث فلاتتم مسئلته حتى تجاب دعوتهٗ۔

الکتانی سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں نقباء تین سو افراد ہیں، نجباء ستر افراد ہیں، ابدال چالیس افراد ہیں، اخیار سات ہیں، عمد چار ہیں اور غوث ایک شخص ہے۔ نقباء کی قیام گاہ مغرب ہے، نجباء کی قیام گاہ مصر ہے، ابدال کی

قیام گاہ شام ہے، اخیار روئے زمین میں سیر کرتے ہیں۔ عمد زمین کے کونوں میں قیام پذیر ہیں اور غوث کی قیام گاہ مکہ مکرمہ ہے۔

جب عام لوگوں کو کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو نقباء پھر نجباء، پھر ابدال، پھر اخیار، پھر عمد بارگاہِ الٰہی میں یکے بعد دیگرے التجاء و مناجات کرتے ہیں۔ اگر ان کی مناجات مقبول ہو جائے تو فبہا، ورنہ غوث مناجات کرتا ہے۔ جہاں تک ان کی التجاء و مناجات پوری نہیں ہوتی حتیٰ کہ اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔

(تاریخ بغداد، جلد ا، صفحہ ۱۲۷، تاریخ دمشق الکبیر، جلد ا، صفحہ ۳۰۰)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ:

۴۲- واخرج ابو نعیم فی الحلیة عن ابی یزید البسطامی انه قیل له انك من الابدال السبعة الذین هم اوتاد الارض فقال انا کل السبعة یعنی انا مدارهم علی ورجوعهم الی فانه، کان القطب ۔

ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابو یزید بسطامی سے بیان کیا ہے کہ موصوف سے پوچھا گیا کہ آپ ان سات ابدال میں سے ہیں جو روئے زمین کے اوتاد ہیں۔ جواب دیا کہ میں سات کا کل ہوں یعنی میں ہی ان کا مدار ہوں، میں ہی ان کا مرجع ہوں۔ وہی قطب تھے۔

(حلیۃ الاولیاء، جلد ۱۰، صفحہ ۳۶، رقم ۱۴۳۹۱)

عظمتِ محدثین:

۴۳- واخرج ابو الشیخ ابو نصر المقدسی فی کتاب الحجة علٰی تارك المحجة بسنده عن احمد بن حنبل انه

قیل له، هل لله تعالیٰ فی الارض ابدال؟ قال نعم قیل من هم قال ان لم یکن اصحاب الحدیث هم الابدال فما اعرف لله ابدالا ۔ وقال سهل بن ۔

ابو شیخ ابوالنصر مقدسی نے کتاب الحجۃ علی تارک المحجۃ میں احمد بن حنبل کی سند سے نقل کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا وہ لوگ کون ہیں؟ جواب دیا کہ اصحاب حدیث کیوں نہ ہوں، وہ ابدال ہیں یعنی ان کے ہوتے ہوئے کوئی اور اللہ کے ابدال میں نہیں ہوتا۔

(مختصر الحجۃ علی تارک الحجۃ، صفحہ ۱۰۰، شرف اصحاب الحدیث، صفحہ ۵۰، مناقب احمد، صفحہ ۲۴۹، الحاوی للفتاوی، جلد ۲، صفحہ ۲۴۱)

ابدال کیسے بنتا ہے:

۴۴- وقال سهل بن عبدالله: صارت الابدال ابدالا باربعة: قلة الکلام، وقلة الطعام، وقلة المنام وعزلة الانام ۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابدال چار صفات سے بنتا ہے، کم بولنا، کم کھانا، کم سونا اور لوگوں سے کم ملنا۔

(الحاوی للفتاویٰ، جلد ۲، صفحہ ۲۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

توکل کیا ہے؟:

۴۵- واخرج ابو نعیم فی "الحلیة" عن بشر بن الحارث: انه سئل عن التوکل، فقال: اضطراب بلاسکون: رجل یضطرب ولجوارحه وقلبه ساکن الی الله تعالیٰ، لا الی عمراء، وسکون بلا اضطراب: رجل ساکن الی الله تعالیٰ بلاحرکة، وهذا عزیز، وهو من صفات الابدال ۔

ابونعیم نے حلیہ میں بشر بن حارث سے روایت نقل کی ہے۔ ان سے توکل

کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: بے تابی بغیر سکون، مرد اپنے اعضاء سے بے چین، اس کا قلب اللہ کی طرف سکون پذیر، بغیر حرکت، یہ عزیز ہے وہ ابدال کی صفات سے ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، بشر بن الحارث، جلد ۸، صفحہ ۳۷۴، رقم ۱۲۵۹۸، الحاوی للفتاوئی، جلد ۲، صفحہ ۲۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

بابرکت کلمات:

واخرج عن معروف الكرخي قال من قال في كل يوم عشر مرات اللهم اصلح امة محمد صلى الله عليه وسلم اللهم فرخ امة محمد صلى الله عليه وسلم اللهم ارحم امة محمد صلى الله عليه وسلم كتب من الابدال .

معروف کرخی سے نقل کیا۔ فرمایا: جس نے ہر روز دس مرتبہ یہ کلمات پڑھے تو اسے ابدال میں لکھ دیا جائے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں: اللهم اصلح امة محمد صلى الله عليه وسلم، اللّٰهم فرج عن امة محمد صلى الله عليه وسلم، اللهم ارحم امة محمد صلى الله عليه وسلم . (حلیۃ الاولیاء، جلد ۸، صفحہ ۳۹۱، رقم ۱۲۶۷۴، المکتبۃ التوفیقیۃ، مصر، الحاوی للفتاوئی، جلد ۲، صفحہ ۲۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مشیت خداوندی:

۴۷- واخرج عن عبدالله الباجي ان احببتم ان تكونوا ابدالًا فاحبوا ماشاء الله ومن احب ماشاء الله لم ينزل به من الله مقادير شيء الا احبه .

عبداللہ باجی سے نقل کیا ہے۔ اگر تم چاہو کہ تم ابدال بن جاؤ۔ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کو پسند کرو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت کو پسند کرتا ہے تو اس

کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی شے کی مقادیر (مقدار کی جمع)
اس کی پسند کے مطابق ہی اترتی ہیں۔

(الحاوی للفتاویٰ، جلد ۲، صفحہ ۲۴۱، دار الکتب علمیہ)

۴۸- ثم اعلم ان البغوی اخرج فی تفسیر سورة شوری . عن انس بن مالك عن النبی صلی الله علیه وسلم، عن جبرائیل عن الله یقول الله عزوجل من اهان لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربة وانی لاسرع شیء الی نصرة اولیائی وانی لاغضب لاولیائی کما یغضب اللیث الحروی الغضبان وما تقرب الی عبدی المؤمن بمثل فرضت علیه وما یزال عبدی المؤمن یتقرب الی بالنوافل حتی احبه، فاذا اجبتة، کنت له، سمعًا وبصرًا ویدًا وموبدًا ان دعا نی اجبته، وان اعطیته، وماترددت فی شیء انا فاعله، ترددی فی قبض روح عبدی المؤمن یکره الموت واکره اساته، فلا بدله، منه وان من عبادی المؤمنین لمن یسئلونی الباب من العباد خائفه، عنه ان لایدخله، عجب فیفسده ذلك وان من عبادی المؤمنین لمن لایصلح ایمانه الا الفقر ولواغنیته لافسده ذلك وان من عبادی المؤمنین لمن لایصلح ایمانه الا الصحة ولو اسقمته، لافسده ذلك وان من عبادی المؤمنین لمن لایصلح ایمانه، الا السقم ولو اصححته، لافسده، ذلك انی ادبر عبادی بعلمی بقلوبهم انی علیهم خبیر .

جان لو کہ امام بغوی نے سورۂ شوریٰ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ حضرت انس

بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیان کیا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے جس شخص نے میرے ولی کی اہانت کی اس نے مجھے جنگ کی دعوت دی۔ میں اپنے اولیاء کی نصرت میں بہت جلدی کرتا ہوں۔ میں اپنے اولیاء کے لئے بہت غضبناک ہوتا ہوں جس طرح غضبناک شوریدہ شیر ناراض ہوتا ہے جو میرا مومن بندہ اپنے فرائض مقررہ کے مثل سے میرا قرب چاہتا ہے اور وہ میرا مومن بندہ ہمیشہ میرا قرب نوافل سے حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں پھر جب میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں میں اس کی سمع، بصر، ہاتھ اور مددگار ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے تو اس کی دعا قبول کر لیتا ہوں' میں اس کو عطا فرماتا ہوں۔ میں کسی شے میں تردد نہیں کرتا۔ میں اس کو کر گزرتا ہوں۔ میرا تردد اپنے بندے کے روح قبض کرنے میں ہوتا ہے جو موت کو پسند نہیں کرتا۔ میں اس کی برائی کو ناپسند کرتا ہوں۔ اس سے جو اس کے لئے ضروری ہے اور میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو مجھ سے عبادت میں توفیق مانگتے ہیں، میں اس سے اس کو روک لیتا ہوں کہ وہ عجب و تکبر میں مبتلا نہ ہو جائے تا کہ اسے فساد میں ڈال دے۔ اور میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جن کو ان کا ایمان فقر ہی دیتا ہے اور اگر میں اسے غنی کر دوں تو وہ اسے فساد میں ڈال دے گا۔ اور میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جن کو ان کا ایمان صحت ہی دیتا ہے۔ اگر میں اسے بیمار کر دوں تو وہ اسے فساد میں ڈال دے گا۔ اور میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جن کو ان کا ایمان بیماری ہی دیتا ہے اگر

میں اسے صحت دے دوں تو وہ اسے فساد میں ڈال دے گی۔ میں اپنے علم سے ان کے دلوں کے مطابق اپنے بندوں کی تدبیر کرتا ہوں۔ یقیناً میں علیم وخبیر ہوں۔ ابن ابی الدنیا نے اسے کتاب الاولیاء میں ذکر کیا ہے۔

(تفسیر بغوی، سورۃ الشوریٰ، تحت الآیۃ ۲۷، جلد ۴، صفحہ ۱۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، حلیۃ الاولیاء، الحسین بن یحییٰ الحسنی، رقم الترجمہ ۴۴۲، جلد ۸، صفحہ ۳۳۸، رقم الحدیث ۱۲۴۴۳، المکتبۃ التوفیقیۃ، قاہرہ، مصر، قوام السنۃ، الترغیب والترہیب، باب: فی الترہیب من اہانۃ المؤمن، جلد ۱، صفحہ ۱۶۴، رقم الحدیث ۲۰۵، دار المدائن العلمیہ، موسوعۃ ابن الدنیا، کتاب الاولیاء، جلد ۲، صفحہ، رقم الحدیث ۱، الحاوی للفتاویٰ، جلد ۱، صفحہ ۲۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حدیث الولی:

۴۹- وقد اخرجه، ابن ابی الدنیا فی کتاب الاولیاء عن انس ایضا بطوله ولفظه ویقویه ما اخرجه البخاری فی صحیحه عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الله عزوجل من عادی لی ولیا فقد اذنته، بالحرب وماتقرب الی عبد بشیء احب الی مما افترضت علیه ومما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه، فاذا احببته، کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها ولئن سالنی لاعطیته، ولئن استعاذنی لاعیذنه، وماترددت عن شی ء انا فاعله، ترددی عن نفس عبدی المؤمن یکره الموت واکره اسائته، ولابدله منه ۔ وقد بینت معنی هذا الحدیث فی شرح المشکوة والاربعین والیه الموفق والمعین ۔

بخاری کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس کو تقویت

دیتی ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس شخص نے میرے ولی سے عداوت کی میں اس ک خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ کوئی بندہ کسی شے سے میرا قرب چاہتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ وہ اپنے فرض عبادت سے قرب حاصل کرے اور میرا بندہ نوافل سے ہمیشہ قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اسے محبت کرتا ہوں۔ جب میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کی سماعت ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بصارت ہو جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے۔ میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے میں اسے ضرور عطا فرماتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ عطا کرتا ہوں۔ میں کسی شے سے متردد نہیں ہوا میں اسے کر گزرتا ہوں۔ میرا تردد میرے مومن بندے کی ذات کے بارے ہوتا ہے۔ جب وہ موت کو ناپسند کرتا ہے۔ میں اس برائی کو ناپسند کرتا ہوں حالانکہ وہ اس کے لئے ضروری ہے۔ میں نے اس حدیث کا مفہوم شرح مشکوٰۃ اور اربعین میں بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات توفیق دینے والی اور مددگار ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، صفحہ ۷۷، رقم الحدیث: ۶۵۰)

دانت توڑنے کا قصہ من گھڑت ہے:

۵۰- یعلم ان ما اشتهر علی السنة العامة من ان اویسا قلع جمیع اسنانه لشدة احزانه حین سمع ان من النبی صلی الله علیه وسلم اصیب یوم احد ولم نعرف نصوص ای من کان بوجه محمد لااصل له عند العلماء مع انه،

مخالف الشريعة الغراء والذا لم يفعله احد من الصحابة الكبراء علىٰ ان فعل هذا عبث لايصدر الا عن السفهاء .

خوب یاد رکھ لو! یہ جو لوگوں کی زبان پر عام ہے کہ حضر اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے شدت غم میں مغلوب ہو کر اپنے تمام دانت توڑ ڈالے تھے۔ جب انہوں نے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد میں زخموں میں مبتلا ہوئے: ایسی کوئی نص نہیں جانتے جو یہ بتائے کہ کون سا دانت مبارک متاثر ہوا۔ایسی کوئی معتمد اور قابل بھروسہ نص نہیں ہے۔علماء کے نزدیک اس کی اصل موجود نہیں ہے۔اس کے علاوہ یہ عمل شریعت مبارک کے بھی مخالف ہے۔اس لئے کہ کبار صحابہ کرام میں سے کسی ایک نفس قدسیہ نے اس جیسا عبث اور غلط کام نہیں کیا۔اس جیسا غلط کام نادانوں سے ہی سرزد ہوتا ہے۔

خرقہ کی نسبت بھی ثابت نہیں:

۱۵- كذا: لايثبت نسبة الخرقه النبوية اليه، ومنه الى بعض المشائخ بما لايعتمد اليه .

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خرقہ مبارک کی نسبت ان (حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف بھی ثابت نہیں۔بعض مشائخ کی طرف نسبت ہے مگر اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

ذکر خفی وجلی کی نسبت:

۵۲- وكذا: تلقن الذكر الخفي اوالجلي، ونسبته الى النبي صلى الله عليه وسلم من طريق ابى بكر او علي، لايصح عند اهل الخير باالاحاديث والسير .

اور اسی طرح تلقین ذکر خفی اور جلی کی اور اس نسبت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتی ہے۔ محدثین اور اہل سیر کے نزدیک صحیح نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی ملاقات:

بل ولايثبت بين علي والحسن البصري مادة الاجتماع، مع كوتهما في عصر واحد بالاجماع .

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی ملاقات ایک وقت میں بالاجماع درست اور ثابت نہیں ہے۔ (یہ ملا علی قاری کی ذاتی رائے ہے، جبکہ صحیح متصل سند کے ساتھ حدیث سے ثابت ہے۔ سیالوی)

۵۳- وكذا طريق المصافحة الخاصة المسلسلة على ما يدعيه بعض في السلسلة، وجعلوه للعامة مادة المشغلة، ليس له نسبة متصلة .

اسی طرح خاص مسلسل جیسا کہ بعض سلسلہ کے لوگ دعویٰ کرتے ہیں اور عام لوگوں میں مشغلہ بن چکا ہے، اس کی کوئی متصل نسبت ہے۔

پس ہم کتاب وسنت پر اور ائمہ دین نے جو دنیا اور آخرت میں رغبت کے بارے میں درج کیا ہے اس پر عمل کریں، اعلیٰ مقصد کی طرف توجہ دیں اور اپنے مولا کے حضور حاضر رہیں۔

اللہ تعالیٰ مقام حسنیٰ میں ملاقات میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

۱۱۴ کتوبر ۲۰۱۸ء

بوقت بعد از مغرب، ۰۷:۰۷

۲۳ محرم الحرام شریف، ۱۴۴۰ ہجری

اَلْمَوْرِدُ الرَّوِیُّ فِی الْمَوْلِدِ النَّبَوِیِّ

صلی اللہ علیہ وسلم

کا تحقیقی ترجمہ بنام

میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

امام علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

﴿المتوفی ۱۰۱۴ھ﴾

ترجمہ: مفتی ابو محمد اعجاز احمد حفظہ اللہ

تخریج: ابو ذہیب محمد ظفر علی سیالوی غفرلہ

ناشر

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ ازلی وابدی کی تعریف کرتا ہوں جس نے ''نورِ احمدی'' کو منور کیا اور ''ضیائے محمدی'' کو چمکایا، اس ہستی کی عالم وجود میں ''محمود'' کے نام سے تعریف وتوصیف کی گئی ہے اور عرب وعجم پر جود وسخا کی مختلف نعمتیں نچھاور کی گئیں اور انہیں تمام بنی نوع انسان کے لئے ہدایت وتحفہ اور رحمت وشفقت بنا کر مبعوث فرمایا گیا ہے، بیشک وہی رحیم اور ودود ہے جس نے اس مولود کو نہایت پاکیزہ وقت میں پیدا فرمایا اور وہ مبارک وقت بالاتفاق ''ربیع الاول'' ہے۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ان پر درود وسلام بھیجا اور انہیں شرافت وکرامت اور بزرگی عطا فرمائی نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان فرماتے ہوئے اپنے قرب خاص سے نوازا اور اپنا محبوب بنایا اس بارے میں کسی صاحب حال نے کیا خوب ترجمانی کی ہے۔

لِهٰذَا الشَّهْرِ فِي الْإِسْلَامِ فَضْلٌ ۔۔۔ وَمَنْقَبَةٌ تَفُوْقُ عَلَى الشُّهُوْرِ
فَمَوْلُوْدٌ بِهٖ وَاِسْمٌ وَّمَعْنٰى ۔۔۔ وَآيَاتٌ بَهَرْنَ لَدَى الظُّهُوْرِ
رَبِيْعٌ فِيْ رَبِيْعٍ فِيْ رَبِيْعٍ ۔۔۔ وَنُوْرٌ فَوْقَ نُوْرٍ فَوْقَ نُوْرٍ

ترجمہ: دین اسلام میں اس مہینے کو خاص فضیلت اور دیگر مہینوں پر امتیازی شرف حاصل ہے اس مہینے میں پیدا ہونے والا نیز اس کا نام ومعنی اور وہ نشانیاں جو اس کی پیدائش کے وقت ظاہر ہوئیں بہار در بہار در بہار اور نور بر نور بر نور کی سی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے قرآن عظیم وفرقان حکیم میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبۃ:۱۲۸)

ترجمہ: بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان۔

یہ خبر جو حضورِ انور کے تشریف لانے کے بیان کو شامل ہے اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اسے قسم مقدر کے ساتھ شروع کرتے ہوئے حرف تحقیق کے ساتھ مؤکد کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ بیشک اس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں کے درمیان مبعوث ہو کر تشریف لانا، عنایت ربانی اور توفیق حقانی کی علامت ونشانی ہے اور جو خطاب کیا گیا، یہ مؤمنین وکافرین سب کو شامل ہے، البتہ متقین کے لئے ہدایت اور دوسروں کے لئے حجت ہے، جس طرح دریائے نیل کا پانی محبوبوں کے لئے پانی ہی رہا لیکن مجوبین کے لئے خون ہو گیا' نیز اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا تم سے جو وعدہ کیا گیا، وہ فرمان باری تعالیٰ کے تقاضے کے مطابق تمہارا مقصود ہے۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرۃ:۳۸،۳۹)

ترجمہ: پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا، اسے نہ کوئی اندیشہ نہ کچھ غم اور وہ جو کفر کریں گے اور میری آیتیں جھٹلائیں گے، وہ دوزخ والے ہیں، ان کو ہمیشہ اس میں رہنا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بیان میں شرطیہ مؤکدہ ''ما'' کا مزید اضافہ کرنے سے اس بات پر نہایت واضح وکامل دلالت ہو رہی ہے کہ رسول کو مبعوث فرمانا، اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ پر واجب ولازم نہیں ہے لیکن وہ رب جلیل محض اپنے فضل ووعدہ کو پورا کرنے کے لئے اور اپنے بندوں پر کرم کرنے کے لئے انہیں مبعوث

فرماتا ہے۔

نیز اس میں یہ اشارہ بھی موجود ہے اگر بالفرض ہم اس رسول کو تمہاری طرف مبعوث نہ بھی فرماتے، تب بھی ان کے مراتب میں ہرگز کوئی کمی نہیں ہوتی اور یہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اختیار سے تمہارے پاس تشریف نہیں لائے، کیونکہ وہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ہماری بارگاہ کے مقرب اور ہمارے نزدیک معظم ہیں، بلکہ وہ خلق کی جانب متوجہ ہوکر ہماری حریم ناز سے دوری کو ہرگز پسند ہی نہیں کرتے۔

کیا تم نے بالخصوص ''ایاز'' کا معاملہ نہیں دیکھا، جو اپنے آقا کا خالص الخاص تھا، لہٰذا جب بھی اپنے سردار وسلطان کی طرف سے کوئی عالی منصب دیا جاتا، تو ہمیشہ انکار و اعراض کرتے ہوئے، اپنے آقا کی بارگاہ کو ہی ترجیح دیتا تھا لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے ارادے کے سامنے اپنے ارادے کو ترک فرمایا، جیسا کہ ''مراد ومرید'' کے شایانِ شان ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

أُرِيْدُ وِصَالَهُ وَيُرِيْدُ هِجْرِىْ
فَأَتْرُكُ مَا أُرِيْدُ لِمَا يُرِيْدُ

ترجمہ: میں اس سے ملاقات چاہتا ہوں اور وہ مجھ سے دوری تو میں اپنے ارادے کو اس کے ارادے پر قربان کرتا ہوں۔

لہٰذا یہ مرتبہ اربابِ حال میں سے ان اہل کمال کو حاصل ہوتا ہے، جو جمال وکمال کی تجلیات کے جامع ہوتے ہیں اور تمام سے توجہ ہٹا کر اپنے محبوب حقیقی کے لئے فنا ہوکر رہ جاتے ہیں۔

اسی لئے جب حضرت سیّدنا ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

میں چاہتا ہوں کہ میری کوئی چاہت ہی نہ ہو۔

بعض اربابِ تحقیق وتوفیق نے فرمایا:

کبار صوفیائے کرام کے نزدیک یہ بھی ''ارادہ'' ہی شمار ہوتا ہے کیونکہ عدم ارادہ کا ''ارادہ'' کرنا زیادتی کے قبیل سے ہے اس میں غیر سے الگ ہو کر مقام فنا اور قضائے الٰہی کے پیش نظر حالت تسلیم ورضا کی جانب اشارہ ہے۔

اور ''رسول'' پر جو تنوین ہے، وہ تعظیم و تکریم کے لئے ہے، تو اب گویا فرمان باری تعالیٰ جل جلالہٗ کا مطلب اس طرح ہے:

بیشک اے معززین! تشریف لائے تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ''رب کریم جل جلالہٗ'' کی طرف سے کتاب کریم لے کر، اس مین گویا کہ خوشی، باغات اور جنت نعیم کی دعوت ہے اور لقائے کریم میں اضافے کی بشارت اور جہنم کی گرمی سے ڈرانے کا پیغام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا:

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ○ (الحجر:۴۹-۵۰)

ترجمہ: خبر دو میرے بندوں کو کہ بیشک میں ہی ہوں بخشنے والا مہربان اور میرا ہی عذاب دردناک عذاب ہے۔

اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ انبیاء کرام ورسل عظام سے یہ عہد و پیمان لیا گیا کہ ان میں سے جو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت مبارکہ کا زمانہ پائے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وجلالت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کا چرچا کرے، جیسا مفسرین کرام نے اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے اس قول کی تفسیر میں بھی اشارہ فرمایا ہے۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

(آل عمران:۸۱)

ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا، جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بلند و بالا مقام کی طرف خود بھی اس قول سے اشارہ فرمایا ہے:

لو كان موسىٰ حيًّا لما وسعه الا اتباعي .

(دلائل النبوة، ص: ۴۶، رقم: ۷، سنن الدارمي، ج: ۱، ص: ۴۰۳، رقم: ۴۴۹، شعب الايمان، ج: ۱، ص: ۳۴۷، رقم: ۱۷۶/۱۷۴، مشكوٰة، كتاب الايمان، باب الاعتصام، ص: ۶۳، رقم: ۱۷۷، كشف الاستار، ج: ۱، ص: ۷۹، رقم: ۱۲۴، شرح السنة للبغوى، ج: ۱، ص: ۲۷۰، رقم: ۱۲۶، مسند احمد، ج: ۲۳، ص: ۳۴۹، رقم: ۱۵۱۵۶)

ترجمہ: اگر موسیٰ آج زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے علاوہ چارہ نہ تھا۔

نیز اسی طرح بلکہ اس سے کہیں بلند و بالا بزرگ تر مقام کی طرف اس فرمان سے اشارہ کیا ہے:

آدم ومن دونه تحت لوائى يوم القيامة

(سنن الترمذى، كتاب المناقب، باب فضل النبى، ص: ۸۲۲، رقم الحديث: ۳۶۱۵، مسند احمد، جلد: ۴، ص: ۳۳۰، رقم الحديث: ۲۵۴۶، دلائل النبوة لابى نعيم، الفصل الرابع، ص: ۶۴، رقم الحديث: ۲۳، دلائل النبوة للبيهقى، ج: ۵، ص: ۴۸۱، مسند ابى يعلىٰ، ج: ۳، ص: ۵، رقم الحديث: ۲۳۲۴)

ترجمہ: آدم اور ان کے علاوہ دیگر تمام لوگ قیامت کے دن میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔

تو اب گویا اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے فرمان مقدس کا مطلب یوں ہوگا کہ تم لوگ جان لو بیشک یہ رسول ظہورِ نوری در قالب صوری کے اعتبار سے تمہاری طرف تشریف لائے ہیں، حالانکہ قلب حضوری کے اعتبار سے تو وہ ہمہ وقت ہماری بارگاہ ناز میں حاضر و موجود رہتے ہیں اور اس حریم ناز سے لحہ بھر بھی دور نہیں ہوتے ہیں، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ''مجمع البحرین'' ہیں۔

کیونکہ وہ تمہارے درمیان عارضی ہیں جبکہ وہ ہمارے قریب ترین ہیں اور تم سے جدا ہونے والے اور ہمارے پاس آنے والے ہیں، تمہارے درمیان فرشی جبکہ ہمارے یہاں وہ عرشی ہیں، ان تمام باتوں کے باوجود انہوں نے ہماری حریم ناز ہی کی طرف لوٹنا ہے اگرچہ کتنی ہی مدت طویل کیوں نہ ہو جائے۔

جیسا کہ ''رسول'' اور ''مرسل'' کا مقصد حاصل ہو جانے کے بعد معاملہ ہوا کرتا ہے۔ پس اس میں خوشی کے ساتھ غم کی آمیزش بھی ہے جیسا کہ تمام دنیاوی نعمتوں میں ہوتا ہے کہ پہلے بقا کی صورت میں ظہور ہوتا ہے اور پھر فنا کی صورت میں عدم اور یہ بھی نہایت عجیب معاملہ ہے کہ دونوں ہی ''ربیع الاول'' میں واقع ہوئے۔

جیسا کہ تاریخ کے عجائبات میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت سیّدتنا اُم المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی مقام ''سرف'' میں واقع ہوئی، اسی جگہ ان کا ولیمہ ہوا اور انہیں مبارک باد دی گئی اور پھر ان کا وصال بھی اسی مقام پر ہوا، اسی جگہ تدفین کی گئی اور وہیں آپ کی تعزیت کی گئی۔

پس پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ سے زندہ ہے، نہ اسے موت ہے نہ ہی فنا، نہ زوال ہے اور نہ ہی تغیر، تو تمام تعریفات اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ ہی کے لئے ہیں، جس نے ہمیں اسلام کے ساتھ زندگی عطا فرماتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا، حالانکہ انبیائے کرام اس بات کی تمنا کرتے رہے، تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا، اتمام نعمت اور انتہائی اکرام ہے، تو پر لازم ہے کہ نہایت توجہ کے ساتھ آپ

پڑھنے اور بھلائی و امور آخرت نیز حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے پر ہی اکتفا ہے۔

شانِ اوّلیتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اور جان لو کہ فرمان باری تعالیٰ جل جلالہٗ "لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ" میں اشارہ ہے کہ ایسی ہستی جو نبوت و رسالت اور عظمت و جلالت کے اوصاف سے موصوف ہے اس کے زمانہ کمال کے آنے کے اور ظہور کمال و جمال کے چمکنے کی طرف اشارہ ہے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے "كنت نبيًّا و آدم بين الماء و الطين" (المقاصد الحسنة، ص: ۳۷۷، رقم: ۸۳۵، الدرر المنتشرة للسيوطي، ص: ۲۰۳، رقم: ۳۲۹، كشف الخفاء، ج: ۲، ص: ۱۳۲، رقم: ۲۰۱۷، فيض القدير للمناوي، ج: ۵، ص: ۵۳، رقم: ۶۴۲۴) اگر چہ حفاظ محدثین میں سے بعض نے کہا ہے کہ ان الفاظوں کے ساتھ ہمیں اس حدیث کا علم نہیں ہے البتہ معنوی لحاظ سے یہ حدیث متعدد طریقوں سے مروی ہے، ان میں سے ایک روایت امام احمد، امام بیہقی اور امام حاکم نے بھی ذکر کی اور اسے "صحیح الاسناد" کہا ہے کہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انی مكتوب عند الله خاتم النبيين وان آدم لمنجدل في طينته ـ

(مستدرك للحاكم، ج: ۲، ص: ۷۰۵، رقم: ۴۲۳۴، مسند احمد، ج: ۲۸، ص: ۳۷۹، رقم: ۱۷۱۵۰، دلائل النبوة لابی نعیم، ص: ۴۸، رقم: ۹/۱۰، التاريخ الكبير للبخاري، ج: ۶، ص: ۶۸، رقم: ۱۷۳۶، دلائل النبوة للبيهقي، ج: ۲، ص: ۱۳۰، ابن حبان، ج: ۱۴، ص: ۳۱۳، رقم: ۶۴۰۴، طبقات ابن سعد، ج: ۱، ص: ۱۲۴)

ترجمہ: میں اللہ کے یہاں اس وقت بھی خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جبکہ آدم ابھی اپنے خمیر میں تھے۔

یعنی روح پھونکنے سے قبل گارے کی حالت میں پڑے ہوئے۔

نیز ایک روایت وہ بھی ہے جسے امام احمد اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور امام ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں ذکر کیا ہے نیز امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے کہ حضرت میسرۃ الفجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کب سے نبی ہیں؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا:

وآدم بین الروح والجسد

(مستدرک للحاکم، ج: ۲، ص: ۷۱۵، رقم: ۴۲۶۸، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم، ج: ۹، ص: ۵۳، مشکوٰۃ، کتاب الفضائل، باب فضائل سیّد المرسلین، ص: ۱۲۰۴، رقم: ۵۷۵۸، المصنف لابن ابی شیبہ، ج: ۱۳، ص: ۲۰۴، رقم: ۳۷۵۵۰، معجم الصحابۃ لابن قانع، ج: ۲، ص: ۱۲۷، رقم: ۵۹۱، الاحادیث المختارۃ للمقدسی، ج: ۹، ص: ۱۴۳، رقم: ۱۲۴، مسند الفردوس، ج: ۳، ص: ۲۸۴، رقم: ۴۸۵۴

جبکہ آدم ابھی روح و جسم کے درمیان تھے۔

اور انہیں سے ایک اور جگہ مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے ہاں لکھا ہوا تھا' اور امام ترمذی کی روایت کردہ یہ حدیث بھی ہے جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حسن'' کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی:

متی وجبت لک النبوۃ؟ قال وآدم بین الروح والجسد.

(سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فضل النبی، ص: ۸۲۱، رقم: ۳۶۰۹، معجم الاوسط للطبرانی، ج: ۴، ص: ۲۷۲، رقم: ۴۱۷۵، طبقات ابن سعد، ج: ۹، ص: ۵۸، رقم: ۳۷۳۳، معجم الکبیر للطبرانی، ج: ۱۲، ص: ۹۲، رقم: ۱۲۵۷۱)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کب عطا ہوئی؟ فرمایا: جب آدم روح و جسم کے درمیان تھے۔

نیز یہ حدیث بھی مروی ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وأنا اول الانبياء خلقاً و آخرهم بعثًا

(الدر المنثور للسيوطی، ج: ۱۱، ص: ۴۳۵، تفسير طبری، ج: ۱۹، ص: ۲۳، دلائل النبوة لابی نعيم، ص: ۴۲، رقم: ۳، طبقات ابن سعد، ج: ۱، ص: ۱۲۴)

ترجمہ: میں انبیاء میں تخلیق کے لحاظ سے اول اور بعثت کے اعتبار سے آخری ہوں۔

عالم ملکوت میں شانِ محمدی کا اظہار

صحیح مسلم کی یہ حدیث مبارکہ بھی ہے جسے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الله كتب مقادير الخلق قبل ان يخلق السموٰت والارض بخمسين الف سنة قال وكان عرشه على الماء ۔

(صحيح مسلم، كتاب القدر، باب حجاج آدم و موسىٰ، ص: ۱۲۲۵، رقم: ۲۶۵۳، سنن الترمذی، كتاب القدر، باب: ۱۸، ص: ۴۸۷، رقم: ۲۱۵۶، تفسير الدر المنثور، ج: ۸، ص: ۱۸)

ترجمہ: اللہ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے ۵۰ ہزار سال قبل مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں اور اس وقت عرش الٰہی پانی پر تھا۔

اور جو کچھ اُم الکتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھا گیا اس میں یہ بھی تھا کہ ”محمد خاتم النبیین“ ہیں اور اس طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ملائکہ مقربین کے سامنے ظاہر کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو اعلیٰ علیین میں بلند کرنے سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم تھی تاکہ تمام انبیاء کرام و مرسلین عظام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ممتاز ہو جائے پھر جب آدم علیہ السلام روح و جسم کے درمیان جلوہ گر تھے، اس وقت نبوتِ محمدی کا اظہار خاص اس لئے کیا گیا کیونکہ ارواح کی عالم

اجسام میں دخول کی ابتدا تھی اور یہی وقت تھا کہ اولادیں اپنے آباؤ اجداد سے ممتاز ہو جائیں۔

امام سیّدنا حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "النفخ والتسویۃ" میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود ذاتی سے قبل وصف نبوت سے موصوف ہونے اور صفات کمال کے پائے جانے کے بارے میں (ایک سوال کا) جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

خلق سے یہاں مراد "تقدیر" ہے "ایجاد" نہیں کیونکہ ماں کے بطن میں آنے سے قبل مخلوق کا کوئی وجود نہیں ہوتا' البتہ غایات وکمالات تقدیر کے لحاظ سے مقدم ہوتے ہیں اور وجود کے اعتبار سے مؤخر۔

نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مزید ارشاد فرمایا:

اسی طرح اس مقولے کا معنی بھی ایسا ہے "اول الفکرۃ اٰخر العمل واٰخر العمل اول الفکرۃ" یعنی پہلی سوچ آخری عمل کا اور آخری عمل پہلی سوچ۔

حدیث "کُنْتُ نَبِیًّا" کا مطلب

تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کا معنی بھی یوں ہی ہے کہ تقدیر میں آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل بھی نبی تھا کیونکہ تخلیق سیّدنا آدم علیہ السلام سے مقصود ہی یہ تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاد آدم سے پیدا کر کے اس مندرجہ بالا گفتگو کی تحقیق روش اس طرح ہے کہ انجینئر کے ذہن میں مکان کی تعمیر سے قبل ہی اس کا نقشہ موجود ہوتا ہے اور یہی ذہنی خاکہ بعد میں اس مکان کے وجود خارجی کا سبب بنتا ہے اور دراصل یہ ذہنی خاکہ، اس خارجی وجود سے مقدم ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ تقدیر مقرر فرماتا ہے اور پھر اس تقدیر مقررہ کے مطابق تخلیق فرماتا ہے۔

امام حجۃ الاسلام سیّدنا غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام تلخیص کے ساتھ ختم ہوا۔

حضرت امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے بھی زیادہ اچھی بات کہی جو مقصود کو بڑی

صفائی کے ساتھ بیان کر رہی ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

روایت میں آیا ہے کہ ارواح کی تخلیق اجسام سے قبل ہوئی تو اشارہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کی طرف یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار حقائق میں سے کسی ایک حقیقت کی طرف اور ان حقائق کو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا یا پھر جسے ان واطلاع نصیب فرمائے تو ان حقائق میں سے، جسے چاہے، جب چاہے شرف وجود عطا فرماتا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت بھی موجود تھی۔

تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ وصف عطا کیا کہ اس کی ماہیت کو پیدا کیا اور اس وقت میں اپنے فیض کا نزول اس پر فرمایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہو گئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک عرش پر لکھا گیا تا کہ ملائکہ عظام و دیگر مخلوقات اسے دیکھ کر جان لیں کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی بارگاہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی عظمت و مرتبت ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت تو اسی وقت سے موجود تھی البتہ اس حقیقت سے موصوف جسم ظاہری بعد میں جلوہ گر ہوا۔

پس اسی وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و حکمت اور جمیع اوصاف و کمالاتِ عظمت عطا ہوئے اور ان کاموں میں ذرا بھی تاخیر نہیں ہوئی، البتہ تاخیر اس بات میں ہوئی کہ پاکیزہ اصلاب مقدس اور ارحام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کا منتقل ہونا اور پھر بصورت اعلیٰ واکمل وجود شریف کا ظہور پذیر ہونا تو جس کسی نے بھی تفسیر میں یہ مراد لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے علم میں نبی ہونا مراد ہے تو اسے دراصل ان معانی و مفاہیم تک رسائی ہی نہ ہو سکی کیونکہ علم الٰہی تو جمیع اشیاء کو محیط ہے۔

لہٰذا اس وقت وصف نبوت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو موصوف کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس وقت میں نبوت کا وصف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت و متحقق تھا ورنہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی تخصیص باقی نہیں رہتی کیونکہ علم الٰہی میں نبی ہونے کی

حیثیت سے تو تمام انبیاء کا نبی ہونا معلوم ہی ہے۔

امام سیّدی قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا ''ارادہ'' مخلوق کی پیدائش اور ان کے رزق مقرر کرنے سے متعلق ہوا تو اس رب جلیل جل جلالہٗ نے انوارِ صمدیہ سے بارگاہِ احدیت میں ''حقیقت محمدیہ'' کو ظاہر فرمایا پھر اپنے علم و ارادہ کے موافق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام عالم بالا و زیریں کو تخلیق فرمایا پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی نبوت سے مطلع فرمایا اور رسالت مبارکہ کی نوید و بشارت دی تو اس وقت آدم علیہ السلام کی وہی حالت تھی جو حدیث میں بیان ہوئی کہ ''روح و جسم کے درمیان تھے۔'' (المواہب اللدنیہ' جلد ا صفحہ ۲۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات کے لئے اصل الاصول ہیں

اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارواح کے چشمے پھوٹے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملاءِ اعلیٰ میں جلوہ گر ہوئے اور یہ رونق افروز ہونے کا منظر بڑا ہی حسین تھا پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام ارواح کے لئے گویا ''شیریں چشمہ'' تھے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوقات کے لئے جنس عالی ہیں اور تمام موجودات و انسانوں کے لئے ''اصل الاصول'' ہیں۔

لہٰذا اسم باطن کا زمانہ سعادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اپنی انتہا کو پہنچا بایں طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا تعلق روح و جسم کے مربوط ہو گیا تو زمانہ سعادت کا حکم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم ظاہر کی طرف منتقل ہو گیا اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم روح و جسم کے ساتھ دنیا میں رونق افروز ہوئے پس حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری خمیر اگرچہ مؤخر ہے لیکن تو ان کی قدر و منزلت کو تو جان ہی چکا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رازوں کا خزینہ، نفوذِ امر کا مصدر ہیں، ہر حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہی نافذ ہوتا ہے اور ہر خیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی

جاتی ہے، جیسا کہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

أَلَا بِأَبِیْ مَنْ كَانَ مُلْكًا وَّسَيِّدًا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ وَاقِفٌ

فَذَاكَ الرَّسُوْلُ الْأَبْطَحِيُّ مُحَمَّدٌ لَهُ فِى الْعُلَا مَجْدٌ تَلِيْدٌ وَطَارِفٌ

أَتَى بِزَمَانِ السَّعْدِ فِىْ آخِرِ الْمُدَى وَكَانَ لَهُ فِىْ كُلِّ عَصْرٍ مَوَاقِفٌ

إِذَا رَامَ أَمْرًا لَا يَكُوْنَ خِلَافَهُ وَلَيْسَ لِذٰلِكَ الْأَمْرِ فِى الْكَوْنِ صَارِفٌ

(۱) سنو! میرے والدین اس پر نثار! جو اس وقت بھی بادشاہ وسردار تھے، جبکہ آدم علیہ السلام ابھی آب وگل کے درمیان ہی تھے۔

(۲) پس وہ رسول اَبطحی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، جن کی بزرگی وعزت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

(۳) یہ رسول گرامی قدر! اگرچہ آخری مبارک زمانے میں تشریف لائے لیکن ان کی قدر ومنزلت کے نشان ہر زمانے میں پیوستہ تھے۔

(۴) جب یہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کا ارادہ فرمالیں، تو اس کے خلاف ہرگز نہیں ہوتا اور دنیا بھر میں کسی کو اس کے ٹالنے کی مجال نہیں۔

(المواہب اللدنیہ' جلد ا صفحہ ۲۷' ۲۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ہم نے امام ابوسہل القطان کی امالی میں سہل بن صالح سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا:

میں نے ابوجعفر محمد بن علی سے سوال کیا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیائے کرام علیہم السلام سے کیسے مقدم ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام انبیائے کرام کے بعد جلوہ گر ہوئے ہیں؟ تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے اولادِ آدم کو ان کی پشتوں سے نکال کر اور ان کو انہیں پر گواہ بناتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے سب سے پہلے عرض کی تھی: "بَلٰی" (المواہب اللدنیہ جلد ا صفحہ ۳۰ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن سعد نے حضرت امام شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی: یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب سے نبی ہیں؟ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وآدم بین الروح والجسد حین اخذ منی المیثاق .

(طبقات ابن سعد، ج: ۱، ص: ۱۲۳)

جبکہ آدم ابھی روح وجسم کے درمیان تھے، تو مجھ سے میثاق لیا گیا۔

یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے خمیر مبارک کو تیار کر کے اس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالا گیا اور نبوت کی اطلاع دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میثاق لیا گیا اور پھر اس نکالے ہوئے وجود کو لوٹا دیا گیا تا کہ مقررہ وقت پر وجودِ ظاہری کی صورت جلوہ گر ہوں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اول مخلوق ہیں اور تخلیق آدم علیہ السلام جو اولاً ہوئی وہ تو بلا روح تھی لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نکالا گیا اور نبوت سے مطلع کرتے ہوئے میثاق لیا گیا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے، اسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں باعتبارِ تخلیق مقدم اور باعتبارِ بعثت مؤخر ہیں۔

اور یہ بات ہرگز مذکورہ بالا امر کے خلاف نہیں کہ اولادِ آدم کو تو وجود حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکنے کے بعد دیا گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خاص طریقے پر نکالنے سے مقصود اولادِ آدم میں خصوصیت عطا فرمانا تھا، اسی لئے انہیں روح پھونکنے سے قبل نکالا گیا۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت سیّدنا علی وحضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمان باری تعالیٰ "وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ" کے بارے میں روایت موجود ہے:

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے جس بھی نبی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ان سے حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت عہد لیا گیا کہ اگر تم میں سے کسی کی حیات ہی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مبعوث کر دیا جائے تو وہ ضرور بالضرور ان پر ایمان لائے گا اور ان کی معاونت ونصرت کرے گا اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوموں سے بھی یہی عہد و پیمان لیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر' جلد ۱ صفحہ ۵۴۸' مواہب اللدنیہ' جلد ۱ صفحہ ۴۴)

حضرت سیّدنا امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ آیت سے مراد لیا ہے:

کہ اگر بالفرض حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان انبیاء کرام کے زمانوں میں تشریف لے بھی آتے تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کے رسول ہوتے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت جمیع مخلوقات حضرت آدم علیہ السلام تا روزِ قیامت سب ہی کو شامل ہے۔

تو اس طرح سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں دراصل حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی امت ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

"بعثت الی الناس کافةً" میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

(مسند احمد، ج: ۴، ص: ۴۷۲، رقم: ۲۴۷، بخاری، کتاب الصلوٰة، باب جعلت لی الارض مسجدا، ص: ۱۱۸، رقم: ۴۳۸، مسلم، کتاب المساجد، ص: ۲۳۷، رقم: ۵۲۳، سنن الکبریٰ للبیھقی، ج: ۱، ص: ۳۲۶، رقم: ۱۰۱۹، الضعفاء للعقیلی، ج: ۲، ص: ۳۷۶، رقم: ۴۴۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانے سے قبل بھی تمام لوگوں کو شامل ہے۔ اس تفصیل سے "کنت نبیًّا و آدم بین الروح والجسد" کا معنیٰ بھی ظاہر ہو گیا نیز روز قیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے انبیائے کرام کے جمع ہونے اور شب معراج نماز میں ان تمام کی امامت کرانے کی حکمت بھی معلوم ہو گئی۔

(المواہب اللدنیہ' جلد ۱ صفحہ ۴۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

میں کہتا ہوں کہ اس تفصیل کی تائید امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان سے بھی ہو رہی ہے جو انہوں نے فرمان باری تعالیٰ جل جلالہ (تَبٰـرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ

الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴿١﴾ (الفرقان:۱) ترجمہ: بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہاں کو ڈرسنانے والا ہو) کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: ملائکہ اور اس کے ماسوا تمام مخلوق کو بھی شامل ہے۔

حدیث نور کی تجلیات

حضرت سیّدنا عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سیّدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! مجھے بتائیے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے تمام اشیاء میں سے کسے پہلے تخلیق فرمایا؟ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے جابر! اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا پس یہ نور محمدی اللہ جل جلالہٗ کی قدرت سے جہاں چاہتا، گردش کرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت، نہ جہنم، نہ فرشتے، نہ آسمان، نہ زمین، نہ سورج، نہ چاند، نہ جن، نہ انسان پھر جب اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے مخلوق کو شرف وجود عطا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نور کے چار اجزاء کئے، پس پہلے جزء سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش بنا اور چوتھے جزء کے مزید چار حصے فرمائے، لہٰذا پہلے حصے سے حاملین عرش دوسرے سے کرسی، تیسرے سے کے علاوہ بقیہ فرشتے بنائے اور چوتھے حصے کے مزید چار اجزاء کئے پس پہلے حصے سے آسمان، دوسرے سے زمین، تیسرے سے جنت و جہنم بنائے اور چوتھے حصے کو مزید چار اجزاء میں تقسیم فرمایا، ان میں سے پہلے سے مؤمنین کی آنکھوں کا نور، دوسرے سے مؤمنین کے دلوں کا نور، ''اور یہ معرفت ربانی ہے'' تیسرے سے مؤمنین کی زبانوں کا نور'' اور یہ توحید ہے لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' بنایا۔ (المواہب اللدنیہ' جلد اصفحہ ۲۷'۲۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

میں کہتا ہوں کہ اس معنی کی طرف اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے اس فرمان (اَللّٰهُ نُوْرُ

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِهٖ (النور:۳۵) ترجمہ: اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال) میں بھی اشارہ فرمایا گیا ہے۔

یعنی نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان (كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط (النور:۳۵) ترجمہ: ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے) کی سی ہے اور نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلی مخلوق کون سی ہے، اس بارے میں علمائے کرام نے اختلاف کیا ہے۔

پس ایک قول یہ ہے کہ عرش ہے جیسا کہ اس بارے میں صحیح حدیث موجود ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الله كتب مقادير الخلق قبل ان يخلق السموٰات والارض بخمسين الف سنة قال وكان عرشه على الماء ۔

(صحيح مسلم، كتاب القدر، باب حجاج آدم و موسىٰ، ص: ۱۲۲۵، رقم: ۲۶۵۳، سنن الترمذى، كتاب القدر، باب: ۱۸، ص: ۴۸۷، رقم: ۲۱۵۶، تفسير الدر المنثور، ج: ۸، ص: ۱۸)

ترجمہ: اللہ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے ۵۰ ہزار سال قبل مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں اور اس وقت عرش الٰہی پانی پر تھا۔

تو یہ روایت اس بارے میں صریح ہے کہ تقدیریں عرش الٰہی کی تخلیق کے بعد مقرر ہوئیں یعنی تقدیروں کا قلم کی تخلیق کے وقت ہوا جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

اول ما خلق الله القلم وقال له اكتب قال رب وما اكتب قال أكتب مقادير الخلق كل شيء ۔

(سنن الترمذى، كتاب القدر: ۱۷، ص: ۴۸۷، رقم: ۲۱۵۵، سنن ابى داؤد، كتاب السنة، باب فى القدر، ص: ۸۵۰، رقم: ۴۷۰۰، مشكوٰة المصابيح، باب الايمان بالقدر، ص: ۳۴، رقم: ۹۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اسے حکم دیا لکھ! تو اس نے عرض کی اے میرے رب جل جلالہٗ! کیا لکھوں؟ ارشاد فرمایا: تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ۔

اسے امام احمد و ترمذی نے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اسے ''صحیح'' کہا ہے لیکن امام ابن رزین عقیلی کی صحیح مرفوع حدیث ہے جسے امام احمد اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے کہ پانی کو عرش سے پہلے پیدا کیا گیا۔

(امام ترمذی کی روایت یوں ہے: قال قلت یا رسول اللہ این کان ربنّا قبل ان یخلق خلقہ قال کان فی عماء ماتحتہ ھواء وما فوقہ ھواء وخلق عرشہ علی الماء ۔)

(سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ ھود، ص: ۶۹۸، رقم: ۳۱۰۹)

نیز فرمان باری تعالیٰ جل جلالہ (وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (سورۂ ہود: ۷) ترجمہ: اور اس کا عرش پانی پر تھا) میں بھی اس بات پر اشارہ ودلالت موجود ہے۔

حضرت امام سدی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد سندوں سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے پانی سے قبل کسی مخلوق کو پیدا نہیں فرمایا۔

لہٰذا پتہ چلا کہ تمام اشیاء سے علی الاطلاق نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہے پھر اس کے بعد پانی پھر عرش اور پھر قلم پس نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر اشیاء میں اولیت ''اضافی'' ہے۔

جبینِ آدم میں تابشِ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

روایات میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی پشت میں رکھ دیا۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں چمکتا رہا پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی مملکت کے

تخت پر متمکن فرمایا اور ملائکہ کرام نے انہیں اپنے کندھوں پر اٹھایا تو حکم ربانی جل جلالہٗ ہوا۔ پس فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے آسمانوں کی سیر کرائی تاکہ وہ عالم ملکوت کے عجائبات کا مشاہدہ کرلیں۔

(المواہب اللدنیہ جلد۱ صفحہ ۳۹ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

روح حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام کے سر مبارک میں سو سال تک ٹھہری رہی اور اسی طرح سینہ اقدس میں بھی سو سال تک قیام فرمایا اور اسی طرح ان کی پنڈلیوں اور قدموں میں سو سال تک قیام پذیر رہی پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے نام سکھائے اور تمام فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا، یہ سجدہ تعظیم وتحیت کے طور پر تھا جیسا کہ حضرت سیّدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کیا تھا، سجدۂ عبادت ہرگز نہیں تھا، تو مسجود حقیقتاً اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ ہی کی ذات تھی اور حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام تو صرف قبلہ تھے۔ (المواہب اللدنیہ جلد۱ صفحہ ۳۹ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

بروز جمعہ زوال سے عصر، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب والی پسلیوں میں سے پیدا فرمایا اور حضرت آدم علیہ السلام اس وقت آرام فرما رہے تھے اور ان کا نام "حواء" رکھا گیا کیونکہ وہ زندہ انسان سے تخلیق ہوئی تھیں۔ (المواہب اللدنیہ جلد۱ صفحہ ۴۰ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت اماں حواء علیہا السلام کا حق مہر درودِ محمدی

پس جب سیّدنا آدم علیہ السلام بیدار ہوئے اور انہوں نے دیکھا تو تسکین محسوس کی اور ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو فرشتوں نے عرض کی: اے آدم! ذرا ٹھہریئے، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کیوں؟ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے اسے میرے لئے ہی پیدا فرمایا ہے، فرشتوں نے عرض کی: پہلے ان کا مہر ادا کریں آپ علیہ السلام نے پوچھا: اس کا مہر کیا

ہے؟ انہوں نے عرض کی: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تین مرتبہ درود بھیجیں۔

(المواہب اللدنیہ جلد ا صفحہ ۴۰ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سیّدنا امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ''سلوۃ الاحزان'' میں ذکر کیا ہے:

جب حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام نے ان سے قربت کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے مہر طلب کیا حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب جلیل جل جلالہٗ سے عرض کی: اے میرے رب جل جلالہٗ! میں اسے کیا چیز دوں؟ تو ارشاد ہوا: اے آدم! میرے حبیب محمد بن عبد اللہ پر ۲۰ مرتبہ درود بھیجو۔

(ابن جوزی بستان الواعظین صفحہ ۲۴۷ دار الکتاب العربی)

میں کہتا ہوں کہ شاید تین ۳ مرتبہ مہر معجّل تھا اور بیس ۲۰ مرتبہ مہر مؤجل۔

حضرت سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لما اقترف آدم الخطيئة قال يا رب اسألك بحق محمدا الا غفرت لي؟ فقال الله تعالىٰ يا آدم وكيف عرفت محمدًا ولم اخلقه؟ قال لانك يا رب لما خلقتني بيدك ونفخت في من روحك رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبًا لا اله الا الله محمد رسول الله فعلمت انك لم تضف الى اسمك الا احب الخلق اليك فقال الله تعالىٰ صدقت يا آدم لانه احب الخلق الى واذا سألتني بحقه فقد غفرت لك ولو لا مخمد ما خلقتك۔

(مستدرك للحاكم، ج: ۲، ص: ۲۲۷، رقم: ۴۲۸۷، دلائل النبوة للبيهقي، ج: ۵، ص: ۴۸۹، الدر المنثور، ج: ۱، ص: ۳۱۳، معجم الصغير للطبراني، ج: ۲، ص: ۸۲)

ترجمہ: جب حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی تو انہوں نے

عرض کی: اے میرے رب جل جلالہٗ! میں بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرمادے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا: اے آدم! تو نے محمد کو کیسے جانا حالانکہ میں نے اسے ابھی پیدا ہی نہیں فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب جل جلالہٗ! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور اپنی روح مجھ میں پھونکی تو میں نے اپنے سر کو بلند کیا سو میں نے عرش کے ستونوں پر لکھا ہوا پایا "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ مُـحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ" پس میں جان گیا کہ جس نام کو تو نے اپنے نام مبارک کے ساتھ رکھا ہے، وہ بلاشبہ مخلوق میں تیرا محبوب ترین ہے، تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا بے شک وہ میرے نزدیک تمام مخلوقات سے زیادہ محبوب تر ہے اور جبکہ تو نے مجھ سے اس کے حق کے ساتھ سوال کیا ہے، تو میں تجھے بخش دیتا ہوں اور اگر محمد نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔

اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "دلائل النبوۃ" میں حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ اس کی سند میں حضرت عبدالرحمٰن "متفرد" ہیں نیز اس روایت کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کر کے صحیح قرار دیا ہے جبکہ امام طبرانی نے اسے روایت کرتے ہوئے اتنے الفاظوں کا اضافہ کیا ہے:

"وهو آخر الانبياء من ذريته"

یعنی وہ اولادِ آدم میں سے آخری نبی ہوں گے۔

(موجودہ معجم الصغیر للطبرانی میں یہ الفاظ زائد ہیں: فاوحی الله عزوجل اليه يا آدم انه آخر النبيين من ذريتك و ان امته آخر الامم من ذريتك ولولاه يا آدم ما خلقتك، حدیث توسل آدم کی مکمل تحقیق وتخریج اور اعتراضات کے جوابات کے لئے دیکھیں ہماری کتاب "خطباتِ سیالوی" جلد دوم۔ سیالوی)

حضرت سیّدنا امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیّدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

هبط جبريل على النبى فقال ان ربك يقول ان كنت اتخذت ابراهيم خليلاً فقد اتخذتك حبيباً وما خلقت خلقاً اكرم على منك ولقد خلقت الدنيا واهلها لاعرفهم كرامتك ومنزلتك عندى ولولاك ما خلقت الدنيا .

ترجمہ: ایک مرتبہ جبرائیل امین علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو عرض کی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب جل جلالہ ارشاد فرماتا ہے اگر میں نے ابراہیم کو خلیل بنایا ہے تو آپ کو حبیب بنایا ہے اور میں نے کوئی مخلوق تجھ سے زیادہ مکرم ومعزز نہیں بنائی اور میں نے تو دنیا و اہل دنیا کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے تاکہ انہیں اپنی بارگاہ میں تیری قدر و منزلت سے روشناس کراؤں اگر تو نہ ہوتا تو میں دنیا ہی کو پیدا نہ کرتا۔

(مواهب اللدنيه للقسطلانى، ج: ۱، ص: ۸۳)

اللہ تعالیٰ جل جلالہ ولی وعارف سیّدی علی الوفودی رحمۃ اللہ علیہ کو جزائے خیر دے کیا خوب فرمایا:

سَكِنَ الْفُوَدُ فَعِشْ هَنِيأً يَاجَسَدْ ‏ هٰذَا النَّعِيْمُ هُوَ النَّعِيْمُ اِلَى الْاَبَدْ
رُوْحُ الْوُجُوْدِ خِيَالٌ مَّنْ هُوَ وَاحِدٌ ‏ لَوْلَاهُ مَا تَمَّ الْوُجُوْدَ لِمَنْ وَجَدْ
عِيْسٰى وَآدَمُ وَالصُّدُوْرِ جَمِيْعُهُمْ ‏ هُمْ أَعْيُنٌ هُوَ نُوْرُهَا لَمَّا وَرَدْ
لَوْ اَبْصَرَ الشَّيْطَانُ طَلْعَةَ نُوْرِهٖ ‏ فِىْ وَجْهِ آدَمُ كَانَ أَوَّلُ مَنْ سَجَدْ
أَوْ لَوْ رَأَى النَّمْرُوْدُ نُوْرَ جَمَالِهٖ ‏ عَبْدَالْجَلِيْلَ مَعَ الْخَلِيْلِ وَلَا عِنَدْ
لٰكِنْ جَمَالُ اللّٰهِ جَلَّ فَلَا يُرٰى ‏ اِلَّا بِتَخْصِيْصٍ مِّنَ اللّٰهِ الصَّمَدْ

(۱) سکون دل میسر ہے، پس اے جسم! تو بھی خوشی کے ساتھ زندگی گزار کہ

یہی نعمت ہمیشہ رہنے والی ہے۔

(۲) روح وجود اسی ذات یکتا کا پرتو خیال ہے اگر وہ نہ ہوتے تو موجودات کا وجود ہی مکمل نہ ہوتا۔

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام اور تمام مکرم شخصیات آنکھیں ہیں جبکہ وہ ہر آنکھ کا نور ہے۔

(۴) اگر شیطان جبین سیّدنا آدم علیہ السلام میں ان کی تابشوں کی جھلک دیکھ لیتا، تو سب سے پہلے سجدہ کرنے والوں میں ہو جاتا۔

(۵) اگر نمرود اس جمال نور کی جھلک دیکھ لیتا، تو حضرت سیّدنا خلیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر رب جلیل جل جلالہٗ کی عبادت کرنے لگتا اور ہرگز سرکشی نہ کرتا۔

(۶) لیکن جمال الٰہی بہت برگزیدہ ہے، لہٰذا اسے دیکھ نہیں پاتا، ہاں جس کے لئے خدائے بے نیاز مخصوص کر دے۔

(مواہب اللدنیہ للقسطلانی، ج:۱،ص:۸۳)

تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے حضرت حواء علیہا السلام کو حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام کی تسکین کے لئے پیدا فرمایا تھا تاکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے تسکین حاصل کریں، لہٰذا جب حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام، حضرت حواء علیہا السلام کے قریب گئے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ان پر برکات کا فیضان انڈیل دیا تو ان حسین و بابرکت مواقع میں انہوں نے ۲۰ حملوں میں ۴۰ بچے پیدا کئے جبکہ اسی دوران حضرت سیّدنا شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے تو یہ تکریم تھی اس ہستی کی وجہ سے جسے اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے نبوت سے مطلع فرمایا تھا۔

پھر جب سیّدنا آدم علیہ السلام کا وصال ہوا تو حضرت شیث علیہ السلام اپنی اولاد پر وصی بنائے گئے پھر حضرت سیّدنا شیث علیہ السلام نے سیّدنا آدم علیہ السلام کی وصیت کے مطابق اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ اس نور کو صرف پاکیزہ عورتوں ہی میں رکھا جائے، اس

طرح سے یہ وصیت زمانہ در زمانہ چلتی رہی حتیٰ کہ یہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیّدنا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے بیٹے حضرت سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ تک آن پہنچا اور اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے اس نسب شریف کو جاہلیت کی برائیوں سے محفوظ رکھا جیسا کہ احادیث مبارکہ میں آیا ہے۔

نسب محمدی کی طہارت و پاکیزگی

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما ولدني من سفاح الجاهلية شيء ما ولدني الا نكاح (كنكاح) الاسلام ۔

(سنن الكبرىٰ للبيهقي، ج: ۷، ص: ۳۰۷، رقم: ۱۴۰۷۶، تاريخ دمشق لابن عساكر: ۳، ص: ۴۰۰، رقم: ۴۵۷، البداية لابن كثير، ج: ۳، ص: ۳۶۳، مواهب اللدنيه، ج: ۱، ص: ۸۶)

ترجمہ: میری ولادت میں جاہلیت کی برائیوں میں سے کوئی شیءنہیں تھی بلکہ میری ولادت تو اسلامی نکاح کے مطابق ہوئی ہے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''سفاح'' کا معنیٰ ہے ''زنا'' لیکن یہاں مراد کسی عورت کا کسی اجنبی مرد سے عرصے تک ناجائز تعلق قائم کرنا اور پھر بعد میں نکاح کر لینا ہے۔

امام ابن سعد اور امام ابن عساکر نے حضرت ہشام بن محمد السائب کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

كتبت للنبي خمسمائة ام فما وجدت فيهن سفاحًا ولا شيئًا مما كان من امر الجاهلية ۔

(البداية لابن كثير، ج: ۳، ص: ۳۶۴، مواهب اللدنيه للقسطلاني، ج:

۱، ص: ۸۶، طبقات ابن سعد، ج: ۱، ص: ۴۲)

ترجمہ: میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ سو ماؤں کے حالات لکھے ہیں تو میں نے ان میں سے کسی کو بھی بدکاری یا جاہلیت کی کسی بے حیائی و برائی میں مبتلا نہیں پایا۔

حضرت سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خرجت من نکاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم الی أن ولدنی ابی وامی لم یصبنی من سفاح اهل الجاهلية شیء .

(تاریخ دمشق لابن عساکر: ۳، ص: ۴۸، رقم: ۵۶۰، معجم الاوسط، ج: ۵، ص: ۸۰، رقم: ۴۷۲۸، مجمع البحرین للهيثمی، ج: ۶، ص: ۱۲۵، رقم: ۳۴۸۳، تاریخ جرجان للسهمی، ص: ۳۶۱، دلائل النبوة لابی نعیم، ص: ۵۷، رقم: ۱۴، البدایة لابن کثیر: ۳، ص: ۳۶۴)

ترجمہ: میں نکاح کے ذریعے پیدا ہوا ہوں، حضرت آدم سے لے کر مجھے میرے والدین کے پیدا کرنے تک ''سفاح'' کا کوئی دخل نہیں تھا اور نہ ہی زمانہ جاہلیت کی کسی برائی نے مجھے چھوا ہے۔

اسے امام طبرانی نے الاوسط میں، امام ابونعیم اور امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے، اسی طرح امام ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لم یلتق أبوای قط علی سفاح لم یزل الله ینقلنی من الاصلاب الطیبة الی الارحام الطاهرة مصفی مهذباً لا تتشعب شعبتان الا کنت فی خیرهما .

(دلائل النبوة لابی نعیم، ص: ۵۷، رقم: ۱۵، مواهب اللدنیه للقسطلانی، ج: ۱، ص: ۸۶، الحاوی للفتاوی، ج: ۲، ص: ۱۹۹،

مسالك الحنفاء للسيوطی، ص: ۴۴، الدرج المنيفه للسيوطی، ص: ۵۵، البداية لابن كثير، ج: ۳، ص: ۳۷۰)

ترجمہ: میرے والدین نے کبھی بدکاری کا کوئی کام نہیں کیا اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام میں ستھرا بنا کر منتقل کیا پھر جیسے جیسے تقسیم ہوتی رہی، میں سب سے بہتر میں منتقل ہوتا رہا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمان باری تعالیٰ (وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ) کی تفسیر میں منقول ہے، فرمایا: ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف منتقل ہوتا رہا تا آنکہ نبی بنا کر پیدا کیا گیا۔ (مواہب اللدنیہ للقسطلانی، ج:۱، ص:۸۶)

اسے امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور اسی کی مثل کو امام ابونعیم نے بھی روایت کیا ہے۔

ایمان والدین کریمین

اس مقام پر ایک تنبیہ ذہن نشین رہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انبیائے کرام کی پاکیزہ پشتوں میں منتقل ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آبائے عظام انبیاء ہی تھے کیونکہ یہ بات تو اجماع کے بھی خلاف ہے اور نہ ہی تمام والدین اہل اسلام تھے۔ (یہ حضرت ملا علی قاری کی ذاتی رائے ہے) پس ان میں سے بعض والدین کے کفر پر فقہائے عظام نے اجماع بیان کیا ہے جیسا کہ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین۔ (نعوذ باللہ، ایمان آباء مصطفیٰ کے لئے دیکھئے ہماری کتاب عظمتِ والدین مصطفیٰ، سیالوی)

جیسا کہ میں نے اس بحث کے بارے میں مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس میں دلائل قاطعہ کے ذریعے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس موضوع پر لکھے گئے تین رسالوں کا رد بھی کیا ہے۔

(یہ امام علی قاری کی ذاتی تحقیق ہے جو سراسر جمہور اہل اسلام و علماء کرام کے خلاف

ہے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بلاشبہ جنتی ہیں، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ۱۱ سے زائد رسائل لکھ کر مسئلہ مذکورہ کو ''الم نشرح'' کر دیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جملہ امت مصطفیٰ کی طرف سے جزائے خیر دے، ''محشی نبراس'' نے اپنے حاشیہ میں اشارۃً اور دیگر کثیر اکابرین علمائے ذیشان نے صراحۃً ملا علی قاری کا اس شنیع مؤقف سے رجوع لکھا ہے، اس لئے اب ملا علی قاری کی مذکورہ بالا عبارت کالعدم ہوگئی ہے لہٰذا اسے دلیل بنانا ہرگز درست نہیں اور اگر بالفرض حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس مؤقف سے رجوع ثابت نہ بھی ہو، تب بھی یہ ان کی ذاتی رائے ہوگی جو جمہور امت کے علمائے اسلام کی آراء کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی، بہر حال اللہ تعالیٰ دونوں صورتوں میں حضرت ملا علی قاری سے درگزر فرمائے، اس بارے میں اہل ایمان جمہور علمائے اسلام کی تحقیق پر عمل کریں، سیّدی امام اہل سنت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع ایمان والدین کریمین پر ایک معرکۃ الآرا کتاب ''شمول السلام لاصول الرسول الکرام'' لکھی تھی راقم الحروف نے اس کی مفصل تحقیق وتخریج کر دی ہے اور اس کے مقدمے میں علامہ سیوطی اور دیگر ائمہ کرام کی اس موضوع سے متعلقہ تصانیف کا تفصیلی تذکرہ لکھا ہے، اہل علم وشوق اس کی طرف مراجعت فرمائیں، ابو محمد غفرلہٗ۔ (ملا علی قاری نے اپنی کتاب شرح شفاء میں والدین مصطفیٰ کو مؤمن لکھا ہے اور یہ ان کی آخری کتاب ہے)

پھر فرمان باری تعالیٰ جل جلالہٗ ''مِّنْ اَنْفُسِكُمْ'' سے مراد ''جِنْسِكُمْ'' ہے یعنی تمہاری جنس میں سے اور وہ بشری میں تمہاری طرح ہیں[1] ورنہ یہ تو ہمارے رسول اور ہمارا پیغام پہنچانے والے ہیں، جیسا کہ فرمان رب العزت جل جلالہٗ ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

(الکہف:۱۱۰)

---

[1] اور اس ظاہری صورت میں بھی زمین وآسمان بلکہ کروڑوں آسمانوں کا فرق عظیم ہے۔

ترجمہ: تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں، مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

صورت بشری کی حکمت

اور میں حکمت ہی تھی ''کہ ہم جنس ہونا'' قریب ہونے کا سبب بنتا ہے اور اسی سے میل جول و نظام زندگی کا کمال حاصل ہوتا ہے، اسی طرح بروجہ اتم اقتدا کرنے میں سہولت ہو جاتی ہے لیکن اگر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا تو کہا جا سکتا تھا کہ اس فرشتے کے پاس تو ملکوتی طاقت ہے اور ہم لوگ بشریت کے ضعف کی بنا پر اس کی متابعت کرنے سے عاجز ہیں لیکن اگر رسول انسان ہو تو اس کے قول فعل اور حال و اثر کی پیروی کی جا سکتی ہے۔

لہٰذا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرسل اور مرسل الیہ کے درمیان رابطہ ہیں بایں طور کہ حق جل جلالہٗ سے فیض کو لے کر مخلوق خداوندی تک اسے پہنچاتے ہیں، اس معنی و مفہوم کے ادراک سے تمام کفار غافل رہے جبکہ انہوں نے بطریق انکار کہا:

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (الاسراء:۹۴)

ترجمہ: کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا۔

تو یہ ان کی کم عقلی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بیوقوف پتھروں کو تو خدا ماننے پر راضی ہو گئے اور بشر کے رسول ہونے کو بعید خیال کرنے لگے، حاصل گفتگو یہ ہے کہ رسول کا تشریف لانا بہت بڑی نعمت ہے اور پھر جنس بشریت سے ہونا، عظیم سعادت و نوازش ہے۔

بعض علمائے کرام نے فرمایا:

(مِّنْ اَنْفُسِكُمْ) سے مراد جنس عرب سے ہونا ہے تو یہ قول ماقبل تفصیل کے خلاف نہیں ہے اور اس قول کی تائید اس فرمان باری تعالیٰ جل جلالہٗ (وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ابراہیم:۴) ترجمہ: اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان

میں بھیجا) سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعدد صحیح اسناد سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس کی قربت داری حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہو، چاہے وہ قبیلہ مضر ہو یا ربیعہ یا یمانیہ، اور اس قول کی تائید اس فرمان باری تعالیٰ (قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط (الشوریٰ:۲۳) ترجمہ: تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت) سے بھی ہوتی ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر جلد ۳ صفحہ ۹۵)

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے:

قریش کا کوئی قبیلہ بھی ایسا نہیں جس کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ داری نہ ہو تو یہ آیت (قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط (الشوریٰ:۲۳) ترجمہ: تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت) اس کی تائید میں نازل ہوئی۔ (مسند احمد، جلد ۱ صفحہ ۲۲۹، رقم الحدیث: ۲۰۲۴، صحیح بخاری، رقم ۳۴۹۷)

یعنی میرے اور اپنے درمیان صلہ رحمی کا تعلق قائم رکھو۔

نیز آیت مبارکہ میں (مِّنْ اَنْفُسِكُمْ) کو فاء کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے تو اس طرح معنی ہوگا تم میں سے بڑی شان والا۔ اسے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

امام ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مبارکہ (لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ) تلاوت فرمائی تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! (اَنْفُسِكُمْ) کا کیا مطلب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا:

انا انفسکم نسبًا وصهرًا وحسبًا ليس فی ولا فی أبائی من لدن آدم سفاح كلها نكاح .

(الدر المنثور، ج:۷، ص:۶۰۲، مواہب اللدنیہ للقسطلانی، ج:۱، ص:۸۷)

ترجمہ: میں تم سے نسب، سسرال، اور خاندانی لحاظ سے نفیس تر ہوں، مجھ سے حضرت آدم علیہ السلام تک میرے آبائے کرام میں سے کوئی بھی ''سفاح'' کے ذریعے پیدا نہیں ہوا بلکہ سب کے سب نکاح کے ذریعے سے پیدا ہوئے ہیں۔

خاندانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بزبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''دلائل'' میں حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

انا محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصى بن كلاب بن مرة بن كعب بن لؤى بن غالب بن فهر بن مالك بن النضر بن كنانة بن خزيمة بن مدركة بن الياس بن مضر بن نزار وما افترق الناس فرقتين الا جعلنى الله فى خيرهما فأخرجت من بين ابوى فلم يصبنى شىء من عهد الجاهلية وخرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم حتى انتهيت الى أبى و امى فأنا خيركم نفساً وخيركم أباً .

(تاريخ دمشق لابن عساكر، ج: ۳، ص: ۴۸، رقم: ۵۶۰، دلائل النبوة للبيهقى، ج: ۱، ص: ۱۴۳، امتاع الاسماع للمقريزى، ج: ۳، ص: ۲۱۱، الدر المنثور، ج: ۷، ص: ۶۰۴)

ترجمہ: میں ہوں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن

قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار، اور جب بھی لوگوں میں تقسیم ہوئی تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے مجھے بہتر گروہ میں رکھا اور میں اپنے والدین سے ایسے پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی برائی مجھ تک نہ پہنچی اور میں بطریق نکاح پیدا ہوا اور حضرت آدم سے لے کر میرے والدین تک کوئی بھی برائی والا نہ تھا، لہٰذا میں نفس کے اعتبار سے تم سب سے بہتر اور آباء کے لحاظ سے تم سب سے برتر ہوں۔

امام احمد و ترمذی نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے ''حسن'' کہا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ حین خلق الخلق جعلنی فی خیر خلقه ثم حین فرقهم جعلنی فی خیر الفریقین ثم حین خلق القبائل جعلنی من خیرهم قبیلةً وحین خلق الانفس جعلنی من خیر انفسهم ثم حین خلق البیوت جعلنی من خیر بیوتهم فأنا خیرهم بیتاً وخیرهم نفسا .

(سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل النبی، ص: ۸۲۱، رقم: ۳۶۰۸، دلائل النبوۃ لابی نعیم، ص: ۵۸، رقم: ۱۶، الدر المنثور، ج: ۷، ص: ۲۰۵، دلائل النبوۃ للبیهقی، ج: ۱، ص: ۱۶۸، مسند احمد، ج: ۳، ص: ۳۰۷، رقم: ۱۷۸۸، البدایہ لابن کثیر: ۳، ص: ۳۵۵)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے مخلوق پیدا فرمائی تو مجھے بہترین مخلوق میں رکھا پھر جب ان مخلوقات کو تقسیم کیا تو مجھے ان میں سے بہتر گروہ میں رکھا، جب ان مخلوقات میں سے قبائل بنائے تو مجھے ان میں سے بہتر قبیلہ میں رکھا پھر جب اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے گھر بنائے تو مجھے ان میں سے

بہترین گھرانوں میں رکھا لہٰذا میں ان سے مکان کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں اور ذات کے لحاظ سے بھی بہتر ہوں۔

یعنی اصل ونسب اور ذات وحسب کے لحاظ سے ان لوگوں سے بہتر ہوں۔

امام حکیم ترمذی، طبرانی، ابونعیم، بیہقی اور ابن مردویہ نے حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الله خلق الخلق فاختار من الخلق بني آدم واختار من بني آدم العرب واختار من العرب مضر واختار من مضر قريشاً واختار من قريش بني هاشم واختارني من بني هاشم فأنا خيار من خيار .

(البداية لابن كثير، ج: ۳، ص: ۳۶۷، دلائل النبوة للبيهقي، ج: ۱، ص: ۱۷۲، رقم: ۴۳۲، دلائل النبوّة لابي نعيم، ص: ۵۸، رقم: ۱۸، نوادر الاصول لحكيم الترمذى، ج: ۱، ص: ۲۷۳، رقم: ۳۹۳، معجم الكبير، ج: ۱۲، ص: ۴۵۵، رقم: ۱۳۶۵۰)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا، تو ان مخلوقات میں سے بنی آدم کا انتخاب فرمایا اور اولادِ آدم سے عرب کا انتخاب فرمایا اور عرب میں سے مضر کا انتخاب فرمایا اور مضر میں سے قریش کا انتخاب فرمایا اور قریش میں سے بنی ہاشم کا انتخاب فرمایا اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا، لہٰذا میں بہتر سے بہتر لوگوں میں بھی بہترین ہوں۔

امام ابن سعد نے حضرت سیّدنا قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیان فرمایا:

اذا أراد الله ان يبعث نبيًّا نظر الى خير اهل الارض قبيلة فيبعث في خيرها رجلاً . (الدر المنثور، ج: ۷، ص: ۲۰۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جل جلالہ جب کسی نبی کو مبعوث فرمانے کا ارادہ کرتا تو اہل

زمین میں سے بہترین قبیلہ کی طرف نظر فرماتے ہوئے اس قبیلے کے بہترین فرد کو مبعوث فرماتا۔

حضرت سیّدنا امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہم نے اپنے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے:

میں اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے یہاں حضرت آدم کی تخلیق سے چودہ ہزار سال قبل نور تھا، پس جب آدم تخلیق کئے گئے تو اس نور کو ان کی پشت میں رکھا گیا لہٰذا اسی طرح پشت در پشت منتقل ہوتا رہا، حتیٰ کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی پشت میں آن پہنچا۔

(کشف الخفاء، حرف الکاف، جلد ۲ صفحہ ۱۱۹)

اسی طرح حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الشفا'' میں بغیر سند کے حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

قریش اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے یہاں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال نور تھے اور یہ نور اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی تسبیح بیان کرتا اور ملائکہ کرام بھی ان کی طرح اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی تسبیح بیان کرتے تھے پس جب اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا تو اس نور کو ان کی پشت میں ڈال دیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فأهبطني الله الى الارض في صلب آدم وجعلني في صلب نوح وقذف بي في صلب ابراهيم ثم لم يزلِ الله ينقلني من الاصلاب الكريمة الى الارحام الطاهرة حتى أخرجني من بين أبوى لم يلتقيا على سفاح قط .

(المطالب العاليه لابن حجر: ۱۷/۱۹۵، رقم: ۴۲۰۹، الدر المنثور، ج: ۷، ص: ۶۰۷، البداية: ۳، ص: ۳۷۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے مجھے آدم علیہ السلام کی پشت میں رکھ کر زمین

پر اتارا۔ نوح کی پشت میں رکھا اور پھر ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں ڈالا پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ مجھے پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل کرتا رہا حتیٰ کہ مجھے میرے والدین کے ذریعے پیدا فرمایا جو کبھی بھی بے حیائی میں ملوث نہیں ہوئے۔

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

حفظ الالٰه كرامةً لمحمد آبائه الامجاد صوناً لاسمه

تركو السفاح فلم يصبهم عاره من آدم والى أبيه وامه

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کو محفوظ رکھا تا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی حرمت برقرار رہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تک کوئی بے حیائی کے قریب نہیں گیا اور نہ ہی اس سبب سے انہیں کسی قسم کی شرمندگی اٹھانا پڑی۔

بخاری شریف میں حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بعثت من خير قرون بني آدم قرنًا فقرنًا حتى كنت من القرن الذى كنت فيه ۔

(صحيح بخارى، كتاب المناقب، باب صفة النبى، ص: ۸۳۲، رقم: ۳۵۵۷، مسند احمد، ج: ۱۴، ص: ۴۴۶، رقم: ۸۸۵۷، شعب الايمان، جلد: ۲، ص: ۵۲۰، رقم الحديث: ۱۳۲۹، دلائل النبوة للبيهقى، جلد: ۱، ص: ۱۷۵، رقم الحديث: ۴۴، مسند ابى يعلى موصلى، جلد: ۱۱، ص: ۵۳۷، رقم الحديث: ۶۵۵۳، كنز العمال، جلد: ۱۱، ص: ۱۹۲، رقم الحديث: ۳۲۰۰۲، جمع الجوامع، جلد: ۴، ص: ۲۱، رقم الحديث: ۹۹۵۹، مشكوٰة المصابيح، جلد: ۳، ص:

۱۶۰۰، کتاب الفضائل والشمائل، باب فضائل سیّد المرسلین، رقم الحدیث: ۳۹۴۷، طبقات ابن سعد، جلد: ا، ص: ۹، السبل الجلية، ص: ۳۴، البداية لابن كثير: ۳، ص: ۳۵۵)

ترجمہ: مجھے اولادِ آدم کی بہترین نسلوں میں مبعوث کیا گیا، یہاں تک کہ میں اس نسل میں ہوا، جو میرا خاندان ہے۔

تذکرۂ خاندانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اولین وآخرین اور ملائکہ مقربین کے سردار، تمام مخلوق کے لئے سند اور رب العالمین کے حبیب ہیں، روزِ قیامت ''شفاعت عظمیٰ'' انہی کے ساتھ خاص ہے، ہمارے آقا ابو القاسم، ابو ابراہیم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں اور عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا نام ''شيبة الحمد'' رضی اللہ عنہ ہے، انہیں عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے والد ہاشم نے مکہ مکرمہ میں انتقال کے وقت اپنے بھائی مطلب کو کہا تھا کہ اپنے غلام کو جو یثرب میں ہے سنبھال لینا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے چچا مطلب جب مکہ مکرمہ میں آئے، تو یہ ان کے ساتھ سوار تھے لیکن حالت بہت خستہ تھی تو جو بھی ان کے بارے میں مطلب سے پوچھتا تو شرمندگی سے بچنے کے لئے بھتیجا کہنے کے بجائے غلام کہتے رہے پس جب بعد میں ذرا تندرست وبہتر ہوئے تو ظاہر کیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عرب میں سیاہ خضاب استعمال کیا اور ان کی عمر ۱۴۰ سال ہوئی۔ (البدایہ لابن کثیر: ۳، ص: ۳۵۵)

اور یہ ہاشم رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے اور ہاشم کا نام ''عمرو'' ہے، انہیں ہاشم اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی قوم کو قحط سالی کے زمانے میں ثرید کھلایا کرتے تھے۔

اور یہ عبد مناف بن قصی رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں ''قصی'' دراصل ''قصیٰ'' کی تصغیر ہے، جس کا معنی بعید ہے کیونکہ ان کی والدہ انہیں حمل میں لے کر خاندان سے دور

قبیلہ قضاعہ میں چلی گئی تھیں۔

اور یہ کلاب رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور "کلاب" یا تو مصدر سے منقول ہے جو کہ "مکالبة" کے معنی میں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "کالبت العدو مکالبةً" میں نے دشمن کو سخت مشقت میں ڈال دیا یعنی تنگی و سختی میں ڈال دیا، یا پھر یہ "کلب" کی جمع "کلاب" ہے کیونکہ اس سے کثرت مراد لیتے ہیں، جیسا کہ درندوں کے نام رکھا کرتے تھے۔

کسی اعرابی سے سوال کیا گیا کہ تم اپنے بچوں کے برے نام رکھتے ہو مثلاً کلب، ذئب، لیکن اپنے غلاموں کے بڑے اچھے نام رکھتے ہو، مثلاً مرزوق، مرباح، تو اس نے جواب دیا ہم اپنے بچوں کے نام اپنے دشمنوں کے لئے رکھتے ہیں جبکہ اپنے غلاموں کے نام اپنے لئے رکھتے ہیں۔

یعنی وہ ارادہ کرتے تھے کہ بیٹے دشمنوں کے لئے ہتھیار اور ان کے سینوں میں پیوست ہونے والے تیر ہیں اسی لئے وہ نام پسند کرتے تھے۔

اور مرة رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے، مرة میم کے ضمہ اور راء کی تشدید کے ساتھ۔ اور کعب کا بیٹا ہے اور وہ پہلا شخص ہے جس نے یوم جمعہ کا نام یوم عروبہ رکھا اور یہ اس دن بیان کرتے تھے اور قریش انہیں سننے کے لئے جمع ہو جایا کرتے تھے نیز یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے "اما بعد" کا کلمہ استعمال کیا یہ اپنے خطاب کے دوران لوگوں کو متنبہ کرتے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہونے والا ہے اور باخبر رہو وہ میری اولاد میں سے ہوں گے اور یہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کا حکم دیتے ہوئے یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

یا لیتنی شاهد فحواء دعوته حین العشیرة تبغی الحق خذلانا

ترجمہ: اے کاش میں ان کی دعوت کے وقت موجود ہوتا جبکہ ان کا اپنا خاندان حق سے منہ موڑ کر انہیں تنہا چھوڑ دے گا۔

اور یہ لؤی رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، لؤی "اللاٰی" کی تصغیر ہے اور غالب بن فہر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں فاء کے کسرہ کے ساتھ، ان کا نام "قریش" ہے، یا پھر فھر ان کا نام اور "قریش" ان کا لقب ہے، انہیں پر جا کر قریش کا نسب ختم ہو جاتا ہے لہٰذا جو ان کی اولاد میں سے نہیں تو وہ پھر قرشی نہیں بلکہ کنانی ہو گا یہی بات صحیح ہے اور نسب قرش بیان کرنے والوں نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔

اور مالک بن نضر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور کہا گیا ہے کہ دراصل لقب ہے جو چہرے کی تروتازگی و رونق کی بناء پر دیا گیا ان کا نام "قیس" ہے، اکثر مؤرخین کے نزدیک یہی افرادِ قریش کو یکجا کرنے والے ہیں۔

اور کنانہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں "کنانة" کاف کے کسرہ کے ساتھ "ابوقبیلہ" ہیں اور خزیمہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، خزیمة دراصل "خزمة" کی تصغیر ہے اور مدرکہ کے بیٹے ہیں، مدرکة دراصل صیغہ فاعل ہے اور الیاس رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں میں علامہ انباری کے مطابق ہمزہ مکسور وقطعی ہے جبکہ دوسرے قول کے مطابق ہمزہ مفتوح وصلی ہے اور یہ قول قاسم بن ثابت کا ہے، رجاء کی ضد ہے اور یہ مشہور نبی کا نام بھی ہے، اس میں لام تعریف کا ہے، امام سہیلی نے فرمایا کہ یہ قول صحیح ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ یہ اپنی پشت میں حج کے دوران حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ پڑھنے کی آواز سنا کرتے تھے نیز مزید بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لا تسبوا الیاس فانه کان مؤمنًا** ترجمہ: الیاس کو برامت کہو بیشک وہ مؤمن تھا۔ اسے امام سہیلی نے ذکر کیا ہے۔ (الروض الانف، ج:۱، ص:۶۱)

حضرت زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے:

یہ بنی اسماعیل کے اس فعل کو ناپسند کرتے تھے کہ انہوں نے اپنے آباؤ واجداد کے بتائے ہوئے طریقوں کو بدل دیا ہے اور یہ ان کے درمیان کھڑے ہو کر وعظ ونصیحت کرتے تھے حتیٰ کہ کئی افراد کو آپ نے اپنی رائے کی حمایت میں جمع کر لیا اور وہ لوگ بھی

ان سے ایسے راضی ہو گئے کہ پھر ان کے بعد کسی سے بھی ایسے رضا مند نہیں نظر آئے، اور یہی وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے بیت اللہ کی طرف ''ہدیٰ'' کے جانور بھیجے اور اہل عرب ہمیشہ ان کی تعظیم عقل مند ودانا شخص کی حیثیت سے کرتے تھے۔

اور مضر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں ''مضر'' بروزن ''عمر'' ہے، کہا گیا ہے کہ انہیں مضر اس لئے کہتے تھے کہ جو بھی ان کے حسن و جمال کو دیکھتا، تو دلی طور سے ان پر فریفتہ ہو جاتا تھا اور یہ خوش الحان بھی تھے، اتفاقاً اونٹ سے گر پڑے اور ان کے ہاتھ پر چوٹ لگی جس کی شدت کی وجہ سے بہ بے اختیار کہنے لگے ''وأیداہ وأیداہ'' تو سن کر اونٹ مست ہو گیا اور عرب میں حدی خوانی کی بنیاد یہی واقعہ ہے، اور جس نے بھی کہا سچ کہا ہے کہ یہی سب سے پہلے ''حدی خواں'' ہیں اور ان کے اقوال میں سے یہ بھی ہے، جو برائی کا بیج بوتا وہ ندامت کی فصل ہی کاٹے گا جبکہ نیکی جلد ہی بھلائی لاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

مضر اور اس کے بھائی ربیعہ کو برا مت کہو، پس بے شک یہ دونوں ملت ابراہیمی کے مسلمانوں میں سے تھے۔ (ابن جوزی، المنتظم فی التاریخ الملوک والامم، جلد ۱صفحہ ۲۰۸، مسند الفردوس، جلد ۵صفحہ ۱۴، رقم الحدیث: ۷۳۰۳، دار الکتب العلمیہ) بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تو یہاں تک مروی ہے کہ اس طرح خزیمة، معد، عدنان، أدد، قیس، تمیم، أسد، ضبة کو بھی برا مت کہو کہ بیشک یہ لوگ ملت ابراہیمی پر مرنے والوں میں سے تھے لہٰذا ان کا ذکر بھی ایسے ہی کیا کرو جیسے کہ دیگر مسلمانوں کا کرتے ہو۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۱صفحہ ۲۹۱)

اور نزار رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، نزار نون کے کسرہ اور زاء کی تخفیف کے ساتھ، یہ ''النزر'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے ''قلیل'' کیونکہ یہ یکتائے زمانہ تھے، کہا جاتا ہے کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو ان کے والد نے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابشیں دیکھیں تو خوشی وشادمانی سے جھوم اٹھے اور بہت عرصے تک اس خوشی میں لوگوں کو کھانا کھلاتے رہے اور کہتے رہے اور یہ سب کچھ اس پیدا ہونے

والے بچے کے مقابلے میں ”نزار“ ہے۔

اور معد رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں ”معد“ میم وعین مہملہ کے فتح اور دال کی تشدید کے ساتھ، مروی ہے کہ جب بخت نصر بادشاہ نے عرب کے شہروں پر حملہ کیا تو اس وقت بنی اسرائیل کے نبی حضرت سیّدنا اُرمیا علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے وحی فرمائی کہ معد کے پاس جاؤ اور انہیں وہاں سے نکال کر شام لے جاؤ اور اس کی حفاظت کرو کیونکہ ان کی اولاد سے محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں گے، لہٰذا حضرت اُرمیا علیہ السلام نے فرمانِ ربانی پر عمل کیا۔

نیز یہ بھی مروی ہے جب ان کی اولاد بیس یا چالیس کے قریب ہوئی تو ان کی اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر پر حملہ کر دیا اور لوٹ مار کی تو موسیٰ علیہ السلام ان کے لئے دعائے ضرر کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ان کی جانب وحی فرمائی کہ ان کے لئے دعائے ضرر نہ کرو۔

بعض روایات میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تین مرتبہ دعا مانگی حتیٰ کہ وہ قبول نہ ہوئی تو انہوں نے بارگاہ عالی میں عرض کی: اے میرے رب! جس قوم نے ہمیں لوٹا ہے، میں ان کے لئے دعائے ضرر کر رہا ہوں پر تو نے دعا قبول نہیں فرمائی؟ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! جس قوم کے لئے تو نے دعائے ضرر کی ہے، انہی میں سے آخری زمانے میں میرے بہترین بندے نے تشریف لانا ہے۔

اور عدنان رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، عین کے فتحہ کے ساتھ اور یہاں تک کے نسب شریف میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ حضرت عدنان سے اوپر تک کے نسب شریف میں اختلاف ہے اور اس بارے میں کئی اقوال باہم متعارض ہیں اسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نسب شریف بیان کرتے ہوئے حضرت عدنان تک آتے تو رک جاتے اور فرماتے: نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ○ (الفرقان: ۳۸)

ترجمہ: اوران کے بیچ میں بہت سی سنگتیں۔

(طبقات ابن سعد' جلد ا صفحہ ۴۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اگر اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ چاہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتا دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتا دیتے۔

حضرت امام ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عدنان تک کے نسب شریف پر علمائے کرام کا اجماع ہے اور اجماع علمائے کرام ''حجت'' ہے لہٰذا اس سے اوپر تجاوز نہ کرنا چاہئے۔

مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا نسب شریف بیان کرتے تو حضرت عدنان سے تجاوز نہ کرتے پھر ٹھہرتے اور ارشاد فرماتا: كذب النسابون ۔

کہ نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ کہا ہے۔

(الدر المنثور، ج:۱۱، ص:۱۸۰، تاریخ دمشق لابن عساکر، ج:۳، ص:۵۲، رقم:۵۶۲)

حضرت امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب یہ آیت (اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ ترجمہ: کیا تمہیں ان کی خبریں نہ آئیں جو تم سے پہلے تھی نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے انہیں اللہ ہی جانے) تلاوت کیا کرتے تو فرماتے کہ نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے یعنی یہ لوگ علم نسب کا دعویٰ کرتے پھرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں ان سے علم کی نفی بیان فرمائی ہے۔ (روض الانف' جلد ا صفحہ ۳۲' دار الحدیث' قاہرہ' مصر)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

ہم جب بھی نسب بیان کرتے حضرت عدنان تک ہی کرتے ہیں ان سے اوپر کا ہمیں کچھ علم نہیں کہ وہ کون تھے۔ (روض الانف' جلد ا صفحہ ۴۲' دار الحدیث' قاہرہ' مصر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

حضرت عدنان سے حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ السلام تک تیس آبائے کرام تھے، جن کے بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ (روض الانف' جلد ا صفحہ ۴۸' دار الحدیث' قاہرہ' مصر)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہمیں ایسا کوئی شخص نہ ملا جو معد بن عدنان سے اوپر کسی کے بارے میں کچھ جانتا ہو۔ (طبقات ابن سعد' جلد ا صفحہ ۴۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو حضرت آدم علیہ السلام تک کا نسب شریف بیان کرتا تھا تو آپ نے اس معاملہ کو ناپسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: بھلا اسے کس نے اس بارے میں بتایا ہے؟

نیز اسی طرح حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے نسب شریف کے بارے میں امام مالک سے اسی طرح کا جواب منقول ہے۔

سیادتِ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

حضرت امام ابن شہاب فرماتے ہیں:

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے اولین فضائل میں سے یہ ہے کہ اصحاب فیل مکہ مکرمہ کی طرف حملہ آور ہوئے، تو اہل قریش حرم مکہ چھوڑ کر بھاگ اٹھے، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں عزت کی تلاش میں حرم خداوندی چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا اور اس کے علاوہ مجھے کوئی پناہ گاہ نہیں چاہئے، لہٰذا یہ حرم مکہ مکرمہ میں ہی رہے حتیٰ کہ آپ کا واسطہ ان حبشیوں سے پڑا جب آپ اپنے میں ان کے پاس گئے تو وہ اور اس کی قوم ان کی وجاہت وتکریم دیکھ کر حیران رہ گئے پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ان حبشیوں کو نیست و

نابود کر دیا اور انہیں اپنے مقدس گھر سے دور کر دیا اور اہل مکہ کو ان کی وحشت وہیبت سے نجات دی۔

اور ان کے چچا مطلب کی وفات کے بعد ''سقایہ'' اور ''رفادہ'' کا معاملہ بھی حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا گیا، تو آپ نے اس معاملے میں اپنی قوم کی اسی طرح قیادت کی جس طرح آپ کے آباؤ اجداد نے کی تھی بلکہ آپ اس مقام پر پہنچے جہاں آپ کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بھی نہیں پہنچ سکا اور اس معاملے میں کوئی بھی ان کی مثال نہیں ہو سکا، آپ کی قوم آپ سے بے پناہ محبت اور تعظیم وتوقیر کرتی تھی اور آپ کے فرمودات وتنبیہات کو بغور سن کر اس پر اعتماد کرتی تھی۔

''الرفادۃ'' کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ لوگ حسب طاقت غلہ واناج وغیرہ جمع کرتے پھر اس سے کھانا اور کشمش وغیرہ نبیذ بنانے کے لئے خریدتے اور ایام حج میں لوگوں کو اس سے کھلاتے پلاتے تھے حتیٰ کہ پورے ایام حج میں ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

حضرت سیّدنا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا نذر ماننا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا ابن الذبيحين ۔

ترجمہ: میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

(تاریخ دمشق، ج:۶، ص:۲۰۵، رقم:۱۴۸۱، الحاوی للفتاوی، ج:۱، ص:۳۰۷)

یعنی اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ السلام اور اپنے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مراد لیتے تھے۔

اس واقعہ کو امام طبرانی نے بطریق ابن وہب از زھری از قبیصہ بن ذؤیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے نذر مانی تھی کہ اگران کے دس بیٹے پورے ہو گئے تو ان میں سے ایک کو قربان کر دیں گے، لہٰذا جب دس بیٹے پیدا ہو گئے تو انہوں نے ان کے درمیان قربانی کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی تو پرچی حضرت عبداللہ کے نام نکلی اور یہ انہیں سب سے زیادہ محبوب تھے تو عرض کرنے لگے: اے اللہ جل جلالہٗ! میں عبداللہ اور سو اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالتا ہوں تو اس بار پرچی سو اونٹوں کے نام نکلی۔

(تاریخ طبری جلد ۱ ص ۴۹۷)

حضرت زبیر بن بکار رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے ان اونٹوں کو نحر کر کے چھوڑ دیا اور لوگوں نے انہیں لے لیا تھا۔

حضرت امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مسلمانوں کے درمیان دیت سو اونٹ مقرر ہوئی حالانکہ اس واقعہ سے قبل زمانہ جاہلیت میں دس اونٹوں کی تعداد دیت کے لئے مقرر تھی، اسی لئے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قرعہ اندازی میں دس دس اونٹ کا اضافہ کرتے رہے اور قرعہ نکالتے رہے، تا آنکہ سو پر جا کر قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

اس نذر کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ زم زم کا کنواں کھودنا چاہتے تھے کیونکہ قبیلہ جرہم کے عمرو بن حارث اور اس کی قوم نے جب مکہ مکرمہ میں فسادات برپا کئے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ان پر ایسے کو مسلط کر دیا جس نے انہیں مکہ مکرمہ سے باہر نکال دیا تو عمرو نے حرم کے زیورات کو زم زم کے کنویں میں ڈال دیا اور دیگر بہت ساری چیزیں ڈال کر اس کا نشان بھی ختم کر دیا اور اپنی قوم کو لے کر یمن کی طرف فرار ہو گیا، تو اس وقت سے یہ کنواں پوشیدہ تھا تا آنکہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے خواب میں اس سے پوشیدگی کے پردے اٹھائے گئے ان کی دلالت کے سبب آپ نے اسے جان لیا لیکن قریش آڑے آ گئے اور آپ کو کھودنے سے منع کر دیا اور یہی

نہیں بلکہ بیوقوفوں کے ذریعے سے آپ کو شدید تکلیفیں بھی پہنچائیں۔

(المواہب اللدنیۃ للقسطلانی، ج:۱،ص:۱۰۷)

اس کھدائی کے وقت آپ کے ہمراہ صرف آپ کا بیٹا حارث تھا اس کے علاوہ کوئی فرد بشر نہ تھا تو آپ نے نذر مانی کہ اگر میرے دس بیٹے ہوئے اور وہ اس کام میں میرے معاون بنے تو میں شکرانہ کے طور پر ان میں سے ایک کو قربان کروں گا پھر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے چاہ زم زم کی کھدائی کی جس سے ان کی فخر و عزت میں اضافہ ہوا۔

حضرت سیّدنا عبداللہ اور حضرت سیّدتنا آمنہ رضی اللہ عنہما کی شادی

شیخ البرقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا حضرت آمنہ کے ساتھ شادی کرنے کا واقعہ ذکر کیا ہے:

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جب کبھی یمن جاتے تو وہاں کے بڑے بڑے سرداروں کے پاس قیام فرماتے، ایک مرتبہ جب وہاں تشریف لے گئے تو وہاں ایک شخص تھا جس نے سابقہ آسمانی کتابیں پڑھی تھیں، اس نے کہا اگر اجازت دیں تو آپ کے تجارتی معاملات کے بارے میں حساب لگاؤں آپ نے فرمایا: ہاں اجازت ہے پس اس نے دیکھا تو کہنے لگا میں نے نبوت و بادشاہت کو دیکھا ہے اور یہ دو ''منافوں'' کے درمیان ہے یعنی عبد مناف ابن قصیٰ اور عبد مناف ابن زہرۃ، لہٰذا جب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ دوبارہ مکہ مکرمہ لوٹے تو اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو لے جا کر ان کا نکاح حضرت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرۃ بن کلاب بن مرۃ سے کر دیا۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو اس وقت ایسا نور و جمال اور وقار و کمال عطا فرمایا تھا کہ آپ اپنی قوم میں ''سیّدہ'' کے لقب سے پکاری جاتی تھیں اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان ہی جلوہ گر رہا حتیٰ

کہ اللہ تعالیٰ نے اس نور کو شکم مادر میں چلے جانے کا حکم ارشاد فرمایا۔

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''دلائل النبوۃ'' میں بطریق معمر از زہری روایت کی ہے:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ قریش کے سب سے خوبصورت نوجوانوں میں سے تھے، ایک مرتبہ چند عورتیں ان کے قریب سے گزریں تو کہنے لگیں بھلا ہم میں سے کون سی عورت ایسی ہے جو اس سے شادی کر کے اس کی آنکھوں کے درمیان موجود نور کا شکار کر لے تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ان سے شادی کر لی' اور وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاملہ ہو گئیں۔ (دلائل النبوۃ بیہقی' جلد ۱ صفحہ ۸۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو ان کی عمر تیس سال تھی اور ایک قول کے مطابق ۲۵ سال (الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۳۴' ۱۳۵) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی عمر ۱۸ سال تھی، امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہی قول راجح ہے۔

نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی منتقلی

حافظ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیّدنا سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے:

جب اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مسعود کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے شکم اطہر میں پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو یہ ماہ رجب، جمعہ کی رات تھی، اس رات میں اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے خازنِ جنت حضرت رضوان علیہ السلام کو حکم ارشاد فرمایا:

فردوس کے دروازے کھول دیں اور آسمانوں و زمینوں میں ندا کرنے والا ندا کرے کہ پوشیدہ نور کا خزینہ جس سے نبی ہادی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہونا ہے وہ نور

آج کی رات شکم مادر میں قیام پذیر ہو چکا ہے، جہاں اس کی تکمیل ہوگی اور وہ لوگوں کے لئے "نذیر" صلی اللہ علیہ وسلم بن کر تشریف لائیں گے۔ (المواہب اللدنیہ، ج:۱،ص:۱۱۸)

حضرت زبیر بن بکار رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ معاملہ ایام تشریق میں شعب ابی طالب میں جمرۂ وسطیٰ کے قریب ہوا۔

علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ بطریق وہب ابن زمعہ اور وہ اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا:

ہم سنا کرتے تھے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے جس وقت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حمل میں لیا تو وہ کہتی تھیں کہ مجھے حمل کی مشقت اور اس کا بوجھ محسوس ہی نہیں ہوا جیسا کہ دیگر عورتوں کو ہوا کرتا ہے البتہ میرا حیض آنا بند ہو گیا تھا اور فرماتیں کہ کوئی آنے والا میرے پاس آیا جبکہ میں نیم خوابی میں تھی اور کہنے لگا: تمہیں حمل کی تکلیف محسوس ہو رہی ہے؟ تو گویا میں نے اس سے کہا: مجھے کچھ معلوم نہیں تو وہ آنے والا کہتا: بیشک تم اس امت کے نبی و سردار صلی اللہ علیہ وسلم سے حاملہ ہو تو ان کا نام "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم رکھنا اور یہ پیر کا دن تھا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۱،ص:۷۹/۸۷،المختلم فی التاریخ الملوک والامم جلد ۲ صفحہ ۲۴۲)

شانِ ولادت

امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا:

میرے اس بیٹے کی عجیب شان ہے، میں نے اسے اپنے حمل میں لیا اور اس سے زیادہ ہلکا اور آسانی والا بابرکت حمل کوئی دوسرا نہیں دیکھا پھر میں نے ستارہ کی طرح ایک نور دیکھا جو اس کی ولادت کے وقت مجھ سے نکلا جس کی تابشوں سے میں نے بصریٰ و شام میں اونٹوں کی گردنیں دیکھ لیں پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنم دیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش دیگر بچوں کی طرح نہیں تھی بلکہ یہ پیدا ہوتے ہی ہاتھوں کو

زمین پر رکھ کر سر انور کو آسمان کی طرف بلند کرنے لگے۔

(صحیح ابن حبان، صفحہ ۱۶۸۴، رقم الحدیث: ۶۳۳۴)

صحیح ابن حبان، مستدرک للحاکم اور مسند امام احمد میں حضرت عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان عند الله فی ام الکتاب لخاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینته وسأنبئکم بأول ذلك دعوة ابراهیم وبشریٰ أخی عیسیٰ قومه و رؤیا أمی التی رأت أنه خرج منها حین وضعت نور أضاءت له قصور الشام .

(مستدرك للحاكم، ج: ۲، ص: ۶۰۵، رقم: ۴۲۳۴، مسند احمد، ج: ۲۸، ص: ۳۷۹، رقم: ۱۷۱۵۰ أ، دلائل النبوة لابی نعیم، ص: ۴۸، رقم: ۹/۱۰، التاریخ الکبیر للبخاری، ج: ۶، ص: ۶۸، رقم: ۱۷۳۶، دلائل النبوة للبیهقی، ج: ۲، ص: ۱۳۰، صحیح ابن حبان، ج: ۱۴، ص: ۳۱۳، رقم: ۶۴۰۴)

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے نزدیک اُم الکتاب میں خاتم النبیین لکھا گیا تھا حالانکہ آدم اپنے خمیر میں گوندھے پڑے تھے اور میں تمہیں بتاتا ہوں۔ میں دعائے ابراہیمی ہوں اور اپنے بھائی عیسیٰ کی وہ بشارت ہوں جو انہوں نے اپنی قوم کو دی اور اپنی ماں کا وہ حسین خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان میں سے ایک نور نکل کر چمکا جس سے ان کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

"بُصْرىٰ" کے بارے میں ہمارے شیخ نے فرمایا: یہ باء کے ضمہ، صاد کے سکون اور الف مقصورہ کے ساتھ پڑھا جائے گا نیز یہ قول بھی منقول ہے کہ اسے "بَصَرِهَا" پڑھا جائے گا، باء اور صاد کے فتحہ کے ساتھ یعنی انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، پہلے

قول کے مطابق ''بصریٰ'' ایک معروف جگہ کا نام ہوگا، جو دمشق کی طرف جاتے ہوئے مشرقی سمت ایک شہر کا نام ہے یہ ''حوران'' سے متصل ہے، حجاز سے شام کی طرف آتے ہوئے کے درمیان چند مرحلوں کا فاصلہ ہے، اور خاص طور پر اس جگہ کا ذکر کرنے میں ایک حکمت بھی ہے۔

جبکہ ایک روایت میں (مابین المشرق والمغرب) کے الفاظ بھی مروی ہیں نیز ایک اور روایت میں ''الارض'' کا لفظ بھی مروی ہے ان دونوں میں عموم زیادہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اسی جگہ تک گئے اس سے آگے نہیں گئے۔

بعض علمائے کرام نے ارشاد فرمایا:

شام کو ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ آپ کے نورِ نبوت سے فیض یاب ہوگا، اس لئے وہ آپ کی کا پایۂ تخت ہوگا جیسا کہ سابقہ آسمانی کتب میں اس بات کا تذکرہ موجود ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ولادت مکہ مکرمہ، ہجرت یثرب اور پایۂ تخت شام ہوگا، لہٰذا مکہ مکرمہ سے آغاز نبوت ہوا اور اس کا فیضان شام تک پہنچا، اسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس سے معراج کرائی گئی اور وہ شام ہی کا ایک حصہ ہے نیز آپ سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی شام کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔

بلکہ بعض علمائے کرام نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ہر نبی علیہ السلام شام ہی سے مبعوث ہوئے اور اگر اس سے مبعوث نہیں ہوئے تو اس نبی علیہ السلام نے اس کی طرف ہجرت ضرور کی ہے اور آخری زمانوں میں علم وایمان کا مرکز بھی شام ہی ہوگا، اسی وجہ سے نورِ نبوت کی تابشیں دیگر ممالک کی نسبت شام میں زیادہ ظاہر ہوئیں۔

پرنور ہے زمانہ صبح شب ولادت

نور کے ظاہر ہونے میں روایات میں جو اختلاف ہے کہ آیا یہ معاملہ حمل کے وقت تھا یا ولادت کے وقت، تاہم دونوں اوقات میں نور کے ظہور میں کوئی مانع نہیں اگرچہ ولادت کے وقت والی روایات سے زیادہ صحیح ہیں۔

بہر حال اس نور سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آنے والا ایسا نور لے کر آئے گا جس سے اہل زمین ہدایت پائیں گے، آپ کی امت کی سلطنت اور دین کا پیغام کائنات ارض و سما کے گوشے گوشے میں پھیل جائے گا اور خاص طور پر شمال و جنوب میں بایں طور کہ وہاں سے شرک و گمراہی کی ظلمتیں کافور ہو جائیں گی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا فرمان مبارک ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ٥ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥ (المائدہ:۱۵/۱۶)

ترجمہ: بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب، اللہ اس سے ہدایت دیتا ہے، اسے جو اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے ساتھ اور انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے اور انہیں سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا، وہی بامراد ہوئے۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

زويت اى جمعت الى مشارق الارض ومغاربها وسيبلغ ملك امتي مازوى.

(صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب هلاك هذه الامة، ص: ۱۳۲۱، رقم: ۲۸۸۹، سنن ابى داؤد، كتاب الفتن، باب ذكر الفتن، ص: ۷۵۹، رقم: ۴۲۵۲، سنن ابن ماجه، ص: ۶۵۲، رقم: ۳۹۵۲، مسند احمد، ج:

۲۸، ص: ۳۳۹، رقم: ۱۷۱۱۵)

ترجمہ: میرے لئے زمین کے مشرق و مغرب کو سمیٹ دیا گیا ہے اور عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک جا پہنچے گی جہاں تک میرے لئے زمین کو سمیٹا گیا ہے۔

اس سے زیادہ کوئی حمل مجھ پر آسان نہیں تھا، اس سے وہم ہوتا ہے کہ اس حمل کے علاوہ کوئی اور حمل بھی ہوا تھا، امام ابن سعد نے اس سے بھی زیادہ صریح حدیث حضرت اسحاق بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے ارشاد فرمایا: "**قد حملت الاولاد فما حملت** الخ"۔

اس کے بعد امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اس روایت کے بارے میں ہمیں کچھ علم نہیں ہے اور نہ ہی اہل علم کے یہاں یہ روایت معلوم ہے، لہٰذا حضرت عبداللہ و آمنہ رضی اللہ عنہما کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسری کوئی اولاد نہیں تھی۔ (طبقات ابن سعد، ج:۱، ص:۷۹)

امام واقدی کہتے ہیں کہ مجھے حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے نے اپنے چچا سے روایت بیان کی:

جس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حمل میں تشریف لائے تو انہیں جنم دینے تک میں نے ہرگز کوئی تکلیف محسوس نہیں کی۔

اور دوسری روایت میں الفاظ ذرا مختلف ہیں اور وہ یوں ہیں:

میں نے ان کا کوئی بوجھ و درد میں محسوس نہیں کیا جیسا کہ دیگر عورتیں حمل کے وقت تکلیف و بوجھ محسوس کرتی ہیں۔

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

دونوں روایتوں کے الفاظ میں تاویل ممکن ہے، حضرت اسحاق بن عبداللہ سے جو

روایت مذکور ہوئی تو اگر ابن طلحہ ہے تو یہ روایت مرسل ہوگی اور پھر اس کے رجال صحیح کے رجال میں سے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عبد اللہ سے اس حمل کے علاوہ بھی کوئی نامکمل حمل ہوا ہوگا جو کہ ساقط ہوگیا تھا تو اس روایت میں حمل کی طرف اشارہ ہے پس اگر واقدی کے کلام کو قبول کرنا ہی ہو تو بایں طور دیگر روایات یکجا ہوسکتی ہیں۔

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

علمائے کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے حمل سے حاملہ نہیں ہوئیں پس حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا فرمانا "لم احمل" بطریق مبالغہ ہوگا، یا اتفاقی طور پر کلام میں بیان فرمایا اور روایات کے درمیان تطبیق وجمع کرنے والوں نے اول کو صحیح قرار دیا ہے۔

دعائے ابراہیمی کا مطلب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قرار دینا تو اس میں اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جب ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی بارگاہ میں دعا مانگی، اے اللہ! اس شہر کو امن کا گہوارہ بنا اور لوگوں کے دلوں کو اس کی جانب میلان عطا فرما اور اس کے باشندوں کو رزق عطا فرما۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ۝

(البقرۃ:۱۲۹)

ترجمہ: اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرمادے، بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا کو آپ کے حق میں قبول کرلیا اور دعائے ابراہیمی کے مصداق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا

کر اہل مکہ کی طرف مبعوث فرمایا اور اس معاملے کا مطلب یوں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر بھیجنے کا فیصلہ فرما لیا اور اسے اُم الکتاب میں لکھ دیا تو یہ فیصلہ یوں جاری ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس مذکورہ دعا کے لئے مقرر فرما دیا تا کہ اس رسول کو بھیجے جانے کا ان کی ہو جائے، جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پشت مبارک سے اولاد در اولاد منتقل ہوتے رہے۔

بشارت عیسیٰ علیہ السلام کا مصداق

بشارت عیسیٰ علیہ السلام قرار دینا تو اس میں اس معاملہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اس بشارت اپنی قوم کو سنائیں تو بنی اسرائیل نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی پیدائش سے قبل ہی جان لیا۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا ارشاد مبارک ہے:

مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط (الصف:٦)

ترجمہ: اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا، جو میرے بعد تشریف لائیں گے، ان کا نام احمد ہے۔

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جس سال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شکم مادر میں تشریف لائے، وہ سال اہل قریش پر نہایت تنگی وقحط کا تھا تو آپ کی برکت سے زمین سرسبز ہوگئی، درختوں پر پھل آ گئے اور پورا مکہ نہایت سرسبز وشاداب ہو گیا حتیٰ کہ اس سال کو ''الفتح والابتہاج'' کا سال کہا جانے لگا اور اس خوش حالی کے باعث ان کے پاس ہر جگہ سے مال و دولت آنے لگی۔ (المواہب اللدنیہ للقسطلانی، ج:۱،ص:۱۱۹)

جبین عبد المطلب رضی اللہ عنہ میں شبیہ محمدی

حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ ان دنوں قریش بلکہ تمام عرب کے حاکم و سردار تھے یہ ہر روز بڑی شان سے نکلتے اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور کہتے: اے گروہ قریش!

میں اپنی آنکھوں کے درمیان ایک ایسی ہستی کی شبیہ دیکھتا ہوں گویا کہ وہ نور کامل کا ٹکڑا ہے، جسے دیکھتے دیکھتے میرا جی ہی نہیں بھرتا اور اہل قریش اپنے حسد یا اندھے پن کی وجہ سے اس کی رؤیت کا انکار ہی کرتے رہے' بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اس رات قریش کا ہر جانور پکار اٹھا رب کعبہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم حمل میں آ گئے ہیں وہ دنیا کے امام اور اہل دنیا چراغ ہیں۔

اسی لئے قریش کے تمام کاہنوں اور عرب کے تمام قبائل سے اسے مخفی رکھا گیا اور ان کے علم کہانت کو ان سے چھین لیا گیا اور اس دن تمام بادشاہوں کے تخت الٹ دیئے گئے اور اس دن کی صبح ہر بادشاہ گونگا کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ پورا دن کچھ بھی نہ بول سکا اور مشرق کے پرندے مغرب کے پرندوں کو بشارت دینے گئے، اسی طرح سمندروں کی مخلوقات نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہینوں میں سے ہر مہینے میں زمین و آسمان میں ندا کی جاتی کہ خوش خبریاں سناؤ! عنقریب ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر سعادت و برکت کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ (المواہب اللدنیہ للقسطلانی، ج:۱،ص:۱۲۲)

اور کہا گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شکم مادر میں مکمل نو مہینے جلوہ افروز رہے لیکن ان کی والدہ کو کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی اور نہ ہی کوئی ایسا معاملہ پیش آیا جو دیگر حاملہ عورتوں کو پیش آتا ہے۔

وصال حضرت سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ

امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اس حمل کی تکمیل کے دوران آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو قریشی تاجروں کے ہمراہ شام کے شہر ''غزۃ'' میں غلہ خریدنے کے لئے بھیجا وہاں سے لوٹتے وقت وہ بیمار ہو گئے، لہٰذا راستے میں مدینہ منورہ میں اپنے والد کے ننھیال بنی عدی ابن نجار میں ہی ایک مہینہ تک قیام فرمایا اور پھر وہیں انتقال فرما

گئے۔

حضرت ابن وہب نے یونس سے اور انہوں نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے:
آپ کو یثرب میں کھجوریں خریدنے کے لئے بھیجا تھا اور وہیں آپ کا انتقال ہو گیا اور آپ کو "دار النابغہ" میں دفن کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۷۹)

اس قول کو حضرت امام ابن اسحاق نے ترجیح دی ہے نیز امام ابن سعد نے بھی اسے روایت کیا ہے اور امام زبیر بن بکار و دیگر حضرات نے اسی پر اعتماد کیا ہے اور امام ابن جوزی نے کہا ہے کہ اکابر اہل سیرت و تاریخ کے یہاں یہی پسندیدہ ہے جبکہ بعض حضرات نے تو اسی کو جمہور علماء کرام کا قول قرار دیا ہے، البتہ بعض نے کہا ہے کہ آپ کا وصال کی پیدائش کے بعد ہوا تھا، لہٰذا حضرت یحییٰ بن سعید الاموی نے مغازی میں ایک ضعیف راوی عثمان بن عبدالرحمٰن وقاصی سے اور انہوں نے زہری سے اور انہوں نے سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے یہاں جب کی پیدائش ہوئی تو حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ کو حکم دیا کہ انہیں لے کر قبائل عرب میں پھریں تو انہوں نے ایسا ہی کیا پھر حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں اجرت پر دودھ پلانے کے لئے لے لیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس چھ سال تک رہے تا آنکہ شق صدر کا واقعہ پیش آیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس واپس بھیج دیا۔

(البدایۃ والنھایہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۰)

اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کتنی تھی، کہا گیا کہ دو سال اور چار مہینے تھی، اسے امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ (سیرت ابن اسحاق جلد ا صفحہ ۲۲) بعض نے کہا کہ اسی سال حضرت عبداللہ اپنے ننھیال کی طرف ملنے کے لئے مدینہ منورہ گئے اور وہیں ان کا وصال ہوا۔

کہا گیا کہ فرشتوں نے بارگاہِ عالی میں عرض کی، اے ہمارے رب! اے ہمارے

آقا! تیرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو یتیم ہو گیا؟ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا: میں اس کا ولی و مددگار اور حفاظت کرنے والا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی گئی، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو والدین کی طرف سے کیوں یتیم کیا گیا تو ارشاد فرمایا: تاکہ مخلوق کا ان پر کوئی احسان نہ ہو۔ اسے ابو حیان نے ''بحر'' میں نقل کیا ہے۔ (البحر المحیط جلد ۸ صفحہ ۴۸۱، الحرر الوجیز جلد ۵ صفحہ ۴۹۴)

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ نے بوقت وصال ایک لونڈی اُم ایمن پانچ اونٹ اور کچھ بکریاں چھوڑی تھیں پس یہ ترکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا اور اُم ایمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش فرماتی رہیں اور جس ننھیال کی طرف ماقبل اشارہ کیا گیا، وہ یوں ہے کہ ہاشم بن عبد مناف نے مدینہ منورہ میں سلمٰی بنت عمرو بنی نجار سے شادی کر لی تھی اور اس سے عبدالمطلب رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

اور ہجرت کے باب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں مروی ہے: میں عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ننھیال میں ٹھہر رہا لہٰذا ان کی تکریم کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم، ۷۴۳۸)

ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اپنے ماموؤں کے یہاں ''یا فرمایا'' اپنے داداؤں کے یہاں۔ (صحیح بخاری: ۳۴) تو اس میں شک ابن اسحاق سبیعی راوی کی طرف سے ہے یا پھر یہ کلام بطریق مجاز ہے اور خالوؤں کا اعتبار ماں کی طرف سے ہوتا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تو ابن مالک بن نجار کے یہاں تھا، بنی عدی کے یہاں نہیں۔

معجزانہ ولادت باسعادت

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''دلائل'' میں اور امام طبرانی و ابو نعیم نے محمد بن ابی سوید ثقفی سے بطریق عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ مجھے میری صحابیہ

والدہ حضرت فاطمہ بنت عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہا نے بیان کیا:

جس رات حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو درد زہ کا معاملہ پیش آیا تو میں اس وقت وہاں موجود تھی اور میں ستاروں کو دیکھ رہی ہوں کہ میرے قریب ہوتے جا رہے ہیں اور ایسا لگتا تھا کہ وہ میرے اوپر ہی آ گریں گے پس جب انہوں نے بچے کو جنم دے دیا تو ان سے ایک نور نکلا جس سے در و دیوار روشن ہو گئے۔ (المواہب اللدنیۃ للقسطلانی، ج:۱،ص:۱۲۷)

امام ابن سعد نے کہا: ہمیں ہیثم بن خارجہ نے خبر دی انہیں یحییٰ بن حمزہ نے بطریق اوزاعی از حسان بن عطیہ حدیث بیان کی:

بیشک جب وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو ہاتھ اور گھٹنے زمین پر رکھے اور نظریں آسمان کی طرف بلند فرمالیں۔ یہ روایت مرسل ہونے کے باوجود قوی ہے۔

اسی طرح اسحاق بن ابی طلحہ سے ایک مرسل روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا:

میں نے انہیں ستھرا پیدا کیا ہے، ایسے پیدا نہیں کیا، جیسا کہ بکری کا بچہ پیدا ہوتا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مبارک پیدا ہوئے کہ آپ کے اہل و خاندان والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اقدس پر کوئی ناپسندیدہ شیء نہیں دیکھی گئی اور وہ زمین پر اپنے ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے۔

(طبقات ابن سعد، ج:۱،ص:۸۲)

حضرت ابوالحسن بن بشران نے ابن سماک سے روایت کی انہیں حضرت ابوالحسن بن براء نے خبر دی کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا:

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنم دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنوں کے بل تشریف فرما ہو گئے اور آسمان کی جانب دیکھنے لگے پھر ایک مٹھی زمین سے بھری اور سجدہ میں گر گئے پھر میں نے برتن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیا تو دیکھا کہ وہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کی پھٹ چکا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انگوٹھے کو چوسنا شروع کیا اور اس میں سے دودھ نکلنے لگا۔ (المنتظم فی التاریخ الملوک والامم جلد۲ صفحہ ۲۴۸)

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنم دے دیا تو ان کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے گھرانے میں آج کی رات ایک لڑکا پیدا ہوا ہے اسے آکر دیکھ لیں پس جب وہ دیکھنے آئے تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے انہیں ان واقعات سے باخبر کردیا جو حمل سے اب تک انہوں نے دیکھے تھے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۱،ص:۸۳، عیون الاثر ج:۱،ص:۸۳)

تو آپ نے بچہ کو گود میں لیا اور یہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا شکرادا کرنے لگے:

الحمد لله الذی اعطانی ... هذا الغلام الطیب الاردان

قد ساد فی المهد علی الغلمان ... اعیذه بالبیت ذی الارکان

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا شکرادا کرتا ہوں جس نے مجھے یہ پاکیزہ و مطیب لڑکا عطا کیا ہے، یہ تو گود ہی میں لڑکوں کا سردار ہوگیا، میں اسے ستونوں والے پناہ میں دیتا ہوں۔

(طبقات ابن سعد، ج:۱،ص:۸۳، الروض الانف، ج:۲،ص:۱۵۷)

پس ثویبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کی لونڈی گئی اور اپنے آقا ابولہب کو اس کے بھائی عبداللہ کے یہاں لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دی تو اس نے اسے فوراً آزاد کردیا۔

فیضانِ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ثویبہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ بھی پلایا تھا نیز فرمایا کہ مروی ہے ابو

لہب کو مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا: کیا حال ہے؟ کہنے لگا: آگ میں ہوں لیکن ہر پیر کو مجھ پر سے عذاب میں کمی کر دی جاتی ہے اور میری ان دو انگلیوں کے درمیان سے مجھے کچھ پانی پینے کے لئے مل جاتا ہے، یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی انگلیوں کے پوروں کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہ اس لئے ہے کہ جب ثویبہ نے مجھے نبی کی پیدائش و رضاعت کی خوشخبری سنائی تو ان کے اشارے سے میں نے اسے آزاد کر دیا تھا۔

(طبقات ابن سعد، ج:۱، ص:۸۸، البدایۃ لابن کثیر:۳، ص:۴۰۷)

امام ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جب اس کافر ابو لہب کا یہ حال ہے جس کے بارے میں قرآن پاک میں صریح مذمت نازل ہوئی ہے اور اس کے باوجود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانے پر اس کے عذاب میں ہر پیر کے روز کمی کر دی جاتی ہے تو پھر اس مسرور امتی کا کیا حال ہو گا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں خرچ کرے، مجھے اپنی عمر کی قسم! بے شک اس کی جزا رب کریم جل جلالہٗ ضرور دے گا اور اپنے فضل کریم سے اسے جنت نعیم میں داخل کرے گا۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے:

مکہ مکرمہ میں ایک تاجر رہتا تھا پس جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو وہ پوچھنے لگا: اے گروہ قریش! کیا آج کی رات تمہارے یہاں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: ہمیں تو کچھ علم نہیں، اس نے کہا: ذرا دیکھو کیونکہ آج کی رات اس آخری امت کا نبی پیدا ہو چکا ہے جس کے کندھوں کے درمیان ایک نشانی ہے، اس پر کچھ بال بھی ہیں جیسا کہ گھوڑے کی گردن پر ہوتے ہیں اور وہ بال ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، وہ لڑکا دو راتوں تک دودھ نہیں پیئے گا کیونکہ عفریت جن نے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھا ہوا ہے' تو اہل قریش پلٹے اور معلومات کرنے لگے۔

انہیں بتایا گیا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے، تو یہ سنتے ہی یہودی نکلا حتیٰ کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس آن پہنچا اور کہنے لگا: ذرا اپنے بیٹے کو باہر لائیں آپ انہیں باہر لائیں تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر سے کپڑا اٹھایا تو دیکھا کہ وہ نشان اُبھرا ہوا پشت پر موجود ہے، یہ دیکھ کر یہودی بے ہوش ہو گیا جب کچھ افاقہ ہوا تو لوگوں نے کہا: تیرا برا ہو تجھے کیا ہو گیا؟ وہ کہنے لگا: اے گروہ قریش! اللہ کی قسم! نبوت بنی اسرائیل سے جاتی رہی اللہ کی قسم! اب تمہاری شان وشوکت اتنی بڑھ جائے گی کہ مشرق ومغرب میں تمہارے چرچے ہوں گے۔

(المواہب اللدنیہ للقسطلانی، ج:۱،ص:۱۲۲، البدایہ لابن کثیر:۳،ص:۲۹۱)

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

یہ اس بات پر دلیل ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت موجود تھی اور یہ وہی علامت بھی جسے اہل کتاب جانتے تھے، اسی کا سوال کرتے تھے اور اسی کو اپنے پاس ٹھہرانے کا مطالبہ کرتے رہتے تھے۔

حتیٰ کہ مروی ہے ہرقل بادشاہ نے ایک شخص کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم نبوت کو دیکھ لے اور پھر ہمیں اس کی خبر دے۔ لیکن ابھی روایت آئے گی کہ وہ دو فرشتے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اقدس کو چاک کر کے اسے حکمت سے بھرا انہوں نے ہی مہر نبوت کو شانوں کے درمیان لگایا تھا اور یہی روایت پہلی روایت سے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ دونوں روایات میں تطبیق ممکن ہے البتہ وہ روایت جس میں مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شانوں سے مہر نبوت کو اٹھا لیا گیا تھا تو اس روایت کی سند ضعیف ہے اور خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان سے انہوں نے اپنی والدہ فاطمہ بنت حسین بن علی رضی اللہ عنہما

سے اور انہوں نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے:

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات آئی تو مکہ مکرمہ کے ایک یہودی نے کہا: آج کی رات تمہارے اس شہر میں ایسا نبی پیدا ہوگا جس کی صفت یہ ہوگی کہ وہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی تعظیم کرے گا لیکن ان کی امت کو قتل کرے گا پس اگر تمہارے ہاں یہ خبر غلط ثابت ہو جائے تو اہل طائف یا اہل ایلہ کو اس کی بشارت دے دو اور اسی رات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو وہ یہودی نکلا اور مقام ابراہیم میں داخل ہوا اور کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور بیشک موسیٰ حق ہیں اور محمد بھی حق ہیں۔ یہ کہنے کے بعد وہ یہودی ایسا غائب ہوا کہ اس کی کوئی خبر نہ مل سکی۔

امام ابونعیم نے ''دلائل النبوۃ'' میں بطریق شعیب ابن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے انہوں نے اپنے والد اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے:

''مـر الـظـهـران'' میں ایک راہب ''عیصا'' نامی رہتا تھا، اس نے ایک مرتبہ دوران گفتگو کہا: اس نے عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات بتا دیا تھا کہ بیشک وہ اس امت کے نبی ہوں گے اور ان کی چند صفات بھی ذکر کر دی تھیں۔ (البدایۃ والنہایۃ' جلد۲ صفحہ ۲۹۵-۲۹۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ نشانیاں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت اور اس کے بعد واقع ہوئیں بہت ساری ہیں اور یہ ان نشانیوں کے علاوہ ہیں جو اسلام میں اعلان نبوت کے بعد رونما ہوئیں اور وہ علمائے کرام وائمہ عظام کے درمیان معروف ومشہور ہیں اور انہیں جمع کرنے کے لئے علمائے کرام مثلاً امام ابونعیم، امام سہیلی وغیرہ نے بڑا اہتمام کیا ہے، انہوں نے اعلانِ نبوت بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل کی نشانیوں کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ امام حاکم نے کتاب الاکلیل، ابوسعید نیشاپوری

نے شرف المصطفیٰ، ابونعیم وبیہقی نے دلائل النبوۃ اور شفا شریف وغیرہ میں ایسا کیا ہے۔

آمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ملک قیصر وکسریٰ

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ ''معرفۃ الصحابہ'' میں حضرت مخزوم بن ہانی کی ان کے والد سے روایت ذکر کرتے ہیں اوران کی عمر ۱۵۰ سال ہوئی:

ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا جس سے ایک ہیبت ناک آواز سنائی دی اور ایوان کسریٰ میں دراڑیں پڑگئیں۔ (عیون الاثر لابن سید الناس، ج:۱،ص:۸۳)

شیخ المشائخ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ دراڑیں ابھی تک باقی ہیں اور ہمیں اس بات کی خبر ان لوگوں نے دی، جنہوں نے بذاتِ خود مدائن میں اسے دیکھا۔ (عیون الاثر لابن سید الناس، ج:۱،ص:۸۳) اور ایوانِ کسریٰ کے چودہ بلند کنگرے بھی گر گئے اور ''شرفۃ'' دراصل ''شرف'' کا مفرد ہے اور شرف اسے کہتے ہیں، جو دیواروں پر خوبصورتی کے لئے بنائے جاتے ہیں تاکہ دیکھنے والوں کو بھا جائیں۔

اور فارس کی آگ بھی بجھ گئی، جس کی لوگ عبادت کرتے تھے، یہ آگ دو ہزار سال سے نہیں بجھی تھی بلکہ یہ لوگ صبح شام اسے روشن کرنے میں لگے رہتے تھے' لیکن اس رات اسے کوئی بھی روشن نہیں کرسکا اور وہ لوگ اسے بھڑکانے سے عاجز آگئے۔

نیز ''بحیرۃ ساوہ'' بھی خشک ہوگیا، اس کے اردگرد کے باشندے شرک ودشمنی کا اعلیٰ نمونہ تھے اور یہ بحیرہ بہت بڑا تھا حتیٰ کہ اس کا فاصلہ ایک فرسخ سے بھی زیادہ تھا اور یہ عراق عجم میں ''ہمدان اور قم'' کے درمیان واقع تھا اس میں کشتیاں چلا کرتی تھیں اور اس کے قرب وجوار کے باشندے مثلاً فرغانہ، رئے وغیرہ اس میں سفر کرتے تھے۔

تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی رات وہ چشمہ بھی خشک ہوکر رہ گیا اور ایسا خشک ہوا کہ گویا کبھی بھی اس کے دامن میں پانی تھا ہی نہیں بلکہ اس کا پانی بالکل ہی غائب ہوگیا حتیٰ کہ بعد میں اسی جگہ ''ساوہ'' شہر معرض وجود میں آیا جواب بھی ایک قلعے کی

صورت میں آباد ہے۔

اور ''مؤبذان'' نے خواب دیکھا، یہ ان شہروں اور ممالک کا حاکم اعلیٰ تھا کہ سخت جسامت والے اونٹ عربی گھوڑوں کو ہانک رہے ہیں اور دریائے دجلہ کو عبور کر کے تمام شہروں میں پھیل چکے ہیں۔ (عیون الاثر لابن سید الناس، ج:۱،ص:۸۴)

اس رات شیاطین پر شہاب ثاقب برسائے گئے حالانکہ اس سے قبل وہ ہر جگہ سے باتیں چرایا کرتے تھے اور ابلیس کو آسمان پر جانے سے روک دیا گیا جیسا کہ مروی ہے یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت بقی بن مخلد رحمة الله عليه ''صاحب مسند'' نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور اسی روایت کو ہم نے بھی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔

ابلیس چار مرتبہ شدید رویا (۱) جب اسے لعنتی قرار دیا گیا، (۲) جب اسے آسمان سے نیچے اتارا گیا، (۳) جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، (۴) جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا، یا پھر جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔

(الروض الانف، ج ۲،ص ۱۴۹،عیون الاثر، ج:۱،ص:۸۲،البدایہ لابن کثیر:۲۹۱/۲)

اس بات میں کچھ اختلاف ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہر نبوت کے ساتھ پیدا ہوئے جیسا کہ ماقبل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت گزر چکی یا بوقت ولادت مہر نبوت عطا کی گئی یا ایام رضاعت میں شق صدر کے دوران دو فرشتوں میں سے ایک نے اسے لگایا۔

پہلے قول کو امام ابن سید الناس، دوسرے کو حافظ مغلطائی نے یحییٰ بن عابد سے بصیغۂ تمریض روایت کیا ہے جبکہ تیسرا قول زیادہ صحیح و درست ہے، لہٰذا امام طیالسی و حارث نے اپنی اپنی ''مسند'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور امام ابونعیم نے ''دلائل'' میں روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جبرائیل نے میری پشت پر مہر لگائی حتیٰ کہ اس کا اثر میں نے اپنے دل میں

محسوس کیا۔

اور حدیث ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جسے امام احمد نے میں اور امام بیہقی نے ''دلائل'' میں روایت کیا ہے وہ بھی کچھ اسی طرح ہے اور میں کہتا ہوں کہ ان روایات میں تطبیق کرنا بھی ممکن ہے بایں طور کہ ہر مرتبہ افادہ میں اضافہ کا ظہور رہا ہو۔

اسی طرح اس بات میں بھی کچھ اختلاف ہے کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی ختنہ شدہ پیدا ہوئے یا پھر بعد میں ختنہ کیا گیا۔

پس امام طبرانی وابونعیم نے بطریق حسن از انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے یہاں میری کرامت وعزت ہے کہ مجھے ختنہ شدہ پیدا کیا گیا اور کسی نے بھی میری شرمگاہ کو نہیں دیکھا۔

(المواہب اللدنیۃ، ج:۱،ص:۱۳۳، البدایہ لابن کثیر:۳،ص:۳۸۷، معجم الاوسط، رقم الحدیث:۶۱۴۸)

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے بطریق عطا خراسانی رحمۃ اللہ علیہ از عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے:

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا اس پر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے: ضرور میرے اس بیٹے کی کوئی بلند شان ہوگی۔ (البدایۃ لابن کثیر:۳،ص:۳۸۷، الطبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸۲ دار الکتب العلمیہ)

امام ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''تاریخ'' میں لکھا ہے:

حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

امام ابوعبداللہ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

بیشک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''تمہید'' میں روایت کیا ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے ساتویں دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ

کیا اور دعوت کی۔ (التمہید: جلد ۲۱ صفحہ ۶۱)

میں کہتا ہوں ختنہ کی خوشی میں انہوں نے جو دعوتِ طعام کی تھی شاید اسی سے یہ وہم پیدا ہوا کہ ختنے بھی اسی دن ہوئے تھے۔ پس حدیث میں ''ختنہ'' کا معنیٰ ''اظھر المختان'' ہے یعنی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ شدہ ہونا ظاہر فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان اور واضح البرہان ہونا بیان کیا۔

کیونکہ امام ابن عبدالبر کی روایت میں تو یہ بھی آیا ہے کہ انہوں نے ساتویں دن ایک مینڈھا ذبح کیا اور اہل قریش کو کھانے کے لئے بلایا، جب وہ لوگ کھانا کھا چکے تو پوچھنے لگے: اے عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ)! جس لڑکے کے لئے تو نے ہماری ایسی شان والی دعوت کی ہے ذرا اسے بھی تو دِکھا اور اس کا نام کیا رکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''محمد''۔ وہ بولے: تم نے اپنے خاندان والوں کے ناموں سے کیوں بے رغبتی کی؟ آپ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ اس کی آسمانوں میں تعریف کرے اور خلق خدا زمین پر اس کی تعریف کرے۔

(الروض الانف، ج:۲، ص:۱۵۱/۱۵۰، دلائل النبوۃ بیہقی، جلد ۱ صفحہ ۱۱۳)

اور کسی کہنے والے نے نہایت عجیب بات کہی کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ختنے کیئے۔ (البدایہ لابن کثیر: ۳، ص: ۳۸۸)

امام عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اس بارے میں کوئی بھی روایت تحقیق کے اصول پر نہیں اترتی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں سکوت اختیار کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے آپ کا ختنہ کیا۔

امام مزی رحمۃ اللہ علیہ سے جب کسی نے سوال کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے؟ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: اللہ اعلم۔ پھر فرمایا: مجھے اس بارے میں علم نہیں۔ (الخلال السنۃ: جلد ۱ صفحہ ۱۵۷، رقم الحدیث: ۲۰۲)

حنابلہ میں سے امام ابوبکر عبدالعزیز بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو صحیح کہنے کے بارے میں کوئی جسارت نہیں کی۔

اور جو بعض روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کا ختنہ کروانا مذکور ہے تو بعض ائمہ نے اسے ہی قرین صواب کہا ہے لیکن امام حاکم نے ارشاد فرمایا کہ پہلی بات متواتر روایات سے ثابت ہے۔

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

میں بھی اس قول کی طرف میلان رکھتا ہوں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا فرمان ہے میں نے انہیں ستھرا پیدا کیا۔

نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا اہتمام

بعض ائمہ کرام نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام "محمد" رکھیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات میں قابل تعریف اوصافِ مبارکہ موجود تھے اور یوں اسم و معنیٰ میں مطابقت ہوگئی۔ (البدایۃ لابن کثیر:۳، ص:۳۹۰)

کہا گیا ہے کہ اسماء آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور اس حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کیا خوبصورت شعر کہے ہیں:

وضم الالٰه اسم النبی الی اسمه   اذا قال فی الخمس المؤذن أشهد

وشق له من اسمه لیجله   فذو العرش محمود وهذا محمد

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا دیا جب بھی مؤذن دن میں پانچ مرتبہ "اشھد" کہتا ہے

اور ان کا نام اپنے نام سے مشتق کر کے نکالا تا کہ اس کی عظمت ظاہر ہو جائے، پس وہ عرش والا محمود اور یہ محمد ہیں۔ (دیوان حسان: صفحہ ۱۴۴)

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے ابتداءً ہی آپ کا نام ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا یا پھر خواب میں بشارت پا کر رکھا۔

امام ابوربیع بن سالم الکلاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا کہ چاندی کی ایک لڑی ان کی پشت سے نکلی ہے اور اس لڑی کے کنارے مشرق و مغرب، آسمان و زمین میں چار طرف پھیلے ہوئے ہیں پھر وہ لڑی سمٹ کر ایک درخت بن گئی جس کا ہر ہر پتا نور تھا اور اہل مشرق و مغرب اس سے لپٹے ہوئے ہیں، حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے جب یہ خواب بیان کیا تو انہیں تعبیر بتائی گئی کہ ان کی اولاد میں سے ایک شخص ہوگا جس کی اہل مشرق و مغرب اتباع کریں گے اور اہل زمین و آسمان اس کی تعریف و توصیف کریں گے، لہٰذا اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رکھا گیا نیز حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے بھی ارشاد فرمایا کہ اس نام کے رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔

(عیون الاثر، ج:۸۸/۱، الروض الانف، ج:۱۵۱/۲، البدایۃ لابن کثیر:۳۸۹/۲)

''محمد و احمد'' حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں بھی ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ (الفتح:۲۹)

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں۔

مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ (الصف:۶)

ترجمہ: ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے:

حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام نے نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر لکھا ہوا دیکھا تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: اگر محمد نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔ (مستدرک حاکم، جلد ۲ صفحہ ۶۷۲، رقم الحدیث: ۴۲۲۸، دار الکتب العلمیہ)

اور باقی رہی حدیث (لولاك لما خلقت الافلاك) پس اس کا معنی صحیح ہے اور علامہ صنعانی نے اسے موضوع کہا ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

احمد ''افعل'' کے وزن پر اسم تفضیل مبالغہ کا صیغہ ہے، اس کا معنی جس سے بکثرت تعریف کا صدور ہو اور محمد ''مفعل'' کے وزن پر ہے، اس کا معنی جس کی بکثرت تعریف کی گئی ہو اور یہ ہی ''حمد'' سے مشتق ہیں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تعریف کے لحاظ سے دنیا و آخرت میں تمام لوگوں پر فضیلت و کثرت رکھتے ہیں، لہٰذا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احمد المحمودین اور احمد الحامدین ہیں، بروز قیامت ''لواء الحمد'' آپ ہی کے ہاتھوں میں ہوگا تاکہ کمالِ حمد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ہو جائے اور میدان قیامت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حمد کے ساتھ چرچا ہو جائے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود پر فائز کیا جائے گا، تمام اولین و آخرین آپ کی تعریف کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسے ابواب حمد کو کھولا جائے گا، جو کسی دوسرے پر نہیں کھلے ہوں گے، جیسا کہ اس بارے میں بخاری و مسلم میں بھی روایات موجود ہیں۔ (بخاری: ۷۵۱۰، مسلم: ۱۹۳)

سابقہ انبیائے کرام کی مقدس کتابوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ''حمادین'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے شایاں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ''محمد واحمد'' رکھے جائیں۔

اور ان دونوں ناموں میں عجیب و غریب خصوصیات اور واضح نشانیاں ہیں، ان

میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے اس نام کو محفوظ رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کسی کو یہ نام رکھنے کی توفیق نہیں بخشی۔

لہٰذا سابقہ آسمانی صحائف میں ''احمد'' نام اگرچہ موجود بھی تھا اور انبیائے کرام اس نام سے بشارت بھی دیتے رہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے لوگوں کو اس نام کے رکھنے سے محفوظ رکھا، اس میں حکمت یہ بھی تھی کہ کسی کا یہ نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نہ ہو اور نہ ہی کوئی اس نام سے پکارا جائے تا کہ بعد میں کمزور قلوب اس کے باعث شک میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اسی طرح نام ''محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہے کہ عرب و عجم میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کسی نے یہ نام نہیں رکھا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور و ولادت سے پہلے ہی یہ بات پھیل چکی تھی کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے اس کا نام ''محمد'' ہو گا پھر اگرچہ اہل عرب میں سے کچھ افراد نے اس امید پر اپنے بیٹوں کا نام ''محمد'' رکھا تا کہ شاید وہ نبی ان ہی میں سے ہو جائیں لیکن:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ط (الانعام:۱۲۴)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے اس نام ''محمد'' رکھنے والوں کو دعویٰ نبوت سے بھی باز رکھا اور دوسروں کو بھی انہیں نبی کہنے سے باز رکھا نیز ایسے اسباب و اوصاف سے بھی باز رکھا، جس کی وجہ سے کوئی ان کے بارے میں شک میں مبتلا ہوتا آنکہ دونوں ناموں کے اعتبار سے تمام تر کمالات صفات کا معاملہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت ہو گیا اور کسی ایک نے بھی اس بارے میں اعتراض نہیں کیا۔ (کتاب الشفاء للقاضی عیاض، ج:۱، ص:۱۴۵، عیون الاثر لابن سید الناس، ج:۱، ص:۸۹، البدایۃ لابن کثیر:۳، ص:۳۷۲)

اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کثیر اسمائے گرامی ہیں حتیٰ کہ بعض علمائے کرام

نے اس کی تعداد ایک ہزار تک بیان کی ہے۔

اکثر اسمائے گرامی ایسے افعال سے موصوف ہیں جن سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی متصف ہے، میں نے اس میں سے کچھ کو اپنی کتاب ''القول البدیع'' میں جمع کیا ہے اور مجھ سے قبل کسی نے اس کے نصف کو بھی یکجا نہیں کیا اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسماء کی کثرت مسمیٰ کی کثرت پر دلالت کرتی ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی کی قدر و منزلت جاننے کے لئے تیرے واسطے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اپنے اسمائے حسنیٰ میں سے رکھے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صفات عظیم میں سے موصوف فرمایا، جیسا کہ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور میں کہتا ہوں شیخ المشائخ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی (اسماء النبی) سے متعلق کتاب لکھی ہے اور اس میں پانچ سو سے زائد اسمائے گرامی کو یکجا کیا گیا ہے۔ پس میں نے اس میں سے جان بوجھ کر صرف ''۹۱'' اسمائے گرامی لئے ہیں۔

هذا الحبيب فمثله لايولد　　والنور من وجناته يتوقد

جبريل نادى فى منصة حسنه　　هذا مديح الكون هذا احمد

هذا مليح الوجه هذا المصطفىٰ　　هذا جميل الوصف هذا السيّد

هذا جليل النعت هذا المرتضىٰ　　هذا كحيل الطرف هذا الامجد

هذا الذى خلعت عليه ملابس　　ونفائس فنظيره لا يوجد

(۱) یہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پس ان کی مثل کوئی پیدا ہی نہیں ہوا اور نور تو ان کے رخساروں سے پھوٹتا رہتا ہے۔

(۲) جبریل مسرت سے پکار اٹھے یہ کائنات کے حسین ہیں یہ احمد ہیں۔

(۳) یہ خوبصورت چہرے والے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ اچھے اوصاف والے یہ پناہ گاہ ہیں۔

(۴) یہ برگزیدہ، یہ پسندیدہ، یہ سرمگیں چشم، یہ بزرگی والے ہیں۔

(۵) یہ وہ ہستی ہیں جنہیں نفاست و عظمت کے لباس سے آراستہ کیا گیا، لہٰذا ان کی نظیر ملنا ممکن ہی نہیں۔

پیدائش کا سال

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ''عام الفیل'' میں ہوئی جیسا کہ امام ترمذی نے اپنی ''جامع'' میں ''قیس بن مخرمہ بن اشیم سے (ترمذی: ۳۶۱۹، دلائل النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۷۹) امام بیہقی نے ''دلائل'' میں سوید بن غفلہ سے جو ''مخضرمین'' میں سے ایک تھے اور امام حاکم نے اپنی ''صحیح'' میں اور امام بیہقی نے حجاج بن محمد از یونس رضی اللہ عنہ ابن ابی اسحاق، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(مستدرک حاکم، جلد ۲ صفحہ ۶۵۸، رقم الحدیث ۴۱۸۰، دلائل النبوۃ: جلد ۱ صفحہ ۷۵، طبقات ابن سعد: جلد ۱ صفحہ ۸۱)

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ''یوم الفیل'' کے لفظ کے ساتھ روایت ذکر کی ہے، نیز امام حاکم نے ایک اور سند کے ساتھ حمید ابن الربیع از حجاج بھی اسی طرح کی روایت ذکر کی ہے اور فرمایا ''یوم الفیل'' کہنے میں ''حمید'' راوی منفرد ہے اور انہوں نے امام ابن معین کی روایت کا بھی تعاقب کیا ہے لیکن ''عام الفیل'' کے الفاظ والی روایات محفوظ ہیں اور والی روایات کسی دوسرے کے منافی بھی نہیں ہیں کیونکہ روایات میں صراحت نہیں ہے لہٰذا اس میں احتمال ہے۔

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ممکن ہے کہ یوم الفیل سے مراد وہ دن ہو جس میں اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ہاتھی والوں کو حرم مقدس میں فساد کرنے سے روکا اور ہاتھی لانے والوں کو ہلاک و برباد کر دیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یوم الفیل میں ''یوم'' سے مراد سال ہو۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: جلد ۱ صفحہ ۱۳۷، دار الکتب)

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہمارے شیخ پہلے قول کی طرف مائل ہیں کہ کبھی ''یوم'' کہہ کر مطلقاً وقت مراد لیا جاتا ہے جیسا کہا جاتا ہے یوم فتح، یوم بدر، پس بیشک اس سے مراد حقیقت میں تو دن ہی ہیں لہٰذا اس اعتبار سے ''یوم الفیل'' کا لفظ ''عام الفیل'' سے زیادہ خاص ہوگا۔

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اپنی ''تاریخ'' کی ابتدا میں لکھتے ہیں:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں اس روز پیدا ہوئے جب اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ابابیل پرندوں کو ہاتھی والوں کی طرف بھیجا تھا۔

(ابن حبان: الثقات: جلد ا صفحہ ۱۵،۱۶)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے لفظ ''عام'' والی ایک مرسل روایت ذکر کی ہے اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ، حویطب بن عبدالعزی اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور ان تمام حضرات کی عمریں ''۱۲۰ سال'' ہوئیں۔ (دلائل النبوۃ: جلد ا صفحہ ۷۸)

حضرت ابراہیم بن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

یہ مسلمہ بات ہے جس میں ہمارے کسی بڑے عالم نے شک نہیں کیا اور امام ابن قتیبہ اور قاضی عیاض نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

(المعارف، صفحہ ۱۵۰، اکمال المعلم، جلد ۷، صفحہ ۳۱۶)

امام ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

سنن و آثار کی روشنی میں علمائے کرام نے اسی بات پر اتفاق ظاہر کیا ہے۔

اور گویا انہیں کے پیش نظر ابن قیم نے بھی اپنا اتفاق لکھا ہے لیکن اس بارے میں اختلاف بھی ثابت ہے اور کئی اختلافی اقوال بھی موجود ہیں، ایک قول کے مطابق اصحاب فیل کے واقعہ کے ۴۰ سال بعد ولادت ہوئی، یہ امام ابوزکریا العلائی کا قول ہے، جسے امام ابن عساکر نے ''الترجمۃ النبویہ'' کی ابتداء میں ذکر کیا ہے۔ (تاریخ دمشق جلد ۳، صفحہ

۷۶)......۳۰ سال بعد ہوئی، اسے امام موسیٰ بن عقبہ نے حضرت امام زہری سے نقل کیا ہے(البدایۃ والنہایۃ: جلد۲صفحہ۲۶۲)......۲۳ سال بعد ہوئی، اسے امام ابن عساکر نے شعیب بن شعیب سے نقل کیا ہے، (تاریخ دمشق جلد۳صفحہ۶۶)......۱۵ سال بعد ہوئی، اسے امام ابن الکلبی نے اپنے والد سے انہوں نے ابوصالح اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے(تاریخ ابن خیاط: صفحہ۵۳، استیعاب جلد۱صفحہ۱۳۷۰) لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قابل اعتماد قول اس سے قبل گزر چکا ہے، ایک مہینہ بعد ہوئی، اسے امام ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے، (تاریخ دمشق جلد۳صفحہ۷۶)......۱۰ دن بعد ہوئی، اسے امام ابن عساکر نے بطریق عبدالرحمٰن ابن ابزی نقل کیا ہے،......۳۰ دن بعد ہوئی،......۴۰ دن بعد ہوئی۔

ایک تاریخی روایت کی حقیقت

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

یہ بات جو زبان زد عام ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا تو اس قول کی کوئی اصل موجود نہیں ہے(موضوعات صفحہ۳۶) اور بعض تاریخی شواہد سے بے خبر افراد نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ علمائے کرام کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مکہ مکرمہ میں کسریٰ نوشیرواں عادل کے زمانے میں ہوئی۔

میں کہتا ہوں کہ امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ بات جھوٹ ہے۔
(التذکرۃ فی احادیث المشتہرہ صفحہ۱۷۹)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شعب الایمان'' میں لکھا ہے کہ ہمارے شیخ حافظ ابوعبداللہ اس بات کے باطل ہونے پر نہایت کلام فرماتے تھے جو بعض جہلا نے گھڑ رکھی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا

ہوں یعنی نوشیرواں کے زمانے میں۔

منقول ہے کہ بعض صالحین نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو حافظ ابوعبداللہ کے کلام کرنے کے بارے میں عرض کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس من گھڑت حدیث کی تکذیب وابطال کرنے میں انہیں سچا قرار دیا اور ارشاد فرمایا: میں نے ایسی بات کبھی نہیں کہی۔

(الدرر المنتثرہ فی الاحادیث المشتہرہ صفحہ ۲۴۵ تحت الرقم: ۴۳۳)

مدفن مبارک کے بارے میں ایک وضاحت

پس اگر کہا جائے کہ ہر شخص کے خمیر کی مٹی اس کے مدفن کی جگہ سے لی جاتی ہے تو اس اعتبار سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفن کو مکہ مکرمہ میں ہونا چاہئے تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مٹی مکہ مکرمہ سے لی گئی تھی تو ''صاحب عوارف'' انہوں نے جواب ارشاد فرمایا:

پانی نے جب جوش مارا تو جو ہر نبی علیہ السلام کو مدینہ منورہ میں تربت مقدس کی جگہ تک پہنچا دیا لہٰذا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکی، مدنی ہیں کیونکہ ان کی پیدائش مکہ مکرمہ میں اور تربت اقدس مدینہ منورہ میں ہے۔

ولادت باسعادت کا مہینہ

پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے مہینے میں بھی اختلاف ہے:

مشہور قول یہ ہے کہ ولادت باسعادت ''ربیع الاول'' کے مہینے میں ہوئی اور یہی جمہور علمائے کرام کا قول ہے، امام ابن جوزی نے اسی قول پر اتفاق نقل کیا ہے (صفۃ الصفوہ جلد اصفحہ ۲۲) لیکن اتفاق کی بات محل نظر ہے۔

لہٰذا بعض علمائے کرام نے کہا ''صفر'' میں ہوئی، بعض نے ''ربیع الآخر''، بعض نے ''رجب'' کہا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے، جبکہ بعض نے تو ''رمضان المبارک'' بیان کیا ہے جو

کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک ایسی روایت سے ثابت ہے جس کی سند صحیح نہیں ہے اور یہ روایت اس قول کے موافق ہے جس میں کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ ''ایام تشریق'' میں حاملہ ہوئیں، بعض افراد نے تو نہایت عجیب بات کہہ دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ''عاشوراء'' کے دن ہوئی۔ (المواہب اللدنیہ، ج:۱،ص:۱۴۰)

تاریخ ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اسی طرح مہینے کے کس دن ہوئی اس بارے میں بھی اختلاف ہے۔

کہا گیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ''ربیع الاول'' میں ''پیر'' کے دن پیدا ہوئے البتہ خاص وہ دن کونسا تھا۔ اس بارے میں معلوم نہیں لیکن جمہور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ وہ دن بھی معلوم و معین ہے، لہٰذا بعض نے کہا ''ربیع الاول'' کی ۲ تاریخ تھی، بعض نے کہا ۸ تاریخ تھی، شیخ قطب الدین قسطلانی نے فرمایا: اسی قول کو ائمہ حدیث نے اختیار کیا اور یہ قول حضرت ابن عباس اور جبیر بن مطعم سے مروی ہے اور اکثر ایسے افراد جنہیں کچھ تاریخی معرفت حاصل ہے، ان کا بھی یہی قول ہے، اسی کو امام حمیدی اور ان کے شیخ ابن حزم نے اختیار کیا ہے جبکہ شیخ قضاعی نے ''عیون المعارف'' میں لکھا ہے کہ اہل ہیئت کا اسی پر اجماع ہے، بعض نے کہا ۱۰ تاریخ تھی۔ (المواہب اللدنیہ، ج:۱،ص:۱۴۱/۱۴۲)

بعض نے کہا ''۱۲'' تاریخ تھی اور بارہویں تاریخ پر اہل مکہ مکرمہ کا اتفاق ہے کیونکہ وہ اسی تاریخ کو جائے ولادت کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں، بعض نے کہا ۱۷ تاریخ تھی، بعض نے کہا ۲۲ تاریخ تھی، جبکہ مشہور قول یہی ہے کہ ''۱۲ ربیع الاول پیر'' کا دن تھا اور یہ امام ابن اسحاق و دیگر علمائے کرام کا قول ہے۔ (المواہب اللدنیہ، ج:۱،ص:۱۴۲)

یومِ ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اسی طرح یوم پیدائش کے بارے میں بھی اختلاف ہے جبکہ مشہور پیر کا دن ہے حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشادفرمایا:

ذلك يوم ولدت فيه وانزلت على فيه النبوة ۔

(صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة ايام من كل شهر، ص: ۵۲۰، رقم: ۱۱۶۲، مسند احمد، ج: ۳۷، ص: ۲۴۴، رقم: ۲۲۵۵۰، سنن الكبرى للنسائى، ج: ۳، ص: ۲۱۴، رقم: ۲۷۹۰، مواهب اللدنية: ۱، ص: ۱۴۳)

ترجمہ: اسی دن میری پیدائش ہوئی اور اسی دن مجھے نبوت سے نوازا گیا۔

اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں دلیل ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت پیدا ہوئے۔

''مسند'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا:

ولد النبى صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين واستنبئى يوم الاثنين وخرج مهاجرًا من مكة الى المدينة يوم الاثنين ودخل اقدم المدينة يوم الاثنين (وتوفى يوم الاثنين) و رفع الحجر (الاسود) يوم الاثنين ۔

(مسند احمد، ج: ۴، ص: ۳۰۴، رقم: ۲۵۰۶، معجم الكبير، ج: ۱۲، ص: ۲۳۷، رقم: ۱۲۹۸۴، دلائل النبوة للبيهقى، ج: ۷، ص: ۲۳۳، مواهب اللدنيه: ۱، ص: ۱۴۳، البدايه لابن كثير: ۳، ص: ۳۷۳)

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے، پیر کے دن ہی نبوت سے نوازے گئے اور پیر کے دن ہی مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے (پیر ہی کے دن وصال فرمایا) اور پیر کے دن ہی حجر (اسود) کو نصب کیا۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اسی طرح فتح مکہ اور سورۂ مائدہ کا نزول بھی پیر ہی کے دن ہوا یعنی سورۃ مائدہ کی

اس آیت کا نزول (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (المائدہ:۳) ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا) اور یہ سب سے آخری نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔ (مواہب اللدنیۃ نا،ص:۱۴۳)

امام ابن ابی شیبہ نے اور امام ابونعیم نے ''دلائل'' میں روایت کیا ہے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طلوع فجر کے وقت پیدا ہوئے جبکہ بعض نے کہا کہ رات کے وقت پیدا ہوئے۔ (حوالہ مندرجہ بالا)

شب میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

صحیح ترین قول یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت پیدا ہوئے۔

میں کہتا ہوں کہ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت عجیب بات کہی، انہوں نے فرمایا کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کو ''لیلۃ القدر'' کی رات سے تین وجوہات کی بنا پر افضلیت حاصل ہے اور انہوں نے اپنے کلام کو اس انداز میں پیش کیا جو علی الاطلاق افضلیت کا فائدہ نہیں دے رہا ہے جبکہ اس میں افضلیت تو عبادت کی وجہ سے ہے اور اس کی افضلیت پر بطریق اعلیٰ نص قرآنی شاہد ہے (لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ (القدر:۳) ترجمہ: شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر)

جبکہ ایسی کوئی فضیلت قرآن و حدیث اور ائمہ اسلام کے اقوال سے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شب کے لئے معروف نہیں ہے۔ (مواہب اللدنیہ جلد اصفحہ ۸۸)

اور امام ابن دحیہ نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شب ستاروں کے گرنے کی روایت کو یہ کہہ کر ضعیف قرار دیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت تو دن میں ہوئی تو امام ابن دحیہ کا اسے اس بنا پر ضعیف قرار دینا ہرگز صحیح نہیں کیونکہ ستاروں کا گرنا خرق عادت تھا، اس سے دن و رات ہونے کی وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا اگرچہ حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت تو طلوع فجر کے وقت ہوئی تھی اور اس وقت تک ستارے رات کی طرح ہی جگمگاتے رہتے ہیں، یا پھر کہا جا سکتا ہے کہ شب میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ستاروں کا گرنا، اس بات کا اشارہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ عالی کے نہایت قریب ونزدیک ہیں اور جو شیء کے قریب ہو اس کا حکم اسے دے دیا جاتا ہے۔

شکم مادرِ مقدس میں جلوہ فرمائی

پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کتنے عرصے تک شکم مادر میں جلوہ گر رہے، اس میں اختلاف ہے۔

کہا گیا ۹ مہینے، یا ۱۰ مہینے، یا ۸ مہینے، یا ۷ مہینے، یا ۶ مہینے، جلوہ فرما رہے۔

جائے ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اس گھر میں ہوئی جو حجاج کے بھائی محمد بن یوسف کا تھا جبکہ بعض نے شعب، بعض نے ردم اور بعض نے عسفان بھی کہا ہے، ہمارے شیخ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صحیح وصواب قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہوئی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت گاہ آج تک معروف ہے۔

علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت محرم، رجب اور رمضان میں نہیں ہوئی تا کہ گمان کرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سے معزز مکرم گمان نہ کریں کیونکہ زمان و مکان تو خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے مشرف ہوئے ہیں۔

درِ یتیم کی خدمت اور نصیب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت کہا جانے لگا کہ کون ہے جو اس درِ یتیم کی

کفالت کرے گا جس کی مثل کوئی انمول سے انمول نہیں تو پرندوں نے عرض کی: ہم کریں گے اور اس خدمت کو عظیم سعادت جانیں گے، وحشی جانوروں نے کہا: ہم کریں گے اور ہم اس شرف وخدمت کے زیادہ حق دار ہیں۔

پس زبانِ قدرت نے پکارا: اے تمام مخلوقات! بیشک اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ازل سے ہی لکھ دیا تھا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کریں گی۔ (مواہب اللدنیہ جلد ا صفحہ ۷۹ دار الکتب العلمیہ 'بیروت)

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی مکہ مکرمہ میں آمد

امام ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابو یعلیٰ، طبرانی، بیہقی اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

میں قحط سالی کے زمانے میں بنی سعد بن بکر کے ساتھ مکہ مکرمہ میں آئی تا کہ کوئی بچہ دودھ پلانے کے لئے مل جائے، جب میں گھر سے چلی تو میرے ساتھ میرا بچہ اور ایک نہایت کمزور اونٹنی بھی تھی واللہ! اس میں سے ایک قطرہ دودھ بھی نہیں نکلتا تھا، میں اپنے بچے کے ساتھ پوری رات سو نہ سکی اور نہ ہی میری چھاتی میں اتنا دودھ تھا جو اس بچے کو کفالت کرتا اور نہ ہی اونٹنی کے تھنوں میں اتنا دودھ تھا جو اس بچے کی غذا بن سکتا۔

بہرحال ہم مکہ مکرمہ پہنچے پس اللہ کی قسم! میرے ساتھ جتنی بھی عورتیں تھیں، ان سب کے سامنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیش ہوئے لیکن جب انہیں بتایا جاتا کہ وہ یتیم ہیں تو وہ عورتیں انہیں لینے سے انکار کر دیتیں واللہ! میرے ساتھ والی تمام ہی عورتوں نے اپنے دودھ پلانے کے لئے کسی نہ کسی بچہ کو لے لیا لیکن مجھے ان کے علاوہ کوئی دوسرا بچہ نہ مل سکا، لہٰذا میں نے اپنے شوہر سے کہا: میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خالی ہاتھ لوٹنے کو اچھا نہیں سمجھتی، پس تم میرے ساتھ چلو تا کہ اس یتیم بچے کو ہی لے چلتے ہیں، جب میں کاشانہ اقدس پر حاضر ہوئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفید اُونی کپڑے میں لپیٹے ہوئے ہیں جو دودھ کی طرح سفید تھا اور ان کے دہن اقدس سے مشک کی خوشبو

پھیل رہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے سبز ریشمی کپڑا بچھا ہوا تھا جس پر پیٹھ کے بل آرام فرمارہے تھے اور ہلکی ہلکی آواز میں خراٹے لے رہے تھے، ان کے حسین وجمیل پیکر کو دیکھ کر مجھے اچھا نہیں لگا کہ انہیں بیدار کروں لہٰذا میں نے قریب ہو کر ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے اٹھ گئے اور آنکھیں کھول کر مجھے دیکھنے لگے ان کی آنکھوں سے ایسا نور نکلا جو آسمان کی گہرائیوں میں جا کر گم ہو گیا یہ منظر دیکھتی رہ گئی پھر میں نے ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور اپنی داہنی پستان ان کے سامنے پیش کر دی تو جتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا دودھ پیا پھر میں نے اپنی بائیں پستان پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا اور بعد میں بھی ہمیشہ اس سے اعراض ہی کرتے رہے۔

اہل علم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا تھا کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور بھی شریک ہے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عدل کرنے کا الہام فرمایا۔

(عیون الاثر، ج:۱،ص:۹۴، الروض الانف، ج:۲،ص:۱۶۶)

پس حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا:

پی کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بھائی سیر ہو گئے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا اور اپنی سواری کے پاس آئی اور میرے شوہر نے اونٹنی کو کھڑا کیا تو دیکھا کہ وہ دودھ سے لبریز ہے، میرے شوہر نے اس کا دودھ نکالا اور میں اور میرا شوہر اسے پی کر سیراب ہو گئے، باقی بچ جانے والے دودھ کو رات کے لئے رکھ دیا، میرے شوہر نے مجھ سے کہا: اے حلیمہ! اللہ کی قسم! میں دیکھتا ہوں کہ تو نے بڑا ہی بابرکت بچہ لیا ہے، کیا تم نہیں دیکھتیں جب سے ہم نے اسے لیا ہے کس طرح ہماری راتیں خیر و برکت سے گزر رہی ہیں تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ اس میں اضافہ ہی کرتا رہا۔

(عیون الاثر، ج:۱،ص:۹۵، الروض الانف، ج:۲،ص:۱۴۶)

سلطانِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی گود میں

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

پھر لوگوں نے ایک دوسرے کو رخصت کیا اور میں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سے رخصت حاصل کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لے لیا تو میری سواری خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہوئی اور اس نے اسے تین مرتبہ سجدہ کیا اور اپنے سر کو آسمان کی طرف بلند کیا پھر وہ اونٹنی چلی تو میرے ساتھ والی دیگر اونٹنیوں سے بھی آگے نکل گئی، لوگ مجھ پر تعجب کرنے لگے تو جو عورتیں مجھ سے پیچھے رہ گئیں وہ پکاریں: اے ابو ذوئیب کی بیٹی! کیا یہ وہی سواری ہے جس پر تو پہلے سوار ہو کر ہمارے ساتھ آئی تھی، جو کبھی تجھے نیچے پٹخ دیتی تھی اور کبھی اٹھا کر چلتی تھی تو میں نے ان عورتوں سے کہا: اللہ کی قسم! یہ وہی سواری ہے پس وہ اس پر تعجب کرتے ہوئے بولیں: آج تو اس کے نرالے انداز ہیں۔ (الروض الانف، ج:۲، ص:۱۴۷)

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

میں نے سنا میری اونٹنی بول رہی تھی، بیشک میری عجب شان ہے، بڑی شان ہے اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے مجھے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا اور ناتوانی کے بعد مجھے طاقت وقوت بخشی، اے بنی سعد کی عورتو! تم پر افسوس ہے، بیشک تم غفلت میں ہو میری پشت پر خیر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کہ سیّد المرسلین افضل الاولین والاخرین، اور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

سوئی قسمت جاگ اٹھی

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں مزید ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

پھر ہم بنی سعد میں اپنے گھروں میں پہنچ گئے اور اس وقت تک زمین خدا میں ہمارا

علاقہ سب سے زیادہ قحط زدہ تھا لیکن میری بکریاں جب چر کر لوٹتیں تو دودھ سے بھری ہوتیں اور ہم ان کا دودھ دوہتے اور پی کر سیراب ہو جاتے جبکہ دیگر گھروں کی بکریوں میں کسی کے گھر دودھ نہیں دوہا جاتا تھا اور نہ ہی وہ اپنی بکریوں کے تھنوں میں اتنا دودھ پاتے تھے حتیٰ کہ لوگ ہماری بکریاں چرانے والے چرواہے سے آ کر کہتے تھے کہ ان کی بکریاں بھی وہیں چرایا کرو جہاں ابوذویب کی بکریاں چراتے ہو لیکن ان کی بکریاں پھر بھی اس حال میں واپس آتیں کہ ان کے تھنوں میں ایک قطرہ دودھ تک نہ ہوتا البتہ میری بکریاں سرِشام دودھ سے لبریز آتیں، اس خداداد برکت کی وجہ سے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے مویشیوں میں روز افزوں اضافہ ہی ہوتا رہا اور خود حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی قدر و منزلت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے دوبالا ہوگئی اور اسی طرح خیر و برکت کی بارشیں ہوتی رہیں۔

(البدایۃ لابن کثیر: ۳، ص: ۴۱۰، الروض الانف، ج: ۲، ص: ۱۴۸)

لقد بلغت بالهاشمي حليمة مقامًا　　علا في ذروة العز والمجد

وزادت مواشيها واخصب ربعها　　وقد عم هذا السعد كل بني سعد

ترجمہ: حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اس ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے عزت و عظمت کی بلندیوں پر فائز ہوگئیں، ان کے مویشی بڑھتے گئے اور ان کی زمین سرسبز ہوتی گئی اور یہ نعمتیں بنی سعد کے لئے بھی عام ہوگئیں۔

حضرت ابو عبداللہ محمد بن معلیٰ ازدی کی "کتاب الترقیص" میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے وہ اشعار بھی مذکور ہیں، جنہیں وہ لوری دیتے وقت گنگنایا کرتی تھیں:

يا رب اذا اعطيته فأبقه　　واعله الى العلا وأرقه

وادحض أباطيل العدا بحقه　　وزدت أنا بحقه بحقه

ترجمہ: اے رب! جب تو نے مجھے یہ بچہ عطا کر دیا ہے تو اسے سلامتی اور

بزرگی و کرامت کی بلندیاں عطا فرما اور دشمنوں کے باطل عزائم کو اس کی برکت سے خاک میں ملا دے اور مجھے اس کے توسل سے، اس کے توسل سے، اس کے توسل سے مزید نعمتیں عطا فرما۔

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے نیز خطیب اور ابن عساکر نے اپنی "تاریخ" میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخلہ کی دعوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ان نشانیوں سے ملی جو میں نے دیکھیں، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھولے میں چاند سے سرگوشی کرتے ہوئے دیکھا اور یہ دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرف انگلی اٹھاتے، وہ اسی طرف جھک جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اس سے باتیں کرتا اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھے رونے سے روکتا تھا اور میں اس کے عرش کے نیچے سجدہ کرنے کی آواز سنا کرتا تھا۔

(البدایۃ لابن کثیر: ۲/۳۹۰' دلائل النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴' تاریخ دمشق' جلد ۴ صفحہ ۳۵۹' ۳۶۰)

فتح الباری میں "سیرت واقدی" سے منقول ہے:

یہ کیفیت پیدائش کے بعد ابتدائی زمانے کی ہے۔

(المواہب اللدنیۃ، ج:۱، ص: ۱۵۵' فتح الباری' جلد ۶ صفحہ ۴۸۰' خصائص الکبریٰ' جلد ۱ صفحہ ۹۱)

امام ابن سبع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "خصائص" میں لکھا ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھولا فرشتے ہلایا کرتے تھے۔

(المواہب اللدنیۃ، ج:۱، ص: ۱۵۵)

امام بیہقی اور امام ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میرا دودھ پینا چھوڑا تو سب سے پہلا کلام یہ فرمایا:

اللہ اکبر کبیرًا والحمد للہ کثیرًا وسبحان اللہ بکرۃً واصیلاً۔

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بڑے ہوئے تو بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھیلنے سے اجتناب فرماتے۔

(المواہب اللدنیۃ، ج:۱،ص:۱۵۵' دلائل النبوۃ: جلد۱ص ۱۳۹' تاریخ دمشق: جلد۳صفحہ۴۷)

بادل خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سایہ فگن

امام بن سعد، امام ابونعیم اور عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دور نہیں جانے دیتی تھیں لیکن ایک مرتبہ وہ ذرا مشغول ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بہن حضرت شیما کے ہمراہ بکری کے بچوں کی طرف چلے گئے پس حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا انہیں تلاش کرنے لگیں حتیٰ کہ انہیں اپنی بہن کے ساتھ پایا تو ایسی گرمی میں؟ تو ان کی بہن عرض کرنے لگیں: اے میری ماں! میرے بھائی کو گرمی نہیں لگی کیونکہ میں نے ایک بادل کا ٹکڑا دیکھا، جو برابر ان پر سایہ کناں رہا، جب یہ ٹھہرتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا اور جب یہ چلتے تو وہ بھی چلنے لگتا، اسی طرح کرتے کرتے ہم یہاں تک آئے ہیں۔

(عیون الاثر لابن سید الناس، ج:۱،ص:۹٦' تاریخ دمشق: جلد۴صفحہ۳٦۰' طبقات ابن سعد: جلد۱صفحہ۱۵۲)

سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۂ ماجدہ کے پاس واپسی

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

جب میں نے انہیں دودھ چھڑایا تو انہیں لے کر ان کی والدہ ماجدہ کے پاس حاضر ہوئی لیکن ہم انہیں اپنے پاس رکھنے کے لئے زیادہ بے تاب تھے کیونکہ ہم نے ان کی برکات کو دیکھ لیا تھا، تو ہم نے ان کی والدہ سے درخواست کی اگر آپ انہیں کچھ عرصے

کے لئے مزید ہمارے پاس ہی رہنے دیں تا کہ یہ کچھ مزید صحت مند و توانا ہو جائیں اور پھر ہمیں ان پر مکہ مکرمہ میں پھیلی ہوئی وباء کا بھی خوف لاحق ہے تو ہم برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ وہ رضامند ہو گئیں اور انہیں ہمارے ساتھ واپس لوٹا دیا۔

(الروض الانف، ج:۲، ص:۱۴۷)

پس اللہ کی قسم! ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس لائے دو یا تین مہینے ہی ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی بھائی گھر کے عقب سے بھاگتا ہوا، سہا ہوا ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا: میرے قریشی بھائی کے پاس دو سفید لباس والے شخص آئے اور انہوں نے اسے پکڑ کر لٹایا اور اس کے پیٹ کو چاک کر دیا ہے پس میں اور اس کے والد اس طرف دوڑتے ہوئے گئے تو ہم نے انہیں کھڑے ہوئے دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ متغیر تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سینے سے لگا لیا اور پوچھنے لگے: اے میرے بیٹے! کیا ماجرا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس دو سفید لباس والے افراد آئے اور انہوں نے مجھے لٹایا اور میرے پیٹ کو چاک کیا پھر اس میں سے کچھ شئے نکالی اور پھینک دی اور میرے پیٹ کو ایسے ہی کر دیا جیسا کہ پہلے تھا پھر ہم ان کو لے کر گھر لوٹ آئے۔

تو ان کے والد کہنے لگے: اے حلیمہ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے بیٹے کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے، لہٰذا تم میرے ساتھ چلو ہم انہیں کسی مصیبت کے ظاہر ہونے سے قبل ہی ان کے گھر والوں تک پہنچا دیتے ہیں، حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم انہیں اپنے ساتھ لئے ان کی والدہ ماجدہ کے پاس آئے تو وہ فرمانے لگیں: تم لوگ تو انہیں لے جانے کے لئے بڑے بے تاب و مشتاق تھے، اب کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کی: ہمیں ان کے بارے میں ضائع ہو جانے، یا تکلیف پہنچ جانے کا اندیشہ ہے تو وہ فرمانے لگیں: سچ بتاؤ کیا معاملہ ہے ہم نے ساری کہانی ان کے گوش گذار کر دی تو وہ سن کر فرمانے لگیں: کیا تمہیں ان پر شیطان کی اثر اندازی کا خوف ہے؟ اللہ کی قسم! شیطان کو

ان پر کوئی راہ نہیں اور بیشک میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی تو تم انہیں میرے پاس ہی رہنے دو۔ (البدایہ لابن کثیر:۳،ص:۴۱۱،الروض الانف،ج:۲،ص:۱۴۸)

شق صدر کا واقعہ دوسری مرتبہ اس وقت پیش آیا، جب حضرت جبریل علیہ السلام غار حرا میں وحی لے کر حاضر ہوئے اور پھر معراج کی رات۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا وصال پر ملال

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۴ سال ہوئی، بعض نے کہا: ۵ سال، بعض نے کہا: ۶، بعض نے ۷، بعض نے ۹ اور بعض نے ۱۲ سال ایک مہینہ دس دن بیان کی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے مقام ''ابواء'' میں انتقال فرمایا، یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے جبکہ بعض دیگر نے ''حجون'' میں شعب ابی طالب میں انتقال لکھا ہے اور ''قاموس'' میں مذکور ہے کہ مکہ مکرمہ میں ''دارالنابغہ'' میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا مدفن ہے۔

امام ابن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور زہری و عاصم بن عمرو بن قتادہ رضی اللہ عنہم کے طریق سے روایت کیا ہے اور یہ جملہ مرویات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۶ سال کے ہوئے تو اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال بنی عدی بن نجار سے ملنے کے لئے مدینہ منورہ شریف لے گئے اور اس سفر میں حضرت اُم ایمن بھی ان کے ہمراہ تھیں پس ''دارالنابغہ'' میں ایک مہینے تک قیام فرمایا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے کی اکثر باتیں یاد کیا کرتے تھے، ایک گھر کی طرف دیکھ کر اشارہ فرمایا: میری والدہ یہاں مجھے لائی تھیں اور میں ''بنی عدی بن نجار'' کے کنویں میں بہترین تیرنے والا تھا اور وہاں کی یہودی قوم مجھے آکر دیکھا کرتی تھی، حضرت اُم ایمن نے کہا: میں نے ان میں سے ایک کو کہتے ہوئے سنا کہ یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ اس کے ہجرت کی جگہ ہے پس میں نے ان تمام کی باتیں اپنے ذہن میں محفوظ کرلیں پھر یہ اپنی والدہ کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس لوٹے، تو جب مقام ''ابوا'' میں

پہنچے، تو ان کی والدہ کا وصال ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۹۵)

حضرت حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر جزم و یقین کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جنتی ہیں، لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں۔ اور میں نے اس مسئلہ کی تفصیل میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

(معذرت کے ساتھ جمہور اس مسئلہ میں امام سیوطی کے نہیں بلکہ خود ملا علی قاری کے اس مؤقف کے خلاف ہیں، البتہ یہ بات واضح ہے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مؤقف سے رجوع کر لیا تھا اور ایمان والدین کریمین کے قائل ہو گئے تھے، تفصیل ماقبل گزر چکی۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے وصال کے بعد حضرت اُمِّ ایمن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ و خدمت گار مقرر ہوئیں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرماتے تھے:

أنت امی بعد امی ترجمہ: ''آپ میری والدہ کے بعد ان کی جگہ ہیں۔''

(مواہب اللدنیہ، المقصد الاول، ج: ۱، ص: ۹۷، دار الکتب العلمیہ)

حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا وصال

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۸ سال، بعض نے کہا: ۹ سال، بعض نے کہا: ۱۰ سال، بعض نے کہا: ۶ سال کی ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کرتے تھے، ان کا بھی وصال ہو گیا اور ان کی عمر ۱۱۰ سال تھی اور بعض نے بیان کیا ۱۴۰ سال تھی، تو ان کے وصال کے بعد حضرت ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی ذمہ داری سنبھال لی اور ان کا نام ''عبد مناف'' تھا۔

ملک شام کا سفر

حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کرنے

کی وصیت کی تھی کیونکہ آپ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے پس جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۱۲ سال کی ہوئی تو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر پر تشریف لے گئے حتیٰ کہ جب بصریٰ کے مقام پر پہنچے تو بحیرہ راہب نے انہیں دیکھا، ان کا نام ''جرجیس'' تھا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا: یہ کائنات کے سردار ہیں، یہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے مبعوث فرمایا ہے تو اس سے دریافت کیا گیا کہ بھلا تمہیں کیسے پتہ چلا تو وہ کہنے لگا: جب تم لوگ اس گھاٹی سے اس طرف آ رہے تھے تو کوئی درخت و پتھر ایسا نہ تھا جو سجدہ ریز نہ ہوا ہو اور یہ صرف نبی کو ہی سجدہ کیا کرتے ہیں اور میں نے انہیں مہر نبوت سے بھی پہچان لیا ہے جو سیب کی طرح ان کے شانوں کے درمیان ہے، پس بیشک ہم ان کا تذکرہ اپنی آسمانی کتابوں میں بھی پاتے ہیں، اس نے ابو طالب سے کہا: انہیں واپس لے جائیں کیونکہ وہ یہودیوں سے خوف زدہ ہے۔

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وہاں تشریف لے گئے تو ایک بادل کا ٹکڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کناں تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ المصنف ۳۶۵۴۱)

اللہ تعالیٰ جل جلالہ اس قائل کو جزائے خیر دے:

ان قالوا (قال) يومًا ظللته غمامة

هى فى الحقيقة تحت الظل القائل

ترجمہ: کہنے والے نے کہا: بادل ان پر سایہ کناں تھا لیکن دراصل وہ بادل خود ان کے زیر سایہ تھا۔

امام بن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے اور ان کی عمر اس وقت ۱۸ سال تھی جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت بیس سال تھی اور یہ حضرات شام میں تجارت کے لئے جا رہے تھے تو اثنائے سفر ایک بیری کے درخت کے قریب اترے اور اس کے سائے میں بیٹھ گئے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بحیرہ راہب کے پاس چلے گئے تا کہ اس سے کچھ معلومات حاصل کریں، تو اس راہب نے ان سے پوچھا: وہ شخص جو اس درخت کے سائے میں بیٹھا ہے، کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تو راہب نے کہا: اللہ کی قسم! یہ نبی ہے کیونکہ اس درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی بیٹھنا تھا، یہ بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں جاگزیں ہوگئی لہٰذا جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان نبوت کا حکم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی پیروی اختیار کر لی۔ (المواہب اللدنیہ، ج:۱، ص:۱۸۹)

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے:

اگر یہ واقعہ درست ہے تو یہ حضرت ابو طالب کے سفر کے علاوہ کوئی دوسرا سفر تھا۔ (الاصابہ جلد ا صفحہ ۳۵۳) پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے لئے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد کا غلام میسرہ بھی تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مال تجارت لے کر گئے جب بصریٰ کے بازار میں پہنچے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال تھی، پس ایک درخت کے نیچے آرام فرما ہوئے تو نسطور راہب نے کہا: اس درخت کے سائے میں نبی کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں بیٹھا، جبکہ ایک روایت میں ہے، اس نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نہیں بیٹھا۔

میسرہ غلام نے راستے بھر دیکھا کہ دو فرشتے سورج کی گرمی سے بچانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کناں تھے پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر ڈھلے مکہ مکرمہ لوٹے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس وقت اپنے گھر کے بالا خانہ پر تھیں تو

انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کیا ہوا ہے۔ اسے امام ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔ (المواہب اللدنیۃ، ج:۱،ص:۱۹۰، ابو نعیم، دلائل النبوۃ، صفحہ ۹۹ رقم الحدیث: ۱۱۰)

اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی

اس واقعے کے دو مہینے اور پچیس دن بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور یہ اس زمانے میں ''طاہرہ'' کے لقب سے یاد کی جاتی تھیں، یہ پہلے ابو ہالہ بن زرارہ کے عقد میں تھیں اور ان سے ہند اور ہالہ نامی لڑکے پیدا ہوئے پھر آپ نے عتیق بن عائذ مخزومی سے شادی کر لی اور اس سے ہندہ نامی لڑکی پیدا ہوئی، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی اور انہوں نے خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے لئے پیغام بھیجا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچاؤں سے اس پیغام کا تذکرہ کیا، تو حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ انہیں اپنے ساتھ لئے ہوئے خویلد بن اسد کے یہاں گئے، خطبہ نکاح پڑھا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کرادی۔

بیس ۲۰ گائیں حق مہر مقرر ہوا، اس تقریب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر سرداران قبیلہ مضر شریک ہوئے، پس جناب ابو طالب نے خطبہ نکاح بایں الفاظ پڑھا:

میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی تعریف بیان کرتا ہوں جس نے ہمیں اولادِ ابراہیم اور پشت اسماعیل سے، مَعَدّ کے قبیلہ اور مضر کی شاخ سے کیا، ہمیں اپنے گھر کا محافظ اور اپنے حرم کا خادم بنایا، ہمیں ایسا گھر دیا، جہاں حج ہوتا ہے اور حرم دیا جو امن و سلامتی والا ہے اور ہمیں لوگوں پر سرداری عطا کی، پھر بیشک میرے اس بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بڑی شان ہے کوئی بھی شخص اس کا ہم پلہ نہیں تو یہ اگرچہ مالدار نہیں لیکن مال تو ایک سایہ ہے اور زائل و ختم ہونے والی شیء ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ

داری کو تم لوگ جانتے ہی ہو، انہوں نے خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کیا ہے اور انہوں نے مرے مال سے کچھ حق مہر ادا کر دیا ہے اور کچھ مؤجل ہے، پس اللہ کی قسم! ان کے لئے خبر عظیم اور مرتبہ جلیل ہے۔ اس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ہوگئی۔

خانہ کعبہ کی تعمیر میں شرکت

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ سال ہوئی تو قریش کو سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ کی عمارت کے گرنے کا اندیشہ لاحق ہوا تو انہوں نے سعد بن عاص کے غلام ''اقوم'' کو کہا کہ کعبہ معظمہ کی تعمیر کر دے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس تعمیر میں شریک ہو گئے اور ان کے ساتھ مل کر پتھر وغیرہ اٹھا کر لاتے رہے، لوگ چادریں اپنے کندھوں پر ڈال کر اس میں پتھر اٹھانے لگے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر گر پڑے، تو فوراً آواز آئی اپنے ستر کی حفاظت کرو اور یہ پہلی ندائے غیبی تھی تو جناب ابو طالب یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے بھتیجے! چادر کو سر پر لپیٹ لو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں ہرگز نہیں، مجھے برہنہ ہونے سے تکلیف ہوتی ہے۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۱ صفحہ ۱۴۵)

اعلانِ نبوت

پھر جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۴۰ سال دو مہینے ہوئی، تو پیر کے دن ۱۷ رمضان کو، بعض نے کہا: ۹ رمضان کو، بعض نے کہا: ۲۹ رمضان کو، جبکہ ابن عبد البر نے کہا: پیر کے دن ۸ ربیع الاول کو واقعہ فیل کے ۴۱ سال بعد اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃٌ للعالمین اور تمام مخلوقات کے لئے رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: جلد ۱ صفحہ ۱۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تفسیر آیت قرآن دَر آمد سرورِ ذی شان صلی اللہ علیہ وسلم

امام ابن جریر اور ابن منذر و دیگر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمان باری

تعالیٰ جل جلالہٗ (لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ)(التوبہ:۱۲۸) کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے انہیں تم ہی میں سے نبوت و کرامت عطا کر کے عزت بخشی ہے پس تم اس پر حسد نہ کرو۔ (تفسیر طبری، جلد۱۲صفحہ۹۹-۹۷)

(عَـزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ)(التوبہ:۱۲۸) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گمراہوں کو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی طرف سے ہدایت دیئے جانے کے لئے متمنی ہیں۔

امام ابن ابی حاتم اور امام ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمان باری تعالیٰ جل جلالہٗ (عَـزِيْـزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ) کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جو چیزیں تمہیں مشقت میں ڈالتی ہیں وہ بھی ان پر گراں ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم و در منثور)

(حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ)(التوبہ:۱۲۸) یعنی یہ تمہارے کفار کے لئے بھی تمنا کرتے ہیں کہ وہ بھی ایمان لائیں تو (عَـزِيْـزٌ عَـلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ) کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا مشکلات میں مبتلا ہونا، ان پر گراں گزرتا ہے، اس لئے ان کی برکت سے خطا و نسیان اور اِکراہ کے معاملات میں تم سے مؤاخذہ نہیں ہوگا اور تم سے پہلی امتوں پر جو سختیاں اور بوجھ ڈالے گئے تھے، وہ تم پر سے اٹھا لئے گئے ہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت آسان ملت، پسندیدہ راستہ اور نورانی دین لے کر تشریف لائے ہیں۔

اور یہ بھی احتمال ممکن ہے کہ "عَـزِيْـزٌ" کا حصہ ماقبل سے الگ ہو اسے متصل ہو تو ایسی صورت میں رسول کی صفت بنے گا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وجود میں یکتا اور کامل سخاوت والے حسین و جمیل بلکہ عدیم المثل ہیں، یا مطلب ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں نہایت عزیز و مکرم ہیں تو ان کی تعظیم و تکریم کرو، ان کی امداد کرو اور ان کی عظمت کے گن گاؤ۔ (المحرر الوجیز: جلد۵صفحہ۱۲۹)

اور فرمان باری تعالیٰ (لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ)(الفتح:۹) کے بارے میں جو قرأت شاذ دوزاؤں سے مروی ہے، تو یہ بھی اسی معنی کی تائید کر رہی ہے۔

یا پھر اس آیت کا مطلب یوں ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمام انبیاء کرام

پر غالب ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں یا پھر معنی یوں ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین متین تمام ادیان پر غالب اور زمان ومکان کو شامل ہے، یا پھر معنی یوں ہوگا، جیسے وہ اپنے محبت کرنے والوں پر مہربان ہیں، ویسے ہی وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والے ہیں۔

تو اب (مَا عَنِتُّمْ) کا مطلب ہوگا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری تکلیف کو بھی اپنی تکلیف ہی خیال فرماتے ہیں اور تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر گراں گزرتا ہے، کیونکہ وہ تو "رحمۃٌ للعالمین" ہیں اور مؤمنین کے لئے سراپا رحمت ومحبت ہیں۔

(حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ) کا مطلب ہوگا، وہ تمہارے ایمان لانے، تمہارے ثابت قدم رہنے اور احسان فرمانے کے بہت متمنی رہتے ہیں۔

(بِالْمُؤْمِنِیْنَ) اس سے مراد خاص طور پر اہل ایمان ہیں "رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ o" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انتہائی درجے کی محبت وشفقت اور اعلیٰ درجے کی لطف ورحمت فرمانے والے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جبریل میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے عرض کرنے لگے: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب جل جلالہٗ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے اور یہ پہاڑوں فرشتہ ہے، اسے اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ یہ وہی کچھ کرے جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے حکم ارشاد فرمائیں، اگر آپ چاہیں تو اِن پر پہاڑ گرا دیا جائے اور اگر چاہیں تو اِن پر پتھر برسائے جائیں اور اگر چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے پہاڑوں کے فرشتے! میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کافروں کی پشت

سے ایسے افراد پیدا کرے گا، جو کہیں گے "لا الــه الا الله" تو اس فرشتے نے عرض کی: جیسا اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام "رؤف رحیم" رکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ویسے ہی ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: جلد ۶ صفحہ 1918)

امام ابن مردویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو صالح حنفی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بیشک اللہ تعالیٰ "رحیم" ہے اور وہ اپنی رحمت کو صرف رحیم ہی کو عطا فرماتا ہے تو ہم نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے ہر ایک اپنے مال و اولاد کے لئے رحم کرنے والا ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسا نہیں ہے لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

(لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○) (التوبۃ: ۱۲۸)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان۔ (تفسیر درمنثور، جلد ۳ صفحہ ۲۹۳، تفسیر طبری جلد ۱۲، صفحہ ۱۰۱)

تو حدیث شریف میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس رحمت سے عمومی و خصوصی ہر طرح کی رحمت مراد ہے۔

صحیح حدیث میں ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے اس وقت تک کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۳، مسلم: ۴۵)

اور صحیح حدیث میں یہ فرمان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مروی ہے:

رحم کرنے والوں پر رحمٰن جل جلالہ بھی رحم فرماتا ہے، تم اہل زمین پر رحم کرو آسمان تم

پر رحم فرمائے گا۔ (جامع ترمذی: رقم الحدیث ۱۹۲۴)

(فَاِنْ تَوَلَّوْا) کا مطلب، پس اگر وہ تم سے منہ موڑیں یعنی کافر تم پر ایمان لانے سے منہ موڑیں، یا پھر ساری کی ساری مخلوق ہی تمہاری اطاعت و اتباع سے رُوگردانی کرے۔

(فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ز ق صلے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے یعنی تمام اُمور میں مجھے میرے رب جل جلالہٗ کی حمایت ہی کافی ہے۔

(لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط) یعنی اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، لہٰذا صرف اسی کی عبادت کرو۔

(عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ) اسی پر میرا اعتماد و بھروسہ ہے۔

(وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝) اس میں "الْعَظِيْمِ" کا لفظ مجرور ہونے کی صورت میں "عرش" کی صفت ہے اور بعض قرأتوں میں اسے ضمہ کے ساتھ "الْعَظِيْمُ" بھی پڑھا گیا ہے، تو اس صورت میں "رب" کی صفت ہوگا، تو معنی یوں ہوگا کہ وہ ذات بہت عظیم ہے اس نے اپنی قدرت سے تمام مخلوقات کا احاطہ فرمایا ہوا ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ سات زمینیں "آسمان دنیا" کے پہلو میں ایسی حیثیت رکھتی ہیں، جیسا کہ کسی بہت بڑے میدان میں ایک گڑھا، اسی طرح بقیہ آسمانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ ہے پھر تمام آسمانوں و زمینوں کی حیثیت عرش کے پہلو میں ایسی ہی ہے جیسا کہ بہت بڑے میدان میں ایک گڑھا تو ایسی عظیم وسعت کے باوجود حدیث قدسی میں فرمان باری تعالیٰ جل جلالہٗ ہے:

لا یسعنی (ما وسعنی) ارضی ولا سمائی ولکن وسعنی قلب عبدی المؤمن .

(الدر المنتشرة للسیوطی، ص: ۲۱۷، رقم: ۳۶۱، المقاصد الحسنه، ص: ۴۲۹، رقم: ۹۸۸، کشف الخفاء، ج: ۲، ص: ۱۹۵، رقم:

۲۲۵۶، تنزیہ الشریعہ، ج: ۱، ص: ۱۴۸)

ترجمہ: زمین وآسمان میں میرے سمانے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ اپنے بندۂ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔

امام ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور امام ابن السنی رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کی ہے:

جس نے صبح شام (حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ) کہا تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ اسے دنیا وآخرت کے غموں سے نجات عطا کرے گا۔ (سنن ابی داؤد: رقم الحدیث ۵۰۸۱)

امام ابن ابی شیبہ و دیگر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے آخری یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی (لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ)

(مسند احمد، جلد ۵ صفحہ ۱۱۷)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

یہ قرآن پاک میں سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے تو اس پر معاملہ کو ختم فرما دیا گیا اور جس سے ابتداء ہوئی وہ یہ ہے: لا الٰہ الا اللہ یعنی فرمان باری تعالیٰ (وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ؁) (الانبیاء: ۲۵) ترجمہ: اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو مجھ ہی کو پوجو۔

(ابن الضریس، فضائل القرآن صفحہ ۲۷)

پس ہم بھی اسی کلام پر اپنی گفتگو کا اختتام کرتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے حضور نبی کریم، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے کلام مبین کے نزول کا اختتام فرمایا،

اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ ہمارا خاتمہ اچھا فرمائے اور ہمیں بلند مقام تک پہنچائے اور اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ اپنے فضل و توفیق سے ہمیں ان نفوس قدسیہ کی رفاقت نصیب فرمائے، جن کے بارے میں اس کا فرمان ہے: (اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ۝) (النساء:۶۹) ترجمہ: اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ تمام تعریفیں، اول و آخر، ظاہر و باطن اور ماضی و حال میں اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ ہی کے لئے ہیں اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب پر درود و سلام نازل ہوں۔

نوٹ: اس کتاب کی گنتی کے چند مقامات پر تخریج مترجم صاحب نے کی ہوئی تھی؛ مکمل کتاب کی تخریج بندۂ ناچیز نے کر دی ہے۔ (سیالوی)

فُصُولُ الْمُهِمَّةِ فِي حُصُولِ الْمُتِمَّةِ

بنام ترجمہ

نمازیں ضائع مت کیجئے

تالیف

امام علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۰۱۴ھ)

مترجم

علامہ ابوالحارث حافظ عبدالرحمٰن المدنی

ناشر
اکبر بُک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ!

تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لئے ہیں جس نے نماز کے قیام اور اس پر ہمیشگی مقرر کرکے دین کی حفاظت فرمائی، نماز کی حفاظت کرنے اور اس کی شرائط، ارکان اور واجبات کو جملہ حقوق کے ساتھ بجالانے کا حکم دیا، اسے سنتوں اور مستحبات کے ساتھ عمدہ طریقے سے ادا کرنے پر ثواب کا وعدہ فرمایا، مفسدات، محرمات اور مکروہات کا ارتکاب کرکے اس میں کوتاہی کرنے سے ڈرایا اور درود وسلام ہو اس ہستی پر کہ تمام احوال میں جن کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے حتیٰ کہ فرمایا کرتے: یا بلال! ارحنا یعنی "اے بلال! ہمیں راحت پہنچاؤ!" یعنی: دیگر مشاغل سے دور کرکے ہمیں نماز کے ذریعے راحت پہنچاؤ کیونکہ نماز مومن کی معراج ہے، اس کے ذریعے بندہ اللہ عزوجل سے مناجات کرتا ہے تو وہ شخص کتنا سعادت مند ہے جو اسے جملہ حقوق کے ساتھ ادا کرے اور وہ شخص کتنا بدبخت ہے جو اس سے غفلت برتے اور اللہ عزوجل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل واصحاب، آپ کے پیروکاروں، آپ سے محبت کرنے والوں، اہل معرفت اور رکوع وسجود درست طریقے سے ادا کرنے والوں سے راضی ہو۔

کتاب لکھنے کا سبب

حمد وصلوٰۃ کے بعد اپنے رب کے کرم کا محتاج علی بن سلطان محمد القاری کہتا ہے:

جب میں نے عوام بلکہ اکثر علماء اور فضلاء حتیٰ کہ مشائخ ہونے کے دعوے دار حضرات جو خود کو اولیاء اور اصفیاء گمان کرتے ہیں، کو دیکھا کہ وہ نماز جیسی عبادت کے معاملے میں کوتاہی برتتے ہیں بالخصوص دو ارکان رکوع وسجود اور ان کے توابع یعنی: قومہ، جلسہ اور

قعدہ میں کوتاہی کرتے ہیں حالانکہ نماز کو پورے طور پر ادا کرنا واجب اور لازم ہے اور یہ کوتاہی خلوت وجلوت میں، نیز تمام اوقات میں عام ہوگئی اور عقلمندوں اور بے عقلوں کی عبادت عادت کی طرح ہوگئی، عوام خواص کی اقتداء کرنے لگے اور انہوں نے اپنی انتہائی جہالت کے سبب یہ نہیں جانا کہ اس زمانے کے (بے عمل) علماء کے افعال کی اقتداء جائز نہیں بلکہ اب فقط ضرورتاً ان کے اقوال سے رہنمائی لے سکتے ہیں اس لئے کہ عالم کے فساد کا دارومدار عالم کے فساد پر ہے اور سوائے چند کے باقی اہل علم راہ حق سے ہٹ گئے اور انہوں نے بہت سوں کو سیدھے راستے سے ہٹا دیا کیونکہ انہوں نے بزرگان دین کی طرح عبادات کے معاملے میں احتیاط کو ترک کر دیا اور آیات میں موجود وعیدوں کے مصداق ہوگئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّاۙ (مریم:۵۹)

ترجمہ کنزالایمان: ”تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گنوائیں اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے تو عنقریب وہ دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے“۔

اور فرماتا ہے:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ (الفرقان: ۷۰)

ترجمہ کنزالایمان: ”مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا“۔

دین خیر خواہی کا نام ہے

میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنے زمانے والوں کو اس حوالے سے تنبیہ کی جائے کیونکہ دین خیر خواہی کا نام ہے جو کامل ایمان، کمال اخلاص اور پختہ یقین سے پیدا ہوتی ہے اور اس تنبیہ سے مقصود یہ ہے کہ لوگ غفلت کی نیند سے بیدار ہو جائیں اور توبہ کے ابتدائی مقام سے ترقی کرتے ہوئے توبہ کے انتہائی مقام تک پہنچ جائیں، اب میں یہاں وہ چیزیں بیان کروں گا جن کے سبب دنیا و آخرت میں خوشی حاصل ہوگی، غم دور ہوگا اور دائمی نفع حاصل ہوگا، اللہ عزوجل ہمیں بلند مقام اور عمدہ مرتبے تک پہنچائے اور اپنی ملاقات کے لئے ہماری تڑپ میں اضافہ فرمائے۔ چنانچہ میں اللہ عزوجل کی عطا کردہ توفیق اور بھلائی کے ساتھ کہتا ہوں: بے شک اللہ تعالیٰ نے جب بھی اپنی کتاب میں نماز کا ذکر فرمایا تو اسے اقامت اور محافظت وغیرہ کے ساتھ مقید کیا سوائے ایک مقام کے جس میں اللہ عزوجل نے ان نماز قائم کرنے والوں کی مذمت بیان کی ہے جو نماز سے غافل تھے اور اسے اچھے طریقے سے ادا نہیں کرتے تھے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ (الماعون:۴،۵)

ترجمہ کنز الایمان: ”تو ان نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں“۔

یعنی ان لوگوں کے لئے خرابی ہے جو مکمل طور پر نماز چھوڑ بیٹھے ہیں یا اس کے بعض حقوق کی ادائیگی سے غافل ہیں، اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا: فِیْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (جو اپنی نماز میں بھول کرتے ہیں) کیونکہ (لفظ) انسان نسیان سے بنا ہے (پس انسان سے بھول کا سرزد ہو جانا ایک عام چیز ہے) اور پاک تو وہی ذات ہے جو سب سے بلند و برتر ہے جو نہ تو غافل ہوتا ہے اور نہ بھولتا ہے اور جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ”میری امت سے خطاء، بھول اور اکراہ (یعنی، زبردستی کرائے گئے کام) اٹھا لئے

گئے ہیں'' یعنی، ان کا گناہ معاف کر دیا گیا ہے۔'' (جامع المسانید والسنن، حرف الذال، شہر بن حوشب عن ابی ذر، برقم: ۱۲۱۹، ۹/ ۳۱۰) اس پر اشارۃً دلالت کرتا ہے اسی طرح صحیح حدیث بھی اس معنی پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے۔

نماز قائم کرنے کا مطلب

صاحب کشاف، صاحب مدارک، قاضی بیضاوی وغیرہ مفسرین اور علماء معتبرین کے مطابق نماز قائم کرنے سے مراد ہے:

تعدیل ارکانها و حفظها من ان یقع زیغ فی افعالها و شانها

(تفسیر الزمخشری تحت سورۃ البقرہ، تحت الآیہ: ۳، ۱/ ۳۹)

''یعنی، نماز کے ارکان اطمینان سے ادا کیے جائیں اور اس کے افعال و احوال میں کوئی خلل واقع ہونے سے اس کی حفاظت کی جائے''۔

دو سوالات اور ان کے جوابات

سوال: اگر تم کہو کہ نماز قائم کرنے سے مراد تعدیل ارکان ہے تو یہ بات تعدیل ارکان کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے؟

جواب: میں کہتا ہوں جمہور علماء امت کے نزدیک یہ فرض ہی ہے، مگر محققین فقہاء فرماتے ہیں کہ فرض وہ ہوتا ہے جو دلیل قطعی کے ساتھ ثابت ہو اور واجب وہ ہوتا ہے جو دلیل ظنی کے ساتھ ثابت ہو جبکہ اقامت صلاۃ کی تفسیر تو محافظت اور مداومت وغیرہ کے ساتھ بھی کی گئی ہے لہٰذا آیت کی دلالت مذکورہ معنی پر قطعی نہیں ہے۔

سوال: اگر کہا جائے کہ احتمال کی موجودگی میں (فرضیت پر) دلیل پکڑنا درست نہیں ہے؟

جواب: صحیح قول کے مطابق قول کبھی ترجیح پانے کے سبب دلیل بن جاتا ہے، اکثر علماء قول اول پر ہیں اور اسی قول پر بھروسہ کیا گیا ہے اور یہی معنی میں زیادہ ظاہر ہے، مدار

اس پر اکثر ہے اور یہی حقیقت کے زیادہ قریب ہے، اعتماد اس پر زیادہ مناسب ہے بلکہ صاحب کشاف نے کہا کہ نماز قائم کرنے کا حقیقی معنی تعدیل ارکان (یعنی اس کے ارکان اطمینان اور سکون سے ادا کرنا) ہے اور انہوں نے دیگر مجازی معانی کو ضعیف قرار دیا۔

پھر یہ قول احادیث نبویہ سے موید اور ادلہ شرعیہ کی رو سے مضبوط ہے اور ملت اسلام کے اکابرین اور بڑے بڑے آئمہ حنفیہ سے منقول ہے، چنانچہ ہم پہلے وہ چیز ذکر کریں گے جس کا حق پہلے ہے یعنی: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت احادیث، پھر اس کے بعد علماء کی نقل اور فقہاء کی روایت لائیں گے۔

تعدیل ارکان کے متعلق سولہ احادیث مبارکہ

نماز نہیں ہوئی

(۱) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے ، ایک شخص آیا، اس نے نماز پڑھی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا اور ارشاد فرمایا: جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے (درست) نماز نہیں پڑھی، چنانچہ وہ گیا اور اسی طرح نماز پڑھی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا اور ارشاد فرمایا: جاؤ جا کر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی، اس طرح تین مرتبہ ہوا تو اس شخص نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! مجھے ایسی ہی نماز آتی ہے، آپ ہی مجھے سکھا دیجئے ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو پھر اتنا قرآن پڑھو جتنا آسانی سے پڑھ سکو پھر اطمینان سے رکوع کرو، پھر رکوع سے سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر اطمینان سے سجدہ کرو پھر سر اٹھا کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور پوری نماز اسی طرح مکمل کرو۔

(صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراۃ للامام والماموم الخ، ۱/۱۵۲، برقم ۷۵۷)

ہم نے ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' میں حدیث کی شرح تفصیل سے کردی ہے لیکن یہاں ہم مخالف وموافق کے نزدیک مقصود پر دلالت کرنے والی نصوص پر اکتفاء کریں گے۔

شیخ اکمل الدین بابرتی نے ''شرح المشارق'' میں حدیث پاک کے الفاظ ''پھر رکوع سے سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ'' کے تحت فرمایا: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں تعدیل ارکان واجب ہے۔

ان کے کلام میں اس بات پر دلالت ہے کہ قومہ کے اندر اطمینان بھی تعدیل ارکان میں شامل ہے جیسا کہ ''المغرب'' میں اس کی صراحت ہے اور صاحب الاختیار نے اسے اختیار کیا ہے۔

رکوع وسجود پورے طور پر ادا کرو

(۲) حضرت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اتموا الركوع والسجود

(صحیح البخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۸/۱۳۱، برقم ۶۶۴۴)

''یعنی رکوع اور سجود پورے طور پر ادا کیا کرو۔

اور رکوع اور سجود کی پورے طور پر ادائیگی صرف اطمینان کے ساتھ ہوتی ہے لہٰذا یہ حدیث پاک نماز میں اطمینان کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

کفر کا خوف

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں رکوع مکمل طور پر ادا نہیں کر رہا تھا اور سجدے میں ٹھونگیں مار رہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا تو یہ محمد کی ملت کے علاوہ پر مرے گا۔

(المعجم الکبیر ۴/۱۱۵، برقم ۳۸۴۰)

یہ سخت ڈرانا اور یقینی وعید ہے اس کے سبب برے خاتمے کا اندیشہ ہے۔ ہم اللہ عزو جل سے آتش دوزخ میں جانے سے عافیت طلب کرتے ہیں۔

کفر پر موت

(۴) حضرت سیّدنا زید بن وہب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: حضرت سیّدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ رکوع وسجود پورے طور پر ادا نہیں کر رہا تو ارشاد فرمایا: تم نے (درست) نماز نہیں پڑھی، اگر تم (اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے) مر گئے تو سنت کے علاوہ پر مرو گے۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلوۃ، باب اذالم یتم السجود، ۱/ ۸۷، برقم ۳۸۹)

(۵) ایک روایت میں ہے: اگر تم (اسی حالت میں) مر گئے تو فطرت (یعنی دین اسلام) کے علاوہ پر مرو گے جس پر اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا ہے۔
(صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب اذالم یتم الرکوع، ۱/ ۱۵۸، برقم ۷۹۱)

نماز کا چور

(۶) حضرت سیّدنا نعمان بن مرہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے استفسار فرمایا: شرابی، زانی اور چور کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ (ان تینوں کے متعلق آپ کا یہ سوال حدود کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھا) صحابہ کرام نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ بڑے سخت گناہ ہیں اور ان پر سزا ہے اور سب سے بدتر چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے، صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! آدمی نماز میں چوری کیسے کرتا ہے؟ ارشاد فرمایا: وہ اس کے رکوع اور سجود مکمل طور پر ادا نہیں کرتا۔ (مؤطا امام مالک، کتاب قصر الصلوۃ فی السفر، باب العمل فی جامع الصلوۃ ۱/ ۱۶۴، برقم ۴۱)

کوے کی طرح ٹھونگے مارنا

(۷) حضرت سیّدنا عبد الرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے کوے کی طرح ٹھونگیں مارنے (مردوں کے لئے سجدے میں) درندوں کی طرح کلائیاں بچھانے اور اونٹ کی طرح جگہ مخصوص کر لینے کی طرح مسجد میں اپنے لئے کوئی خاص کر لینے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب صلاۃ من لایقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ۱/ ۲۲۸، برقم ۸۶۲)

نماز نہیں ہوتی

(۸) حضرت سیّدنا علی بن شیبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے چلے حتیٰ کہ ہم نے آپ کے پاس پہنچ کر آپ سے بیعت کی پھر آپ کی اقتدا میں نماز کے لئے کھڑے ہو گئے (دوران نماز) آپ نے اپنے پیچھے ایک شخص کو گوشہ چشم سے ملاحظہ کیا کہ رکوع اور سجدے میں اپنی پشت سیدھی نہیں کر رہا، جب آپ نے نماز مکمل فرمالی تو ارشاد فرمایا: اے گروہ مسلمین! جو شخص رکوع اور سجود میں اپنی پشت سیدھی نہیں کرتا اس کی کوئی نماز نہیں۔

(۱) سنن ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلاۃ الخ، باب الرکوع فی الصلوٰۃ ۱/ ۲۸۲ برقم ۸۷۱)

یعنی جو رکوع اور سجود کے بعد (قومہ اور جلسہ میں) اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کرتا اس کی کوئی نماز نہیں۔ لہٰذا یہ حدیث قومہ اور جلسہ کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

نماز میں پشت سیدھی نہ کرنے والے کی مثال

(۹) حضرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حالت رکوع میں قرأت کرنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا: اے علی! نماز میں پشت سیدھی نہ کرنے والے کی مثال اس حاملہ عورت کی طرح ہے کہ جب بچے کی پیدائش کا وقت قریب آئے تو حمل گرا دے، اب نہ تو وہ حاملہ رہے اور نہ ہی بچے والی۔

(مسند ابی یعلیٰ، مسند علی بن ابی طالب ۱/ ۲۶۷، برقم ۳۱۵)

اللہ نظر کرم نہیں فرماتا

(۱۰) حضرت سیّدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے کی نماز کی طرف نظر نہیں فرماتا جس میں وہ رکوع اور سجود کے درمیان (قومہ اور جلسہ میں) اپنی پشت سیدھی نہیں کرتا۔

(المعجم الکبیر، باب الطاء، ۸/۳۳۸، برقم ۸۲۶۱)

قومہ وجلسہ کا واجب ہونا

(۱۱) حضرت سیّدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر تحریمہ سے اور قرأت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے شروع فرماتے اور جب رکوع کرتے تو سر مبارک نہ اونچا رکھتے اور نہ نیچے جھکاتے بلکہ متوسط رکھتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس وقت تک سجدہ نہ کرتے جب تک سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے اور جب ایک سجدے سے سر اٹھاتے تو اس وقت تک دوسرا سجدہ نہ کرتے جب تک سیدھے نہ بیٹھ جاتے۔ (صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب ما یجمع صفۃ الصلوٰۃ الخ، ۱/۳۵۷، برقم ۴۹۸)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے لہٰذا قومہ اور جلسہ افعال واجبہ سے ہیں۔

ساٹھ سال کی نمازیں ضائع

(۱۲) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: آدمی ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہتا ہے مگر اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی، شاید وہ رکوع تو پورا ادا کرتا ہو لیکن سجدہ پورا نہ کرتا ہو یا پھر سجدہ پورا ادا کرتا ہو مگر رکوع پورا نہ کرتا ہو۔

(الترغیب والترہیب، ۱/۱۹۹، برقم ۷۵۳)

اللہ کامل نماز قبول کرتا ہے

(۱۳) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا، آپ نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا: اگر تم میں سے کسی کا یہ ستون ہوتا تو اس کے عیب دار ہونے کو ضرور ناپسند کرتا پھر تم میں سے کوئی جان بوجھ کر کیسے اپنی نماز ناقص پڑھتا ہے؟ حالانکہ وہ تو اللہ عزوجل کے لئے ہوتی ہے،

نماز پوری کیا کرو کیونکہ اللہ عزوجل مکمل نماز ہی قبول فرماتا ہے۔

(المعجم الاوسط، ۶/ ۲۴۱، برقم ۶۲۹۶)

نماز منہ پر ماردی جاتی ہے

(۱۴) حضرت سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ہر نمازی کے دائیں اور بائیں ایک ایک فرشتہ ہوتا ہے تو اگر وہ نماز پورے طور پر ادا کرتا ہے تو وہ دونوں فرشتے اس کی نماز اوپر لے جاتے ہیں اور اگر وہ اس کو ٹھیک طریقے سے ادا نہیں کرتا تو وہ اس کی نماز اس کے منہ پر ماردیتے ہیں۔ (الترغیب والترہیب، ۱/ ۲۰۰، برقم ۷۶۰)

کیسے نماز پڑھتے ہو؟

(۱۵) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی، جب آپ نے سلام پھیرا تو آخری صف میں موجود ایک شخص کو آواز دی اور ارشاد فرمایا: اے فلاں! کیا اللہ سے نہیں ڈرتے! کیا دیکھتے نہیں! کیسے نماز پڑھتے ہو؟ بے شک تم میں سے کوئی جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ صرف اپنے رب تعالیٰ سے مناجات کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اسے غور کرلینا چاہئے کہ وہ اس سے کس طرح مناجات کرتا ہے؟

(صحیح ابن خزیمۃ، کتاب الصلوٰۃ باب الامر بالخشوع فی الصلوٰۃ ۱/ ۲۴۱ برقم ۴۷۴)

پہلا سوال نماز

(۱۶) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ بروز قیامت بندے سے جس عمل کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہوگی تو اگر اس کی نماز درست ہوئی تو وہ فلاح اور کامیابی پا جائے گا اور اگر اس میں خرابی ہوئی تو وہ ناکام و نامراد ہو جائے گا۔

(سنن الترمذی، ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء ان اول مایحاسب بہ العبد الخ۔ ۲/ ۲۶۹، برقم ۴۱۳)

یہ احادیث اگرچہ ظنی ہیں لیکن اپنے مجموعے کے اعتبار سے قطعیت کے قریب ہیں

اوران سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ میں تعدیل ارکان فرض ہے اور یہی جمہور علماء مثلاً امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام ابو یوسف کا مذہب ہے اور ہمارے آئمہ کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ واجب ہے اور یہی محققین کا مختار ہے اور ایک جماعت کا مذہب ہے کہ یہ سنت موکدہ اور قریب بہ واجب ہے، اب میں تمہارے سامنے علماء کے اقوال اور فقہاء کی روایات بیان کروں گا جن پر مجھے اطلاع ہے۔

تعدیل ارکان فرض، یا واجب

شرح مجمع البحرین میں ہے:

وقال ابو یوسف: تعدیل ارکان الصلاة وهو الطمانية فی الرکوع والسجود، وکذا اتمام القیام بینهما، واتمام القعود بین السجدتین فرض، تبطل الصلاة بترکه وبه قال الشافعی ۔(فی حاشیۃ مجمع البحرین، کتاب الصلوٰۃ، باب صفۃ الصلوٰۃ ص۱۲۳)

یعنی امام ابو یوسف فرماتے ہیں: نماز میں تعدیل ارکان یعنی رکوع وسجود اطمینان سے ادا کرنا اور ایسے ہی رکوع وسجود کے درمیان مکمل کھڑا ہونا اور دو سجدوں کے درمیان پورا بیٹھنا فرض ہے، ان کے ترک سے نماز باطل ہو جائے گی اور یہی بات امام شافعی نے بھی فرمائی ہے۔

تاج الشریعہ نے نماز کے واجبات شمار کرتے ہوئے فرمایا:

وتعدیل الارکان خلافا لابی یوسف والشافعی فانه فرض عندهما وهو الاطمئنان فی الرکوع وکذا فی السجود وقدر بمقدار تسبیحة وکذا الاطمینان بین الرکوع والسجود وبین السجدین ۔

(شرح الوقایۃ مع عمدۃ الرعایۃ، کتاب الصلوٰۃ صفۃ الصلاۃ ۱/۷۴، ۷۵)

یعنی اور تعدیل ارکان (بھی واجب ہے) برخلاف امام ابو یوسف اور امام شافعی کے کیونکہ ان دونوں حضرات کے نزدیک یہ فرض ہے اور تعدیل ارکان سے مراد رکوع اور سجود میں اطمینان ہے اور اس کا اندازہ ایک تسبیح (یعنی ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے) کی مقدار ہے، اسی طرح رکوع اور سجود کے درمیان اور دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان بھی تعدیل ارکان سے ہے۔

صدر الشریعہ نے تاج الشریعہ کے قول کی شرح کرتے ہوئے فرمایا:

وقوله: وقدر بمقدار تسبيحة "تقدير ا دناه ، وقد صرح به الزيلعي حيث قال: وادناه مقدار تسبيحة"

یعنی، تاج الشریعہ کا قول: ''اور اس کا اندازہ ایک تسبیح کی مقدار ہے'' یہ کم سے کم مقدار ہے جیسا کہ امام زیلعی نے اس کی صراحت کی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا: اور اس کی ادنیٰ مقدار ایک تسبیح کے بقدر ہے۔

واضح رہے کہ تعدیل ارکان علامہ جرجانی کی نقل کے مطابق سنت اور امام کرخی کی نقل کے مطابق واجب ہے، ایسے ہی ہدایہ میں ہے۔

تاتارخانیہ میں ''صلوٰۃ الاثر'' کے حوالے سے ہے: مسئلہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام محمد کا قول امام ابو یوسف کے قول کی مثل ہے۔

محقق ابن ہمام نے فرمایا:

سئل محمد عن ترك الاعتدال فى الركوع والسجود فقال: انى اخاف ان لا تحاور صلاته .

(فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ، باب صفۃ الصلوٰۃ ۱/۳۰۱)

یعنی، امام محمد سے رکوع اور سجود میں اعتدال ترک کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: میں ایسے شخص کی نماز درست نہ ہونے کا خوف کرتا ہوں۔

ایسا ہی خلاصہ میں ہے اور ایسا ہی امام ابو یوسف سے مروی ہے، صاحب شرح منیہ

نے اسے شرح منیہ میں ذکر کیا ہے۔

ظہیریہ میں ہے: قاضی امام صدر الاسلام ابوالیسر نے فرمایا:

ان من ترك الاعتدال فى الركوع السجود يلزمه الاعادة و اذا اعاد يكون الفرض الثانى اى لكماله دون الاول اى لنقصانه

بلاشبہ جو رکوع اور سجود میں اعتدال ترک کرے ایسے شخص پر نماز دوبارہ لوٹانا لازم ہے اور جب وہ اعادہ کرے گا تو فرض دوسری نماز ہوگی کیونکہ وہ کامل طور پر ادا ہوئی، پہلی نماز فرض نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ ناقص ادا ہوئی۔

شیخ شمس الائمہ امام سرخسی نے ذکر کیا:

انه يلزمه الاعادة۔ (فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ، باب صفۃ الصلوٰۃ، ۱/۳۰۱)

یعنی، اس پر نماز دوبارہ لوٹانا لازم ہے۔

شمس الائمہ سرخسی اس بات کے درپے نہیں ہوئے کہ فرض دوسری نماز ہے یا پہلی اور اس کی وجہ وہ قول ہے جو قابل اعتماد اور بعض سلف سے منقول ہے یعنی یہ معاملہ اللہ سبحانہ کے سپرد ہے۔

علامہ حلبی کی ''شرح منیہ'' میں علامہ سرخسی سے منقول ہے:

من ترك الاعتدال يلزمه الاعتدال اى يلزمه ان يعيد الصلاة بالاعتدال ومن المشائخ من قال: تلزمه و يكون الفرض هو الثانى يعنى اعادة الصلاة بالاعتدال والمختار هو الاول يعنى الصلاة بغير الاعتدال والثانى جبر للخلل الواقع فيه بترك الواجب و كذا كل صلاة اديت مع كراهة التحريمية يجب اعادتها والفرض هو الاول اى مع كراهتها والثانى جابر قاله ابن الهمام فى شرح الهداية۔ (غنیۃ المستملی فی شرح منیۃ المصلی صفحہ ۲۵۷)

یعنی، جو اعتدال ترک کرے اس پر اعتدال لازم ہے یعنی اس پر نماز اعتدال کے ساتھ لوٹانا لازم ہے اور بعض مشائخ نے کہا: اس پر نماز کا اعادہ لازم ہے اور فرض دوسری نماز ہوگی جسے اعتدال کے ساتھ دوبارہ ادا کیا گیا لیکن مختار یہ ہے کہ فرض پہلی ہے جو بغیر اعتدال کے ادا کی گئی اور دوسری نماز پہلی میں ترک واجب کے سبب پیدا ہونے والے خلل کو پر کرنے کا باعث ہوگی اور ایسے ہی ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی اس کا اعادہ واجب ہے اور فرض پہلی نماز ہے جو کراہت کے ساتھ ادا کی گئی اور دوسری خلل کو پر کرنے والی ہے، یہ امام ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں فرمایا ہے:

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ولا اشكال فى وجوب الاعادة اذ هو الحكم فى كل صلاة اديت مع كراهة التحريم وتكون جابر اللاول لان الفرض لا يتكرر، و جعله الثاني يقتضى عدم سقوطه بالاول وهو لازم ترك الركن لا الواجب، الا ان يقال: المراد ان ذلك امتنان من الله تعالىٰ اذ يحتسب الكامل وان تاخر عن الفرض لما علم سبحانه انه سيوقع له انتهى .

(فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ ۱/۳۰۱)

یعنی، اعادہ کے واجب ہونے میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا یہی حکم ہے اور یہ دوسری نماز پہلی کے نقصان کو پورا کرنے والی ہوگی اس لئے کہ فرض کا تکرار نہیں ہوتا اور دوسری نماز کو فرض بنانا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ پہلی کے ذریعے فرض ساقط نہ ہو اور اس طرح رکن کا ترک لازم آتا ہے نہ کہ واجب کا مگر یہ کہ اس وقت یہ کہا جائے گا کہ یہ اللہ عزوجل کی طرف سے احسان ہے کیونکہ وہ کامل شمار کرتا ہے اگر وہ فرض سے پیچھے رہ جاتا اگرچہ کاملیت فرض سے موخر ہوگئی کیونکہ اللہ عزوجل جانتا ہے کہ بندہ عنقریب اسے کامل کرلے گا۔ (ان کا کلام ختم ہوا)

پیشواؤں کے کلام میں اعادہ کے لفظ سے ظاہر یہ ہے کہ وہ دوسری نماز میں فرض کی نیت کرے گا نہ کہ نفل کی جیسا کہ بعض علماء نے یہ بات کہی ہے کیونکہ اس وقت اس پر اعادہ صادق نہیں آئے گا اور ایسے ہی اس وقت یہ کہنا بھی متصور نہیں ہوگا کہ فرض پہلی نماز ہے، دوسری نہیں ہے، لہٰذا غور کرو۔

نعم اذا صلى منفرد ثم لحق جماعة فيقتدى منتقلا كما فى متن النقاية۔

(برجندی شرح مختصر الوقایہ، کتاب الصلوۃ، باب فی اراک الجماعۃ من شرع فی فرض، ۱/۱۴۴)

یعنی، ہاں! جب وہ اکیلا نماز پڑھ لے پھر جماعت میں شامل ہونا چاہئے تو نفل کی نیت سے اقتداء کرے جیسا کہ نقایہ کے متن میں ہے۔

علامہ برجندی نے فرمایا:

قوله "متنفلا" احتراز عن احد قولى الشافعى وهو ان الفرض احدهما لا بعينه، انتهى (ایضًا)

یعنی، انہوں نے "متنفلا" کہہ کر امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک سے احتراز کیا ہے اور وہ قول یہ ہے کہ فرض ان دونوں میں سے ایک ہے نہ کہ بعینہٖ دونوں (ان کا کلام ختم ہوا)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارے نزدیک فرض بلا خلاف پہلی نماز ہے اور اختلاف صرف انجام میں ہے اور اسی وجہ سے امام شافعی اس صورت میں بھی اعادہ کی نیت کرتے ہیں اور ہم نفل کی نیت کرتے ہیں کیونکہ دوبارہ نماز پڑھنا مکروہ ہے مگر جبکہ واجب ہو جائے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

پھر جاننا چاہئے کہ مکروہ اوقات میں اعادۂ واجبہ جائز نہیں ہے کیونکہ فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جو شخص فجر اور عصر کی نماز اکیلے پڑھ لے پھر جب وہ امام کو پائے تو جماعت کے ساتھ نہ پڑھے۔

پھر جماعت کی تکرار ہمارے نزدیک امام مالک کے نزدیک اور اصح قول کے مطابق امام شافعی کے نزدیک بھی مکروہ ہے برخلاف امام احمد کے۔

مصنف کے دور کا عجیب فعل

بعض لوگ جو یوں کرتے ہیں کہ صبح کی نماز میں اولاً شافعی امام کی اقتداء کرتے ہیں پھر حنفی امام کے ساتھ اس کا اعادہ کرتے ہیں اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ شافعی کی نماز سب سے پہلے قائم کی جاتی ہے لہٰذا ہم اس کے ساتھ نماز پڑھ لیتے ہیں پھر اس کو لوٹا لیتے ہیں کیونکہ شافعی کے پیچھے نماز کراہت کے ساتھ ادا ہوئی تو یہ عجیب وغریب معاملہ ہے اس لئے کہ فساد کے احتمال کی موجودگی میں اور کراہت کا یقین ہونے کے باوجود نماز شروع کرنا قبیح ہے کیونکہ اس میں عمل کو بطلان یا نقصان پر پیش کرنا ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا لازم ہے جیسا کہ علماء پر مخفی نہیں ہے۔

چھ چیزیں

پھر جاننا چاہئے کہ یہاں چھ چیزیں ہیں:

(۱) رکوع اور سجود، ان دونوں کی رکنیت میں کوئی اختلاف اور شبہ نہیں۔

(۲) ان دونوں میں تعدیل کرنا یعنی اعضاء کو ساکن کر دینا حتیٰ کہ رکوع اور سجود کرنے والا ان میں پرسکون اور مطمئن ہو جائے اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس کی ادنیٰ مقدار ایک تسبیح کے بقدر ہے، یہ جمہور مجتہدین کے نزدیک رکن، محققین کے نزدیک واجب ہے اور بعض متاخرین کے قول کے مطابق سنت مؤکدہ ہے۔

(۳) رکوع اور سجود سے منتقل ہونا، یہ بھی رکن ہے اگرچہ مقصود لغیرہ ہے کیونکہ ان دونوں کے بعد والے ارکان منتقل ہونے کے ذریعے ہی وجود میں آتے ہیں۔

(۴) رکوع اور سجود سے سر اٹھانا، تاتارخانیہ میں ہے: امام ابوحنیفہ سے روایات مختلف

ہیں، بعض میں ہے کہ رکوع اور سجود سے سر اٹھانا فرض ہے، رہا رکوع سے سر اٹھا کر قیام کی طرف لوٹنا اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ کرنا تو یہ فرض نہیں ہیں اور یہی امام محمد کا قول ہے۔

پھر فقہاء نے سجدہ سے اٹھنے کی مقدار میں کلام کیا ہے، اگر تو وہ اتنا اٹھا کہ سجدہ کے زیادہ قریب تھا تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ نا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں وہ سجدہ کرنے والا شمار ہوگا، اگر بیٹھنے کے زیادہ قریب تھا تو جائز ہے کیونکہ اب وہ بیٹھنے والا شمار ہوگا لہٰذا سجدہ ثانیہ محقق ہو جائے گا، ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔

رکوع سے سجدے کی طرف منتقل ہونا تو بالکل نہ اٹھے بغیر بھی ممکن ہے لہٰذا اس سے سر اٹھانے کو رکن نہیں قرار دیا جائے گا۔

''الحاوی'' میں ہے: جب نمازی رکوع کرے پھر اپنا سر اٹھائے بغیر بھول کر سجدے میں چلا جائے تو ہمارے متعدد اصحاب سے منقول ہے کہ اس پر سجدۂ سہو واجب ہے۔

(۵) قومہ اور جلسہ

(۶) ان دونوں میں اطمینان

علامہ زیلعی نے فرمایا: پھر جلسہ اور اس میں اطمینان، قومہ اور اس میں طمانیت امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک سنت ہے۔

(تبیین الحقائق، کتاب الصلوٰۃ، فصل الشروع فی الصلوٰۃ وبیان احوالھا، ۱/ ۱۱۸)

''قنیہ'' میں ہے:

وقد شدد القاضی الصدر فی شرح فی تعدیل الارکان جمیعها تشدیدا بلیغا فقال: واکمال کل رکن واجب عند ابی حنیفة و محمد وعند ابی یوسف والشافعی فریضة، فیمکث فی الرکوع والسجود وفی القومة بینهما حتی یطمئن کل عضو منه، هذا هو الواجب عند ابی حنیفة و

محمد حتی لو ترکها او شیئا منها ساهیا یلزمه السهو ولو عمدا یکره اشد الکراهة، ویلزمه ان یعید الصلاة ۔

(القنية المنية لتميم الغنية، كتاب الصلوة، باب فيما يتعلق بالقيام والركوع، ص۲۹)

یعنی، قاضی الصدر نے اپنی شرح میں تمام تعدیل ارکان کے متعلق بہت زیادہ سختی برتتے ہوئے ارشاد فرمایا: ہر رکن کامل طریقے سے ادا کرنا امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک واجب ہے اور امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہے، چنانچہ وہ رکوع، سجود اور قومہ میں اتنا ٹھہرے گا کہ اس کا ہر عضو پرسکون ہو جائے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک واجب ہے حتیٰ کہ وہ ان سب کو یا ان میں سے کسی کو بھول کر ترک کردے تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہے اور اگر جان بوجھ کر چھوڑے تو شدید مکروہ ہے اور اس پر نماز لوٹانا لازم ہے۔

''شرح الطحاوی'' میں ہے:

ولو ترك القومة جازت صلاته ولكن تكره اشد الكراهية۔

(ردالمختار، کتاب الصلوۃ واجبات الصلوۃ ۱/۴۶۴)

یعنی، اور اگر وہ قومہ ترک کردے تو اس کی نماز ہو جائے گی لیکن شدید مکروہ ہوگی۔

''ظہیریہ'' میں ہے:

وعند اصحابنا یاثم بترك قومة الركوع ۔

یعنی، ہمارے اصحاب کے نزدیک وہ قومہ ترک کرنے کے سبب گنہگار ہوگا۔

امام ابن ہمام نے صاحب ہدایہ کے اس قول: ''ثم القومة والجلسة سنة عندهما'' کی شرح میں فرمایا:

ای باتفاق للمشائخ بخلاف الطمانينة على ما سمعت من الخلاف وعند ابی یوسف هذه الفرائض للمواظبة الواقعة بیانا وانت علمت حال الطمانينة، وينبغى ان تكون القومة

والجلسة واجتين للمواظبة ولما روى اصحاب السنن الاربعة والدار قطني والبيهقي من حديث ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم لا تجزى صلاة لا يقيم الرجل فيها ظهره في الركوع السجود قال الترمذي: حديث حسن صحيح، ولعله كذلك عندهما، ويدل عليه ايجاب سجود السهو فيه فيما ذكر في فتاوىٰ قاضي خان في فصل ما يوحب السهو، قال: المصلي اذا ركع ولم يرفع راسه من الركوع حتى خر ساجدا ساهيا تجوز صلاته في قول ابي جنفية و محمد رحمهما الله، و عليه سجود السهو، ويحمل قول ابي يوسف رحمه الله انها فرائض على الفرائض العملية وهي الواجبة فيرتفع الخلاف ثم قال: وانت علمت ان مقتضى الدليل في كل من الطمانينة والقومة والجلسة الوجوب ثم قال: اعتقادي انه اذا لم يستو صلبه في الجلسة والقومة فهو اثم لما تقدم۔ (فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ، باب صفۃ الصلوٰۃ، ۱/ ۳۰۸، ۳۰۷)

یعنی، قومہ اور جلسہ کے سنت ہونے پر مشائخ کا اتفاق ہے جبکہ اس کے برعکس اطمینان (کے واجب ہونے) میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک یہ فرض ہیں مواظبت کی وجہ سے جوان کے فرض ہونے کو بیان کر رہی ہے اور تم اطمینان کی کیفیت جان چکے۔ قومہ اور جلسہ مواظبت کی وجہ سے واجب ہونے چاہئیں اور وجوب کی ایک وجہ وہ حدیث بھی ہے جسے اصحاب سنن اربعہ، دارقطنی اور بیہقی نے ابن مسعود سے روایت کیا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ نماز کامل نہیں ہوتی جس کے رکوع اور سجود میں آدمی اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرے''۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک یہ یعنی، قومہ و جلسہ ایسے ہی ہے (یعنی

واجب ہے) اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ قومہ اور جلسہ کے ترک کی صورت میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں **فصل ما یوجب السهو** میں مذکور ہے: ”نماز پڑھنے والا جب رکوع کرے اور اپنا سر رکوع سے نہ اٹھائے یہاں تک کہ بھول سے سجدہ میں چلا جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے قول کے مطابق اس کی نماز درست ہو جائے گی اور اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا“ اور امام ابو یوسف کے قول (انها فرائض) کو فرائض عملیہ پر محمول کیا جائے گا اور وہ واجب ہیں لہٰذا یوں اختلاف اٹھ جائے گا، پھر (امام ابن ہمام نے) فرمایا: اور تم جان چکے ہو کہ اطمینان، قومہ اور جلسہ میں سے ہر ایک دلیل کا تقاضہ وجوب ہے، پھر (امام ابن ہمام نے) فرمایا: میرا اعتقاد یہ ہے کہ جب وہ جلسہ اور قومہ میں اپنی پشت سیدھی نہ کرے تو گناہ گار ہوگا اس حدیث کی بنا پر کہ جو پیچھے گزری۔

خلاصہ کلام

اس مقام میں خلاصہ کلام اور مقصد کا نچوڑ یہ ہے کہ سابقہ چھ امور کی رکنیت اور فرضیت میں امام احمد کا مذہب اور یوں ہی روایت صحیحہ کے مطابق امام مالک کا مذہب بھی امام شافعی اور امام ابو یوسف کے مذہب کی طرح ہے، رکوع اور سجود کے رکن اور فرض ہونے میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے، اختلاف صرف باقی چار میں ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد سے تین روایات مروی ہیں، ان میں صحیح تر یہ ہے کہ یہ چاروں واجب ہیں اور اس سے کم مرتبے کی روایت یہ ہے کہ یہ سنت ہیں اور سب سے ضعیف روایت یہ ہے کہ ان میں رکنیت کا احتمال ہے۔

اکثر لوگوں کا قومہ وجلسہ چھوڑ دینا

پھر جاننا چاہئے کہ اکثر لوگوں نے اطمینان تو درکنار قومہ اور جلسہ ہی چھوڑ دیا ہے، اب یہ شریعت منسوخہ کی طرح ہو گئے حتیٰ کہ عام لوگ ان کے کرنے والے کو ریاکار اور دکھاوا کرنے والا کہنے لگے، اگر کوئی شخص ایسی سنت ترک کر دے جس میں اختلاف ہے

جیسا کہ ہاتھ باندھنا تو فوراً اسے رافضی اور بدعتی ہونے کا طعنہ دینے لگتے ہیں حالانکہ تعدیل ترک کرنے میں آخرت کی سزا سے پہلے دنیا میں بھی کثیر آفات ہیں۔

تعدیلِ ارکان کا خیال نہ رکھنے کے نقصانات

(۱) فقر پیدا ہوتا ہے کیونکہ نماز کے ارکان تعدیل (یعنی سکون) اور تعظیم کے ساتھ ادا کرنا رزق حلال کو لانے والے قوی ترین اسباب میں سے ہے اور نماز کے ارکان تعدیل کے ساتھ ادا نہ کرنا تنگی رزق کے قوی اسباب میں سے ہے جیسا کہ ''تعلیم المتعلم'' میں مذکور ہے۔

(۲) دیکھنے والے کے دل میں علماء اور فضلاء بالخصوص مشائخ اور ان لوگوں سے بغض پیدا ہوتا ہے جو صالحین میں سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کی عزت اس کے دل سے ختم ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ان کے اقوال وافعال پر بھی اسے اعتماد باقی نہیں رہتا۔

منقول ہے کہ ابو یزید بسطامی قدس سرہ السامی نے ایک شخص کے متعلق سنا کہ وہ اولیاء، علماء اور اصفیاء میں سے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے چنانچہ آپ نے اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس کے پاس جانے کا ارادہ کیا، جب آپ نے دور سے اسے قبلہ کی جانب تھوکتے دیکھا تو جان لیا کہ یہ شخص قربت کے مراتب سے دور ہے، چنانچہ آپ واپس تشریف لے آئے اور ارشاد فرمایا: جب یہ (شریعت کے) اس ادب کی حفاظت نہ کر سکا تو یہ رب کا مقرب بندہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ (الرسالۃ القریشیۃ، باب الفتوۃ،۲/۴۱۶)

(۳) شہادت ساقط ہونے کے سبب وہ اپنی توہین کرتا اور دوسرے کا حق ضائع کرتا ہے کیونکہ جو قومہ اور جلسہ کو یا ان دونوں میں سے کسی میں اطمینان ترک کرنے کا عادی ہو وہ گناہ پر مصر ہوتا ہے لہٰذا اس بناء پر اس کی شہادت ناقابل قبول ہوتی ہے۔

(۴) لوگوں کو گناہ میں ڈالتا ہے کیونکہ ہر وہ شخص جو برائی دیکھے اور اسے اس کو روکنے کی قدرت بھی ہو تو اس پر برائی روکنا لازم ہو جاتا ہے تو (دیکھنے والا) جب اسے

برائی سے نہیں روکتا تو یہ اس کے گناہ میں پڑنے کا سبب بن جاتا ہے۔

(۵) ہر دن رات میں کئی مرتبہ لوگوں کے سامنے گناہ کا اظہار کرتا ہے اور یہ مغفرت سے دوری کا سبب ہے کیونکہ ارکان نماز میں تعدیل ترک کرنا گناہ ہے پھر اس کا اظہار دوسرا گناہ ہے برخلاف پوشیدہ گناہ کے، کیونکہ پوشیدہ گناہ مغفرت کے زیادہ لائق ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ ''بے شک اللہ عزوجل اپنے کسی بندے کے سامنے اس کے گناہ رکھے گا اور ارشاد فرمائے گا: جس طرح میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں پر پردہ رکھا تھا ایسے ہی آج بھی پردہ پوشی کروں گا''۔

(صحیح البخاری، کتاب المظالم والغصب، باب قوله تعالی: الا لعنة اللّٰه علی الظالمین برق ۲۴۴۱،۲/۱۲۸)

اور اسی کی طرف اللہ عزوجل کے اس فرمان میں اشارہ ہے:

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ○

(حم السجدہ:۲۲)

ترجمہ کنز الایمان: ''اور تم اس سے کہاں چھپ کر جاتے کہ تم پر گواہی دیں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں لیکن تم تو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اللہ تمہارے بہت سے کام نہیں جانتا''۔

(۶) اعادہ واجب یا پھر فرض ہو جائے گا جیسا کہ پیچھے اختلاف گزر چکا تو جب وہ نماز نہیں لوٹائے گا تو گناہ متعدد ہو جائیں گے اور مصیبت کی کثرت ہو جائے گی اور اسی کی طرف اللہ عزوجل کے اس فرمان میں اشارہ ہے:

كَلَّا بَلْ سكتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○ (المطففین:۱۴)

ترجمہ کنز الایمان: ''کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے''۔

پھر جاننا چاہئے کہ جو شخص نوافل پڑھے اور ان میں تعدیل ارکان ترک کرے تو وہ گناہگار اور آخرت میں سزا کا حق دار ہوگا اور دنیا میں اس پر ان کی قضا لازم ہوگی، اگر وہ ان کی قضاء نہیں کرے گا تو یہ پہلے گناہ کی طرح ایک دوسرا گناہ ہوگا، اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ تعدیل ارکان سنت موکدہ ہے تو اس صورت میں وہ عتاب کا مستحق ہوگا اور شفاعت اور ثواب سے محرومی ہوگی، اگر وہ نوافل نہ پڑھتا تو اسے ان تمام چیزوں سے بچ جاتا، اس کے لئے ان کو ادا نہ کرنا، ادا کرنے سے بہتر تھا اور ان کو ادا کرنے کی صورت میں اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو سب سے زیادہ ناقص عمل کرنے کے باوجود اس خیال میں ہوتے ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں، چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ○ (الزمر:۴۷)

ترجمہ کنز الایمان: ”اور انہیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں نہ تھی“۔

(اس کے تحت صدر الافاضل فرماتے ہیں: کہ وہ گمان کرتے ہوں گے کہ ان کے پاس نیکیاں ہیں اور جب نامہ اعمال کھلیں گے تو بدیاں ظاہر ہوں گی۔ مترجم)

(تفسیر خزائن العرفان)

(۷) لوگ اس کی پیروی کر کے نقصان اٹھاتے ہیں یہ گمان کر کے کہ اسے حکم مسئلہ معلوم ہے اگر تعدیل ارکان کا ترک ناجائز ہوتا تو اس جیسا شخص کبھی اس پر اصرار نہ کرتا تو وہ خود گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے حالانکہ اسے چاہئے تھا کہ خود بھی کامل ہوتا اور دوسروں کو بھی کامل بناتا۔

حضرت سیّدنا جریر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے اسلام میں برا طریقہ رائج کیا اس پر اس طریقہ کو رائج کرنے اور اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔

(صحیح مسلم، باب الحث علی الصدقۃ برقم:۶۹، (۱۰۱۷) ۲/۷۰۴)

(۸) جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے اور اطمینان اور وقار رحمٰن کی طرف سے ہے، یہاں یہ بات یوں ہے کہ جلد بازی کے سبب اس کا افعال میں امام سے آگے بڑھنا لازم آتا ہے اور یہ بالاجماع حرام ہے بلکہ سلف میں سے حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک اور خلف میں امام زفر کے نزدیک یہ عمل نماز کو باطل کرنے والا ہے لہٰذا نماز کو ضائع ہونے سے بہت زیادہ بچاؤ۔

(۹) جلد بازی کے سبب اذکار مشروعہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے کے دوران ادا ہوں گے اور یہ مکروہ ہے جیسا کہ تاتارخانیہ میں اس کی صراحت ہے بلکہ ''منیہ'' میں ہے کہ اس میں دو کراہتیں ہیں: ایک تو اذکار مشروعہ کو ان کی جگہ سے ہٹانا اور دوسرا انہیں غیر محل میں ادا کرنا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ مثال کے طور پر جب اس نے قومہ یا اس میں اطمینان ترک کیا تو تسمیع (سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ) یا تحمید (رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ) یا دونوں ہی (قومہ سے) جھکنے کی حالت میں ہوں گے بلکہ کبھی (قومہ سے سجدے میں جاتے وقت کی) تکبیر بھی سجدہ میں جانے کے بعد ہوتی ہے حالانکہ سنت یہ ہے کہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رکوع سے سر اٹھاتے وقت کہا جائے اور رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ اس وقت کہا جائے جب وہ اطمینان سے کھڑا ہو جائے اور تکبیر (قومہ سے) جھکتے وقت ہو۔

(۱۰) یہ جلد بازی اذکار میں غلطی کے باعث ہے اور اذکار میں غلطی بغیر کسی اختلاف کے حرام ہے جیسا کہ ''فتاویٰ بزازیہ'' میں اس کی صراحت ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ بغیر ٹھہرے جلدی جلدی پڑھنا حرکت کے ترک کرنے یا سکون پر حرکت پڑھنے کا سبب بن جاتا ہے بلکہ انتہائی جلد بازی کی وجہ سے بعض اوقات حرف کے چھوٹنے کا باعث بن جاتا ہے، اس کی وجہ سے اگر معنی تبدیل ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی ورنہ مکروہ ہوگی اور یہ گمراہ کن فعل ہے۔

روزانہ کی نمازوں میں تین سو پچانوے گناہ

جب تم نے گزشتہ باتوں کو جان لیا تو یہ بات بھی مختصراً جان لو اور اس پر تفصیل کو قیاس کرلو، جب تم دن رات میں فرض نمازوں، واجب اور سنن موکدہ پر اکتفا کرو گے تو تمہاری رکعتوں کی تعداد بتیس ہوگی اور ہر رکعت میں قومہ اور جلسہ بھی ہوگا تو اگر تم نے ان دونوں میں سے ہر ایک میں اطمینان ترک کیا تو یہ چونسٹھ گناہ ہو جائیں گے اور اگر خود ان دونوں کو بھی ترک کر دیا تو اس طرح ایک سو اٹھائیس گناہ ہو جائیں گے اور جب اس کے ساتھ اظہار معصیت کا گناہ بھی شامل کیا جائے تو یوں دو سو چھپن گناہ ہو جائیں گے اور اگر ہر رکعت میں امام سے قبل پہلے سجدے میں جانے اور پہلے سے دوسرے سجدے میں جانے کو منسلک کیا جائے نیز اس معاملے میں اظہار معصیت کو بھی ملا لیا جائے تو یہ مجموعی طور پر تین سو چوراسی گناہ ہو جائیں گے اور اگر اس میں واجبات کا اعادہ نہ کرنے کو ملحق کیا جائے تو یہ مجموعی اعتبار سے تین سو پچانوے گناہ ہو جائیں گے۔

ہر رکعت میں چار مکروہات

جب وہ قومہ ترک کرے گا تو ہر رکعت میں چار مکروہات ہوں گے (۱) تسمیع (سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ) کو اس کے محل سے ہٹانا حالانکہ اس کا محل قومہ کے لئے سر اٹھاتے وقت ہے اور (۲) اسے غیر محل میں یعنی سجدہ کی طرف جاتے ہوئے کہنا (۳) تحمید (رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ) کو اس کے محل سے ہٹانا جبکہ اس کا محل قومہ میں اطمینان سے کھڑے ہو جانے کے وقت ہے اور (۴) اسے غیر محل میں یعنی سجدہ کی طرف جاتے ہوئے کہنا۔

عقل مند پر چار امور لازم

جب وہ نوافل مثلاً تہجد اور چاشت وغیرہ کی نماز میں مشغول ہوگا تو ادھر گناہ اور مکروہات میں مزید اضافہ ہو جائے گا، اگر ہم بر سبیل تنزل مثال کے طور پر قومہ، جلسہ اور

اطمینان کے سنت ہونے کا قول کریں تو وہ تارک سنت ہوگا اور ہر دن رات میں سنت موکدہ پڑھنے کی صورت میں بھی یہی معاملہ ہوگا۔ لہٰذا عقلمند پر لازم ہے کہ علم وعمل میں کمال حاصل کر کے اپنی بقیہ عمر کے احوال درست کرے اور اپنے ایام زندگی کے زیادہ سے زیادہ اوقات فرائض وواجبات، سنن موکدہ اور اپنی نمازوں کی قضا میں صرف کرے تاکہ مرتے وقت گناہوں کا بوجھ اس کے سر پر نہ ہو۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ وَنَسْتَعِیْنُ بِہٖ عَلَی المهالك ۔

یعنی ہم اس سے اللہ عزوجل کی پناہ مانگتے ہیں، اور ہلاک کرنے والی تمام چیزوں کے خلاف اللہ عزوجل سے مدد چاہتے ہیں۔

فصل:

پیروی کے وجوب کی معرفت اہم مسائل اور کامل فضائل میں سے ہے

کتاب اللہ سے پیروی کا وجوب

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (آل عمران:۳۱)

ترجمہ کنزالایمان: ''اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ''۔

احادیث سے پیروی کا وجوب

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امام صرف اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے لہٰذا اس کی مخالفت مت کرو، جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو، جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو، جب وہ سجدہ کرے تو سجدہ کرو۔

(صحیح البخاری، کتاب الاذان باب اقامة الصف من تمام الصلوٰة ۱/۱۴۵، برقم ۷۲۲)

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امام محض اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور اس سے پہلے تکبیر نہ کہا کرو، جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو اور اس سے پہلے رکوع نہ کیا کرو، جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو اور ایک روایت میں وَلَكَ الْحَمْدُ ہے۔ جب وہ سجدہ کرے تو سجدہ کرو اور اس سے

پہلے سجدہ نہ کیا کرو۔

(سنن ابی داود، کتاب الصلوۃ باب الامام یصلی من قعود، ۱/۱۶۴، برقم ۶۰۳)

حضرت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہماری طرف رخ کر کے ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں، تم رکوع، سجود، قیام اور انصراف میں مجھ پر سبقت نہ کیا کرو۔ (صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ باب النھی عن سبق الامام الخ، ۱/۳۲۰، برقم ۴۲۶)

امام نووی فرماتے ہیں: اس حدیث میں ارکان کی ادائیگی میں امام پر جلدی کرنے وغیرہ کی حرمت کا بیان ہے اور انصراف سے مراد نمازی کا سلام پھیرنا ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، کتاب الصلوۃ، باب تحریم سبق الامام ۴/۱۵۰)

حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھاتے ہوئے فرمایا کرتے: امام پر سبقت نہ کرو جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو، جب وہ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو امین کہو، جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو، جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو اللھم رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو۔ ایک روایت میں یہ اضافہ ہے: اور اس سے پہلے نہ اٹھو۔ (صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب النھی عن مبادرۃ الامام الخ۔ ۱/۳۱۰، برقم ۴۱۵)

امام نووی فرماتے ہیں: اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ تکبیر، قیام، قعود، رکوع اور سجود میں مقتدی کا اپنے امام کی پیروی کرنا واجب ہے نیز ان افعال کو امام کے بعد کرنا واجب ہے تا کہ اس کی نماز کامل طریقے پر ادا ہو۔

(شرح النووی علی مسلم، کتاب الصلوۃ باب النھی عن مبادرۃ الامام، ۴/۱۳۲)

حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا اور جھکاتا ہے، اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔

(موطا امام مالک، کتاب الصلوۃ باب ما یفعل من رفع راسہ قبل الامام، ۱/۹۲، برقم ۵۷)

حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی امام سے پہلے رکوع یا سجود سے سر اٹھاتے وقت اس بات کا خوف نہیں کرتا کہ اللہ عزوجل اس کا سر گدھے کی طرح یا اس کی صورت گدھے جیسی بنا دے۔ (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب اثم من رفع راسہ قبل الامام ۱/۱۴۰، برقم ۶۹۱)

شیخ اکمل الدین نے "شرح المشارق" میں فرمایا: یہاں امام پر سبقت کے حرام ہونے کی علت "امام کی مخالفت" ہے پس امام سے پہلے رکوع اور سجود کے لئے جھکنے کو امام سے پہلے سر اٹھانے پر قیاس کیا جائے گا۔

امام نووی فرماتے ہیں: ان احادیث میں امام کی مخالفت کی سخت حرمت کا بیان ہے۔ (شرح النووی علی مسلم، کتاب الصلوۃ باب النہی عن مبادرۃ الامام ۴/۱۵۱)

علامہ کرمانی فرماتے ہیں: یہ سخت وعید ہے کیونکہ چہرے کا بگڑنا ایک ایسی سزا ہے جو دیگر سزاؤں کی طرح نہیں ہے اور یہ مثال اس لئے دی گئی تاکہ اس فعل سے بچا جائے اور بہت زیادہ احتیاط کی جائے۔

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس فعل کے کرنے والے کی نماز کو نماز ہی خیال نہیں کرتے تھے۔

بہر حال اس فعل کے شدید مکروہ اور (حدیث میں) اس کے متعلق سختی آنے کے باوجود اکثر علماء اس کے کرنے والے پر اعادہ کو لازم قرار نہیں دیتے اور فرماتے ہیں: ایسے شخص پر لازم ہے کہ رکوع یا سجدہ کی طرف دوبارہ لوٹ جائے یہاں تک کہ امام سر اٹھا لے۔ (عمدۃ القاری، کتاب الصلوۃ، باب اثم من رفع راسہ قبل الامام ۵/۲۲۴)

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ کیا تم میں سے کوئی اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتے وقت اس بات سے بے خوف ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل اس کا سر کتے کے سر سے تبدیل کر دے۔ (المعجم الاوسط، باب العین، من اسمہ العباس ۴/۲۹۳، برقم ۴۲۳۹)

حضرت سیدنا براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، جب آپ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے تو ہم میں سے کوئی

بھی اپنی پشت اس وقت تک نہیں جھکا تا تھا جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی زمین پر نہ رکھ لیتے۔ (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب السجود علی سبعۃ اعظم ۱/۱۶۲، برقم ۸۱۱)

حضرت سیّدنا عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں فجر کی نماز پڑھی، میں نے آپ کو یہ قرأت کرتے ہوئے سنا:

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝ (التکویر: ۱۵،۱۶)

ترجمہ کنز الایمان: تو قسم ہے ان کی جو الٹے پھریں، سیدھے چلیں تھم رہیں۔

ہم میں سے کوئی شخص اس وقت تک اپنی پشت نہیں جھکا تا تھا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکمل طور پر سجدہ میں نہ چلے جاتے۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ باب متابعۃ الامام والعمل بعدہ ۱/۳۴۶، برقم ۴۷۵)

اقوال فقہاء سے امام کی پیروی کا وجوب

''تاتارخانیہ'' میں ہے:

لو رفع المقتدی راسہ من الرکوع والسجود قبل الامام یحب علیہ ان یعود یعنی یرکع و یسجد۔

(الفتاویٰ التتارخانیہ، کتاب الصلوٰۃ الفصل الثالث فی بیان ما یفعلہ المصلی فی صلوٰۃ بعد الافتتاح ۱/۳۹۴)

یعنی، اگر مقتدی رکوع یا سجدہ میں امام سے پہلے سر اٹھائے تو اس پر واجب ہے کہ لوٹ جائے یعنی رکوع یا سجدہ میں چلا جائے۔

دوسرے مقام پر ہے:

اذا سجد قبل الامام و ادرکہ الامام فیھا جاز عند علمائنا الثلاثۃ ولکن یکرہ للمقتدی ان یفعل ذلک وقال زفر: لا یجوز (ایضًا، ص ۳۹۵)

یعنی، جب مقتدی امام سے پہلے سجدے میں چلا جائے پھر امام اس کو سجدے میں پالے تو یہ ہمارے تینوں علماء کے نزدیک جائز ہے لیکن مقتدی کے لئے ایسا کرنا مکروہ

ہے۔امام زفر نے کہا ہے کہ یہ نا جائز ہے۔

''الکافی''میں ہے:

رکع المقتدی فلحقه امامه صح و کره .

یعنی، مقتدی رکوع میں چلا گیا پھر امام بھی رکوع میں اس سے جا ملا تو یہ درست ہے لیکن مکروہ ہے۔

اور پیچھے تم جان چکے ہو کہ مکروہ نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا:

وتعاد علی وجه غیر مکروه وهذا الحکم فی کل صلاة ادیت مع الکراهة۔(الهداية، کتاب الصلوٰة فصل: ویکره للمصلی، ۱/۶۵)

یعنی، اور نماز غیر مکروہ طریقے پر دوبارہ ادا کی جائے گی اور یہی حکم ہر اس نماز کا ہے جو کراہت کے ساتھ ادا کی گئی۔

علامہ ابن ہمام نے فرمایا:

صرح بلفظ الوجوب الشیخ قوام الدین الکاکی فی شرح المنار، ولفظ لخبر المذکور: اعنی قوله "وتعاد" یفیده ایضا علی ما عرف۔(فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ فصل: یکرہ للمصلی ان یعبث۱/۴۱۶)

یعنی، شیخ قوام الدین کاکی نے شرح المنار میں وجوب کے لفظ کی صراحت کی ہے اور خبر مذکور کا لفظ ''وتعاد'' بھی اس (یعنی اعادہ کے وجوب) کا فائدہ دیتا ہے۔

''الکشف''میں ہے:

اعادة الطواف بالجنابة واجبة کوجوب اعادة الصلاة التی ادیت مع الکراهة علی وجه غیر مکروه .

یعنی، جنابت کے سبب طواف کا اعادہ واجب ہے جیسے کہ کراہت کے ساتھ ادا کی گئی نماز غیر مکروہ طریقے پر دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

ایک ضروری امر یہ ہے کہ حالت رکوع میں امام کی اقتداء کی معرفت حاصل کی جائے، چنانچہ اگر مقتدی نے اس وقت تکبیر تحریمہ کہی جب امام رکوع میں جاچکا تھا پھر مقتدی نے اس کے بعد رکوع کیا اور رکوع میں اس سے جاملا تو اس کی اقتداء درست ہے اور یہ رکعت شمار ہوگی۔

جلد بازی میں نمازیں ضائع کرنا

اگر مقتدی نے تکبیر تحریمہ کہی اور اس کے رکوع میں جانے سے پہلے ہی امام نے سر اٹھالیا تو اقتداء درست ہے مگر رکعت شمار نہیں ہوگی اور یہ بھی اس وقت ہے جب مقتدی نے کھڑے تکبیر کہی، اگر جھکتے ہوئے تکبیر کہی جیسا کہ عوام اور جاہل لوگ جلد بازی میں ایسا کرتے ہیں ایسی صورت میں اس کی نماز منعقد نہیں ہوگی کیونکہ قیام پر قدرت رکھنے والے شخص کے لئے تکبیر تحریمہ کہتے وقت قیام شرط ہے اور ایسے افراد کی نماز کیسے شروع ہوسکتی ہے جو حالت رکوع میں تکبیر تحریمہ کہتے ہیں اور اس وقت تو کبھی بھی نماز شمار نہیں ہوگی، ہاں! اگر اس نے تکبیر تحریمہ کھڑے ہونے کی حالت میں کہی پھر رکوع کی تکبیر رکوع میں جا کر کہی یا اسے ترک کردیا تو اس کی نماز کراہت کے ساتھ درست ہو جائے گی، نقول ان مسائل میں مشہور اور مذہب کی کتب میں مسطور (یعنی لکھی ہوئی) ہیں، ہمارا مقصد صرف غافلین کو تنبیہ کرنا تھا اگرچہ وہ اپنے زعم میں علمائے عاملین اور مشائخ کاملین میں سے ہوں۔

نماز باطل اور زندگی ضائع ہوگئی

ایک ضروری امر یہ ہے کہ آداب سجدہ کی معرفت حاصل کی جائے، چنانچہ سجدے کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ پیشانی رکھتے وقت زمین کی سختی پائی جائے، اگر اس نے زمین اور اس کے درمیان حائل چیز پر سجدہ کیا اور زمین کی سختی نہ پانے کے سبب اطمینان سے سجدہ نہیں کیا تو بالاتفاق اس کی نماز درست نہیں ہوگی اور ایسا اکثر ہوتا

ہے بالخصوص نماز میں جلدی کرنے والے شخص سے، وہ مصلے پر مندیل (یعنی موٹی چادر یا کمبل وغیرہ) رکھتا ہے اور بغیر زور دیئے اس پر سر رکھتا ہے اور یوں وہ حرج عظیم اور زبردست گناہ میں جا پڑتا ہے کیونکہ اس کی نماز باطل اور زندگی ضائع ہوگئی۔

سخت احتیاط کرو

اگر اس نے اپنے عمامہ کے پیچ پر سجدہ کیا یا اپنی آستین یا دامن کے کنارے پر سجدہ کیا تو اگرچہ وہ زمین کی سختی پا بھی لے پھر بھی اس کی نماز مکروہ ہوگی اور اس کا اعادہ واجب ہوگا اور اس کی وجہ پیچھے گزر چکی اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک تو اس کی نماز ہی درست نہیں ہوگی لہٰذا بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنی ناک اور پیشانی زمین پر جما لیتے اور اپنے ہاتھ پہلوؤں سے جدا رکھتے اور اپنی ہتھیلیاں کندھوں کی سیدھ میں رکھتے۔

(سنن الترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی السجود علی الجبهة والانف ۲/۵۹، برقم ۲۷)

ایک ضروری امر یہ بھی ہے کہ امام کی پیروی کی معرفت حاصل کی جائے حتیٰ کہ کلام کے ضمن میں پیچھے گزرنے والی حدیث کے مطابق تو سلام میں بھی اس کی پیروی کرنی چاہئے۔

پھر اس میں اچھی تفصیل اور عمدہ قید ہے جسے امام ابن ہمام نے ذکر کیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

ولا يقوم المسبوق قبل السلام بعد قدر التشهد الى فى مواضع اذا خاف وهو ماسح تمام المدة لو انتظر سلام الامام او خاف المسبوق فى الجمعة والعيدين والفجر او المعذور خروج الوقت او خاف ان يبتدره الحدث او ان تمر الناس

بیـن یـدیـه ' ولـو قام فی غیرها بعد قدر التشهد صح، ویکرہ تـحریما لان المتابعة واجبة بالنص، قال صلی الله علیه وسلم انما جعل الامام لیوتم به فلا تختلفوا علیه" وھٰذہ مخالفة له، الی غیر ذلك من الاحادیث المفیدة للوجوب لو قام قبله قال فـی الـنـوازل: ان قرا بعد فراغ الامام من التشهد ما تجوز به الصلوة جاز والا فلا، هذا فی المسبوق برکعة او رکعتین فان کـان بثـلاث، فان وجد منه قیام بعد تشهد الامام جاز وان لم یـقـرا سیـقرا فی الباقیتین والقراء ة فرض فی رکعتین ولو قام حیث یصح وفرغ قبـل سـلام الامـام و تابعه فی السلام قیل تـفسـد، والـفتـوٰی عـلـی ان لا تـفسدو ان کـان اقتداوہ بعد الـمـفـارقة مـفسـدا لان هذا مفسد بعد الفراغ فهـو کتعمد الحدث فی هذہ الحالة .

(فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ باب الحدث فی الصلوٰۃ ۱/۳۹۰)

''یعنی، مسبوق تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد امام کے سلام سے پہلے کھڑا نہیں ہوسکتا مگر چند جگہوں میں: جب مسبوق نے مسح کیا ہوا ہو کہ اگر وہ امام کے سلام کا انتظار کرے گا تو مسح کی مدت گزر جانے کا خوف ہے یا اسے جمعہ، عیدین اور فجر میں وقت نکلنے کا خوف ہو، یا وہ معذور ہو اور اسے وقت نکلنے کا خوف ہو، یا اسے حدیث کے جلد لاحق ہونے یا اسے لوگوں کے اپنے آگے سے گزرنے کا خوف ہو۔ اگر وہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد ان صورتوں کے علاوہ کھڑا ہوا تو اس کی نماز درست ہو جائے گی لیکن مکروہ تحریمی ہوگی کیونکہ نص کے وارد ہونے کی وجہ سے امام کی پیروی واجب ہے، چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''امام صرف اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ

اس کی پیروی کی جائے لہٰذا اس کی مخالفت مت کرو"۔ اگر وہ امام سے پہلے کھڑا ہوتا ہے تو یہ اس حدیث کے علاوہ ان احادیث کی بھی مخالفت ہوگی جو (امام کی پیروی کے) وجوب کا فائدہ دیتی ہیں۔

"نوازل" میں ہے: اگر وہ امام کے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد اتنی قرأت کرے جس کے ساتھ نماز جائز ہو جاتی ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

یہ بات اس مسبوق کے متعلق ہے جس کی ایک یا دو رکعتیں نکل گئیں ہوں، اگر اس کی تین نکل گئی ہوں تو اگر اس کی طرف سے قیام امام کے تشہد کے بعد پایا جائے تو جائز ہے اگر چہ وہ قرأت نہ کرے کیونکہ وہ عنقریب باقی دو میں قرأت کرے گا اور قرأت دو رکعتوں میں فرض ہے۔ اگر وہ کھڑا ہو جائے جبکہ اس کا کھڑا ہونا درست بھی ہو اور امام کے سلام سے پہلے ہی اپنی بقیہ نماز سے فارغ ہو جائے اور سلام میں اس کی پیروی کرے تو ایک قول کے مطابق اس کی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن فتویٰ اس پر ہے کہ اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اگر چہ مفارقت کے بعد مسبوق کا امام کی اقتداء کرنا مفسد نماز ہے کیونکہ یہ فساد مسبوق کی نماز کے مکمل ہو جانے کے بعد لاحق ہوا ہے پس یہ ایسے ہی ہے جیسے خروج بصنعہ سے قبل مقتدی قصداً وضو توڑ دے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ صرف یہ ہی سلسلہ نہ ہو کہ اپنی عبادات کی اصلاح کر کے اپنا ظاہر اچھا کرتا رہے جبکہ ریاکاری کرتے ہوئے اپنا باطن برار کھے بلکہ اپنی نیت کی درستی اور دل کی آراستگی کے ذریعے اپنے اعمال خالص کرے جیسا کہ ہم نے اسے علیحدہ سے ایک رسالہ میں بیان کر دیا ہے۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۠ (الکہف:۱۱۰)

ترجمہ کنز الایمان: تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ

نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

ایک آیت کی تفسیر

قاضی بیضاوی نے فرمایا: رب کی بندگی میں شرک یہ ہے کہ بندہ عبادت میں ریاکاری کرے، یا اس کے ذریعے اجرت طلب کرے۔ (تفسیر البیضاوی، تحت الآیۃ ۳/۲۹۵)

زمخشری نے کہا: عبادت میں شریک نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے عمل میں ریا نہ کرے بلکہ عمل سے صرف اپنے رب کی رضا چاہے اور اس میں کسی دوسرے کو نہ ملائے۔ (الکشاف، تحت الآیۃ ۲/۷۵۱)

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○ (الماعون: ۴، ۵، ۶)

ترجمہ کنز الایمان: تو ان نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔

کون سی نماز زیادہ اچھی؟

مروی ہے کہ حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اعرابی کو غلط طریقے سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس پر درہ اٹھالیا پھر اسے نماز کی کیفیت سکھائی اور اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے اس سے پوچھا: یہ زیادہ اچھی ہے یا پہلی والی، اس نے کہا: پہلی زیادہ اچھی تھی، کیونکہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے تھی اور یہ درہ کے خوف سے تھی تو آپ مسکرا دیئے اور اس پر متعجب ہوئے۔

(نزہۃ المجالس، باب الاخلاص، ۱/۵)

باطل عمل کا ثواب نہیں ہوتا

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ٥ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥

(ہود:۱۵،۱۶)

ترجمہ کنزالایمان: جو دنیا کی زندگی اور آرائش چاہتا ہو ہم اس میں ان کا پورا پھل دے دیں گے اور اس میں کمی نہ دیں یہ ہیں وہ جن کے لئے آخرت میں کچھ نہیں مگر آگ اور اکارت گیا جو کچھ وہاں کرتے تھے اور نابود ہوئے جو ان کے عمل تھے۔

صاحب ''کشاف'' نے کہا: ان کے لئے کوئی ثواب نہیں ہوگا کیونکہ انہوں نے اس کے ذریعے ثواب آخرت کا ارادہ نہیں کیا بلکہ دنیا کا ارادہ کیا اور جس کا انہوں نے ارادہ کیا وہ انہیں مکمل طور پر مل چکا اور ان کے اعمال برباد ہوگئے کیونکہ ان کے عمل فی نفسہ باطل تھے، انہوں نے وہ اعمال درست نیت سے نہیں کئے اور جو عمل باطل ہو، اس عمل کا کوئی ثواب نہیں ہوتا۔ (الکشاف، تحت الآیۃ ۲/۳۸۴)

حسرت کی آگ

امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا: جاننا چاہئے کہ عقل اس پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جو دنیا میں تعریف کی طلب میں اور ریا کی خاطر اعمال صالحہ کرے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ اس کے دل پر دنیا کی محبت غالب آچکی ہے اور اس کے دل میں آخرت کی محبت نہیں ہے کیونکہ اگر وہ آخرت کی حقیقت جانتا اور جو اس میں سعادتیں ہیں انہیں پہچانتا تو نیکیاں دنیا کے لئے نہ کرتا تو ثابت ہوا کہ دنیا کے سبب نیک اعمال کرنے والا

لازمی طور پر دنیا کی بہت زیادہ چاہت میں مبتلا ہے اور آخرت کی طلب سے خالی ہے ایسا شخص جب مرتا ہے تو دنیا کے تمام منافع اس سے جدا ہو جاتے ہیں اور وہ انہیں پانے سے لاچار و بے بس رہ جاتا ہے اور انہیں حاصل کرنا اس کے لئے ممکن نہیں رہتا اور جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے پھر اس کے اور مطلوب کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل ہو جائے تو لازمی طور پر اس کے دل میں حسرت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو اس عقلی دلیل سے ثابت ہوا کہ بلاشبہ احوال دنیویہ کی طلب میں نیک عمل کرنے والا اس عمل کے لائق دنیوی منفعت پالیتا ہے پھر جب اس کا انتقال ہوتا ہے تو اس عمل کی وجہ سے اسے صرف آگ ہی حاصل ہوتی ہے اور دار آخرت میں اس کا یہ عمل ضائع، باطل اور بے اثر ہو جاتا ہے۔ (امام رازی کا کلام ختم ہوا)۔ (التفسیر الکبیر، تحت الآیۃ، ۱۷/ ۳۲۸)

اس کی وضاحت اللہ عزوجل کے درج ذیل فرامین سے ہوتی ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ○

(الشوریٰ: ۲۰)

ترجمہ کنزالایمان: جو آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کے لئے اس کی کھیتی بڑھائیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہے ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○

(بنی اسرائیل: ۱۸، ۱۹)

ترجمہ کنزالایمان: جو یہ جلدی والی چاہے ہم اسے اس میں جلد دے دیں جو چاہیں جسے چاہیں پھر اس کے لئے جہنم کر دیں کہ اس میں جائے مذمت کیا

ہوا دھکے کھاتا اور جو آخرت چاہے اور اس کی سی کوشش کرے اور ہو ایمان والا تو انہیں کی کوشش ٹھکانے لگی۔

ایک آیت کی تفسیر

قاضی بیضاوی نے فرمایا: وَسَعٰى لَهَا (اور اس کی سی (یعنی اس کے لئے) کوشش کرے) میں لام اس بات کا فائدہ دے رہا ہے کہ (کوشش کرنے میں) نیت اور اخلاص کا اعتبار ہے۔ (تفسیر البیضاوی تحت الآیۃ ۳/۲۵۱)

زمخشری نے کہا: آخرت کے لئے کوشش کا قبول ہونا تین شرائط پر معلق ہے (۱) بندے کی لگن اور ارادہ آخرت ہی ہو اور وہ دھوکہ کے گھر (یعنی دنیا) سے کنارہ کشی اختیار کرے (۲) جن کاموں کو کرنے کا حکم ہے ان کی انجام دہی اور جن سے منع کیا گیا ہے ان سے بچنے کی کوشش کرے (۳) سچا اور پختہ ایمان۔ (الکشاف تحت الآیۃ ۲/۶۵۶)

حضرت سیّدنا ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ جو غیر اللہ کے لئے عمل کرے تو اس کے لئے آخرت میں کوئی ثواب نہیں اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جو اللہ عزوجل کی رضا کے لئے عمل کرے تو اس کا عمل مقبول ہے اور اسی کی کوشش ٹھکانے لگی۔ (تنبیہ الغافلین، باب الاخلاص ۱/۲۴)

ریاکاری کی مذمت میں سولہ احادیث

ریاکاری کی مذمت میں احادیث کثیر اور مشہور ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: میں اچھا بدلہ دینے والا ہوں لہٰذا جو کسی کو میرا شریک ٹھہرائے گا وہ میرے شریک کے لئے ہی ہوگا، اے لوگو! اپنے عمل میں اللہ عزوجل کے لئے اخلاص پیدا کرو کیونکہ اللہ عزوجل ہی اعمال قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لئے کئے جاتے ہیں، یہ مت کہو کہ یہ اللہ عزوجل اور رشتہ داری کی وجہ سے کر رہا ہوں کیونکہ وہ کام پھر رشتہ داری ہی کے لئے ہوگا اور اللہ عزو

جل کے لئے اس میں سے کچھ نہیں ہوگا اور یہ مت کہو کہ یہ عمل اللہ کے لئے ہے اور تمہارے لئے ہے کیونکہ پھر وہ تمہارے لئے ہوگا، اللہ عزوجل کے لئے اس میں سے کچھ نہیں ہوگا۔ (شعب الایمان ۹/ ۱۵۹، برقم ۶۴۱۷)

حضرت سیّدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کی: آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو ثواب اور شہرت دونوں کی طلب میں جہاد کرے، اسے کیا ملے گا؟ ارشاد فرمایا: اس کے لئے کچھ نہیں ہے، اس شخص نے یہی سوال تین مرتبہ دہرایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار یہی جواب دیا، پھر ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل وہی عمل قبول فرماتا ہے جو خالص اس کی رضا کے لئے ہو۔ (سنن النسائی، کتاب الجہاد، باب من غزا یلتمس الاجر والذکر ۶/ ۲۵، برقم ۳۱۴)

حضرت سیّدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے اس عمل کے جس کے ذریعے اللہ عزوجل کی رضا چاہی جائے۔

(مجمع الزوائد کتاب الزہد، باب ماجاء فی الریاء ۱/ ۲۲۲، برقم ۱۷۶۵۹)

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو آخرت کے عمل سے آراستہ ہو مگر اس کا ارادہ آخرت کا نہ ہو تو آسمانوں اور زمین میں اس پر لعنت کی جاتی ہے۔

(المعجم الاوسط، باب العین من اسمہ عبدالرحمٰن ۵/ ۹۶، برقم ۴۷۷۶)

حضرت سیّدنا جارود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آخرت کے عمل کے ذریعے دنیا طلب کرے گا اس کا چہرہ بے نور ہو جائے گا، اس کا ذکر مٹا دیا جائے گا اور اس کا نام اہل نار میں درج کر دیا جائے گا۔

(المعجم الکبیر، باب الجیم، الجارود بن عمرو ۲/ ۲۶۸، برقم ۲۱۲۸)

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشادفرمایا: جب الحزن سے اللہ عزوجل کی پناہ مانگا کرو، صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ جب الحزن کیا ہے؟ ارشادفرمایا: جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم ہر روز چارسومرتبہ پناہ مانگتا ہے، عرض کی گئی: اس میں کون داخل ہوگا؟ ارشادفرمایا: وہ وادی دکھاوے کے لئے عمل کرنے والے قاریوں (یعنی عبادت گزاروں اور علماء) کے لئے تیار کی گئی ہے، اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ قاری وہ ہیں جو (ظالم) حکام سے ملاقات کرتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ افتتاح الکتاب فی الایمان الخ، باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ ۱/۹۴، برقم ۲۵۶)

حضرت سیّدنا محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: مجھے تم پرسب سے زیادہ شرک اصغر کا خوف ہے، صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! شرک اصغر کیا ہے؟ ارشادفرمایا: ریا، اللہ عزوجل کچھ لوگوں کو ان کے اعمال کی جزادیتے وقت ارشادفرمائے گا: جاؤ ان لوگوں کے پاس جن کے لئے دنیا میں تم دکھاوا کرتے تھے اور دیکھو کہ کیا تم ان کے پاس کوئی جزا پاتے ہو؟ (مسند امام احمد بن حنبل، احادیث رجال من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث محمود بن لبید ۳۹/۳۹، برقم ۲۳۶۳)

حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: میں شریک کرنے والوں کے شرک سے بے پرواہ ہوں، جس نے میرے لئے عمل کیا اور اس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا تو میں اس سے بری ہوں اور وہ عمل شریک کے لئے ہے۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الریاوالسمعۃ ۲/۱۴۰۵، برقم ۴۲۰۲)

حضرت سیّدنا قاسم بن مخیمرہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ عزوجل اس عمل کو قبول نہیں فرماتا ہے جس میں رائی کے دانے کے برابر بھی ریا ہو۔ (الترغیب والترہیب ۱/۳۶، برقم ۵۴)

حضرت سیّدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: عمل کو بچانا عمل کرنے سے زیادہ سخت ہے، آدمی پوشیدہ طور پر کوئی عمل کرتا ہے

تو اس کے لئے عمل صالح لکھ دیا جاتا ہے اور اس کا اجر ستر گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ جاتا ہے حتیٰ کہ وہ شخص لوگوں سے اس کا ذکر کر دیتا ہے اور اس عمل کو ظاہر کر دیتا ہے، چنانچہ اس عمل کو علانیہ عمل میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کا تمام اضافی اجر مٹا دیا جاتا ہے، شیطان پھر اس کے پیچھے لگ جاتا ہے حتیٰ کہ وہ دوسری مرتبہ لوگوں سے اس کا ذکر کر دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس عمل کا ذکر کیا جائے اور اس پر اس کی تعریف کی جائے چنانچہ اسے علانیہ سے مٹا کر ریا کاری میں لکھ دیا جاتا ہے تو آدمی کو اللہ عزوجل سے ڈرنا چاہئے اور اپنے دین کی حفاظت کرنی چاہئے، بے شک ریا شرک (اصغر) ہے۔ (شعب الایمان ۹/۱۷۹، برقم ۶۴۵۱)

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ حضرت سیّدنا جندب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: میں اللہ عزوجل کے لئے کوئی عمل کرتا ہوں پھر جب کوئی اس پر مطلع ہوتا ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے ایک روایت میں ہے: آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل وہ عمل قبول نہیں فرماتا جس میں کسی کو شریک کیا جائے اور ایک روایت میں ہے: آپ نے ارشاد فرمایا: تیرے لئے دو اجر ہیں، پوشیدہ کا اجر اور علانیہ کا اجر۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الثناء الحسن ۲/۱۴۱۲، برقم ۴۲۲۶)

یہ اس وقت ہے جبکہ وہ اس لئے خوش ہو کہ لوگ اس کی پیروی کریں گے۔ واللہ اعلم۔

حضرت سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ عزوجل کے علاوہ کسی کے لئے علم سیکھا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ (سنن ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فیمن یطلب بعلمہ الدنیا، ۵/۳۳، برقم ۲۶۵۵)

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے رضائے الٰہی کے لئے حاصل کیا جانے والا علم دنیا کا مال حاصل کرنے کے لئے سیکھا وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب فی طلب العلم لغیر اللہ ۳/۳۲۳، برقم: ۳۶۶۴)

بنوکامل کے ایک شخص ابو علی بیان کرتے ہیں: حضرت سیّدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اس شرک سے بچتے رہنا کیونکہ یہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے تو عبداللہ بن حزن اور قیس بن مضارب کھڑے ہوئے اور کہا کہ خدا کی قسم! یا تو آپ اپنی بات کا ماخذ بیان کریں یا پھر ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے، کیا آپ کی طرف سے ہمیں اس کی اجازت ہے کہ نہیں؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: بلکہ میں اپنی بات کا خود ہی ماخذ بیان کر دیتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اس شرک سے بچتے رہنا کیونکہ یہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے، ایک شخص کو اللہ عزوجل نے توفیق دی، اس نے بارگاہ رسالت میں عرض کی: ہم اس سے کیسے بچیں جبکہ یہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے؟ ارشاد فرمایا: یہ دعا پڑھا کرو۔

اللھم انا نعوذبك ان نشرك بك شيئا نعلمه و نستغفرك لما لا نعلمه۔

(مسند احمد بن حنبل مسند الکوفیین، حدیث ابی موسیٰ الاشعری، ۳۲/۳۸۳ برقم ۱۹۶۰۶)

یعنی: اے اللہ! ہم جان بوجھ کر کسی کو تیرا شریک ٹھہرانے سے تیری پناہ چاہتے ہیں اور لاعلمی میں ایسا کرنے پر تجھ سے مغفرت چاہتے ہیں۔

امام ابویعلیٰ نے اسی کے ہم معنی حدیث حضرت سیّدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے مگر اس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ دعا روزانہ تین مرتبہ پڑھا کرو۔

ریا کے علاج کے طور پر ہم صرف دعا پر اکتفا کر رہے ہیں جو کہ اس ریا سے چھٹکارے کا سبب ہے جو بہت زیادہ پوشیدہ اور اندھیری رات میں کالی چٹان پر چیونٹی کے رینگنے کی طرح ہے۔ اس مقام میں حاصل کلام اور خلاصہ مقصد یہ ہے کہ سب لوگ

ہلاک ہونے والے ہیں سوائے علماء کے اور علماء بھی تمام کے تمام ہلاک ہونے والے ہیں مگر ان کے جو باعمل ہیں اور باعمل علماء بھی ہلاک ہونے والے ہیں سوائے ان کے جو ان میں مخلص ہیں اور مخلص بھی بڑے خطرے میں ہیں۔

اللہ عزوجل ہمیں علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں مخلص لوگوں میں سے بنائے اور ہمیں اپنے منتخب بندوں کے مرتبے تک پہنچائے ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے اور ہمیں ان لوگوں کے ساتھ بلند مقام تک پہنچائے جن پر اس نے فضل کیا یعنی انبیاء، صدیق، شہید اور نیک لوگ اور یہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الصافات: ۱۸۰،۱۸۲)

ترجمہ کنز الایمان: پاکی ہے تمہارے رب کو عزت والے رب کو ان کی باتوں سے اور سلام ہے پیغمبروں پر اور سب خوبیاں اللہ کو جو سارے جہان کا رب ہے۔

وصلى الله تعالى على خير خلقه محمدٍ واله وصحبه اجمعين، برحمتك يا ارحم الراحمين

قرآن کریم کی فضیلت پر چالیس احادیث مبارکہ کا مجموعہ

جَمَعَ الْاَرْبَعِیْنَ
فِیْ
فَضْلِ الْقُرْآنِ الْمُبِیْنِ

للعلامة الملا علی بن سلطان محمد القاری

(متوفی ۱۰۱۴ھ)

مترجم

حضرت علامہ محمد مختار اشرفی مدظلہ

تخریج

حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رب زدنی علما یا کریم

الحمد لله الذی انزل الفرقان و نزل القرآن، و انعم علینا بالایمان، و اتم لنا بالاحسان ۔

والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علی سیّد الخلق، وسند الحق محمد بن عبداللّٰہ من بنی عدنان، وعلی آلہ الکرام واصحابہ الفخام فی کل زمان و مکان

اما بعد! فیقول خادم کتاب اللّٰہ القدیم، و حدیث نبیہ الکریم، المحتاج الی بر ربہ الباری علی بن سلطان محمد القاری

ھٰذہ اربعون حدیثا فی فضائل القرآن، ومن تلاہ علی وجہ الاحسان بقدر الامکان ۔

سب خوبیاں اللہ کو جس نے حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب قرآن کو نازل فرمایا اور ایمان کی توفیق عطا فرما کر ہم پر انعام فرمایا اور ہمارے لئے احسان کو تام فرمایا۔

تام و کامل درود و سلام نازل ہو سیّد الخلق سند الحق حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو بنی عدنان سے ہیں اور آپ کی آل اور اصحاب فخام (یعنی بزرگ) پر ہر زمانے اور ہر مکان میں۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد پس اللہ تعالیٰ کی قدیم کتاب (یعنی قرآن) اور اس کے کریم نبی کی حدیث کا خادم جو اپنے رب کی بر کا محتاج ہے علی بن سلطان محمد القاری کہتا ہے کہ

یہ قرآن کریم کے فضائل کے باب میں چالیس احادیث ہیں اس کے لئے جو انہیں علی وجہ الاحسان بقدر امکان پڑھے۔

الحدیث الاوّل

فعن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "خیر کم من تعلم القرآن و علمہ" رواہ احمد، و اصحاب الکتب السنۃ

وفی روایۃ لابن ماجۃ عن سعد و لفظۃ "خیار کم"

و رواہ ابن ابی داؤد عن ابن مسعود و لفظہ "خیار کم من قرأ القرآن و اقراۃ"

المسند للامام احمد بن حنبل(۱/۶۹) عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایضًا المسند للامام احمد (۱/۱۵۳) عن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب خیر کم من تعلم القرآن و علمہ، برقم: ۵۰۲۷، و برقم: ۵۰۲۸ بلفظ "ان افضلکم......" عن عثمان، ۳/۳۵۳، ایضاً سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ثواب القراۃ القرآن، برقم: ۱۴۵۲، ۲/۱۰۰ عن عثمان، ایضًا جامع و سنن الترمذی، ثواب القرآن، باب ما جاء فی تعلیم القرآن برقم: ۲۹۰۷، ایضاً سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، باب فضل من تعلم القرآن و علمہ، برقم: ۲۱۱ بلفظ افضلکم...... عن عثمان عن عفان، ۱/۱۲۹، و برقم: ۲۹۳ بلفظ خیار کم...... عن مصعب بن سعد عن ابیہ ۔ ایضاً السنن الکبریٰ للسائق کتاب فضائل القرآن، باب فضل من علم القرآن، برقم: ۸۰۳۶، و باب فضل من تعلم القرآن، برقم: ۸۰۳۷، ۸۰۳۸، ۵/۱۹ ایضًا سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، خیار کم من تعلم القرآن و علمہ، برقم: ۳۳۳۷، ۲/۳۲۴، و ربرقم: ۳۳۳۸، ۲/۳۲۴، ۳۲۵، و برقم: ۳۳۳۹، ۲/۳۲۵ عن مصعب بن سعد عن ابیہ، ایضاً مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب فضائل القرآن، باب فیمن تعلم القرآن و علمہ، برقم: ۱ عن عثمان بن عفان، و برقم: ۲ عن علی ۷/۱۷۴، ایضًا تاریخ بغداد، تحت ترجمۃ محمد بن صالح، برقم: ۹۶۱، ۲/۴۳۹، و برقم: ۲۳۹۷ تحت ترجمۃ احمد بن عثمان، ۵/۵۹، برقم: ۲۸۷ تحت ترجمہ احمد بن محمد ۵/۳۳۶

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:

''تم میں سے سب سے بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور اس کو سکھایا''۔

ابن ابی داؤد نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو روایت لی اس میں ''خیارکم من قرا القرآن و اقراہ ہے یعنی ''تم سب سے بہترین وہ شخص ہے جس نے قرآن پڑھا اور قرآن پڑھایا''۔

الحديث الثانی

وعن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ''من قرأ حرفا من کتاب الله فله (به) حسنة، والحسنة بعشر امثالها، لا اقول: ''الم'' حرف ولکن الف حرف، ولام حرف و میم حرف'' رواه الترمذی و قال: حدیث حسن صحیح

(جامع و سنن الترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فیمن قرا حرفا من القرآن ماله من الاجر، برقم: ۲۹۱۰، ۲۲/۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف تلاوت کیا اس کے لئے نیکی (ثواب) ہے اور ایک نیکی اس کی دس مثل ہے میں نہیں کہتا ''الم'' ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

الحديث الثالث

وعن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه، ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: ''ان الله تعالیٰ یرفع بهذا الکتاب اقواما، ویضع به اخرین''

(رواہ مسلم وابن ماجہ)

(صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافر، باب فضل من یقوم بالقرآن و یعلمه، برقم: ۱۸۴۹/۲۶۹ (۸۱۷) ص ۳۶۳)
(سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل من تعلم القرآن و علمه، برقم: ۲۱۸، ۱/۱۳۲، ۱۳۳)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (پر ایمان وعمل رکھنے کی وجہ سے) قوموں کو بلندیاں عطا فرماتا ہے اور (ایمان وعمل نہ کرنے کی وجہ سے) کئی قوموں کو پستیوں میں ڈال دیتا ہے“۔

الحديث الرابع

وعن ابی سعيد الخدری قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: يقول الرب تبارك و تعالىٰ: ”من شغله القرآن عن ذكری و مسالتی اعطيته افضل ما اعطی السائلين، و فضل كلام الله تعالىٰ علی سائر الكلام، كفضل الله تعالىٰ علیٰ خلقه (رواه الترمذی، و قال: حسن غريب)

(جامع و سنن الترمذی، کتاب فضائل القرآن باب (۲۵) برقم: ۲۹۲۶، ۴/۳۰ وفيه ”من شغله القرآن و ذكری عن مسالتی“ ايضًا سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل كلام الله علی سائر الكلام، برقم: ۳۳۵۶، ۲/۳۲۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے جس کو قرآن نے میرے ذکر اور مجھ سے سوال (دعا) سے دور رکھا میں اس کو ان (ذکر و دعا کرنے والوں) سے افضل عطا کروں گا اور میرے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت اس کی مخلوق پر“۔

الحدیث الخامس

وعن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "مثل المومن الذی یقرا القرآن کمثل الاترجة ریحها طیب و طعمها طیب، ومثل المومن الذی لا یقرا القرآن کمثل التمرة لا ریح لها، وطعمها حلو، و مثل المنافق الذی یقرا القرآن کمثل الریحانة ریحها طیب وطعمهامر، ومثل المنافق الذی لا یقرا القرآن کمثل الحنظلة لیس لها ریح و طعمهامر" .

وفی روایة: "مثل الفاجر" بدل "المنافق" رواہ احمد، والبخاری، و مسلم، و ابوداؤد، والترمذی، والنسائی و ابن ماجة

(المسند ۴/۳۹۷،۴۰۳،۴۰۸)

(صحیح البخاری، کتاب فضائل، باب فضل القرآن علی سائر الکلام، برقم: ۵۰۲۰، ۳/۳۵۲، و باب اثم من رایا بقراة القرآن او تاکل به او فخربه، برقم: ۵۰۵۹، ۳/۳۶۰، و کتاب الاطعمة، باب ذکر الطعام، برقم: ۵۴۲۷، ۳/۴۵۷ و کتاب التوحید، باب قراة الفاجر وامنافق، برقم: ۷۵۶۰، ۴/۴۹۳)

(صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب فضیلة حافظ القرآن، برقم: ۲۴۳/۱۸۱ (۷۹۷) ص ۲۵۶)

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب من یومر ان یجالس، برقم: ۴۸۲۹، ۵/۱۰۷، ۱۰۸)

(جامع الترمذی، کتاب الامثال، باب ماجاء مثل المومن القاری) و غیر القاری، برقم: ۲۸۶۰، ۳/۵۲۳)

(سنن النسائی، کتاب الایمان، باب مثل الذی یقرا الخ، برقم: ۵۰۳۸، ۴/۸/۹۰، ۹۱)

(سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل من تعلم القرآن و علمه، برقم:

۲۱۴، ۱/ ۱۳۰ ایضاً سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب مثل المومن الذی یقرا القرآن برقم: ۳۳۶۳، ۲/ ۴۲۸)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو مومن قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے چکوترا (Grapefruit) کہ اس کی خوشبو بھی اچھی اور ذائقہ بھی مزیدار اور قرآن مجید نہ پڑھنے والے مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کھجور کہ اس میں خوشبو تو نہیں لیکن ذائقہ میٹھا ہے اور جو منافق قرآن مجید پڑھتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ریحانہ کہ اس کی خوشبو تو اچھی ہے اور ذائقہ کڑوا اور جو منافق قرآن مجید نہیں پڑھتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے حنظل (اندرائن) کہ اس میں خوشبو بھی نہیں ہے اور ذائقہ کڑوا ہے۔

ایک روایت میں ''منافق'' کی مثال کی جگہ ''فاجر'' کی مثال کا لفظ بھی آیا ہے۔

الحدیث السادس

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المؤمن الذی یقرا القرآن کمثل الاترجۃ ریحھا طیب و طعمھا طیب، و مثل المومن الذی لا یقرا القرآن، کمثل التمر ۃ لا ریح لھا، وطعمھا طیب، ومثل الفاجر الذی یقرا القرآن کمثل الریحانۃ ریحھا طیب و طعمھا مر، و مثل الفاجر الذی لا یقرا القرآن، کمثل الحنظلۃ طعمھامر، ولا ریح لھا، ومثل الجلیس الصالح کمثل صاحب المسك، ان لم یصبك منہ شیء اصابك من ریحہ ومثل الجلیس السوء کمثل صاحب الکیر، ان لم یصبك من سوادہ، اصابك من دخانہ"

(رواہ ابو داؤد)

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب من یومران یجالس، برقم: ۴۸۲۹،

۱۰۷/۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو مومن قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے چکوترا جس کی خوشبو پسندیدہ اور ذائقہ مزیدار اور جو مومن کہ قرآن تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال چھوہارے کی مانند ہے کہ جس میں خوشبو نہیں لیکن ذائقہ میٹھا ہے اور وہ فاجر جو قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ریحانہ کی مانند ہے کہ جس کی خوشبو اچھی ہے لیکن مزہ تلخ ہے اور جو فاجر کہ قرآن تلاوت نہیں کرتا اس کی مثل حنظل (اندرائن) کی ہے کہ مزہ تلخ ہے اور خوشبو نہیں ہے اور ہم نشین صالح کی مثال مشک والے کی سی ہے اگر تمہیں اس سے کچھ نہ ملے تو خوشبو ضرور ملے اور ہمنشین طالح (برے) کی مثال کی بھٹی والے (یعنی لوہار) کی صحبت کی مانند ہے اگر تم کو اس سے کالک (یعنی سیاہی) نہ ملے تو اس کی بھٹی کا دھواں ضرور پہنچے۔

الحديث السابع

وعن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البرة، والذى يقر القرآن و يتتعتع فيه، وهو عليه شاق، فله اجران"

وفى رواية: الذى يقرا القرآن، وهو يشتد عليه له اجران رواه البخارى و مسلم واللفظ له، و ابوداؤد، والترمذى، والنسائى و ابن ماجة .

(وجاء فى رواية البيهقى فى "السنن الصغير" (برقم: ۹۴۶، ۱/۳۲۶) "الذى يقرا القرآن وهو له حافظ" الخ .)

(صحيح مسلم، كتاب الصلوٰة المسافرين وقصرها، باب فضل الماهر بالقرآن والذى يتعتع، برقم: ۱۸۱۳/۲۴۴ (۷۹۸)، ص ۳۵۷)

(صحيح البخارى، كتاب التفسير، باب سورة عبس، برقم:

۳۲۱/۳،۴۹۳۷)

(صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب فضل الماہر بالقرآن والذی یتتعتع، برقم: ۲۴۴/۱۸۱۲ (۷۹۸) ص ۳۵۶، ۳۵۷م)

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ باب ثواب قراۃ القرآن، برقم: ۱۴۵۴، ۱۰۰/۲)

(جامع و سنن الترمذی، کتاب ثواب القرآن، باب ما جاء فی فضل قاری القرآن، برقم: ۱۸/۴،۲۹۰۴)

(السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب فضائل القرآن، باب الماہر بالقرآن، برقم: ۸۰۴۵، و باب المتمتع فی القرآن، برقم: ۸۰۴۶، ۸۰۴۷، ۲۱،۲۰/۵ و کتاب التفسیر، باب "عبس" برقم: ۵۰۶/۶، ۱۱۶۴۶)

(سنن ابن ماجۃ، کتاب الادب، باب ثواب القرآن، برقم: ۲۷۳/۴،۳۷۷۹ ایضًا سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من یقرا القرآن و یشتد علیہ برقم: ۳۳۶۸، ۲۳۹/۲ ایضاً المسند للامام احمد ۴۸/۶، ۹۸، ۹۸، ۱۱۰، ۱۷۰، ۱۹۲، ۲۳۹، ۲۶۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو قرآن مجید میں ماہر ہو وہ ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو معزز و بزرگ ہیں (اور نامہ اعمال یا لوح محفوظ کو لکھتے ہیں) اور وہ شخص جو قرآن تو پڑھتا ہے مگر اس کی زبان غیر ماہر ہونے کی وجہ سے متردد ہوتی ہے (یعنی اٹک اٹک کر پڑھتا ہے) اور وہ پڑھنا اس پر دشوار ہوتا ہے تو اس کے لئے دو اجر ہیں (ایک پڑھنے کا، دوسرا مشقت و محنت کا"۔

اور ایک روایت میں ہے کہ "جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر بھاری ہے اس کے لئے دو اجر ہیں"۔

الحدیث الثامن

وعن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: "قلت: یا رسول اللہ

اوصینی، قال صلی اللہ علیہ وسلم: علیك بتقویٰ اللہ، فانھا راس الامر کلہ، قلت یا رسول اللہ زدنی، قال: علیك بتلاوۃ القرآن، فانہ نور لك فی الارض، و نور لك فی السماء" رواہ ابن حبان، و صححہ فی حدیث طویل و رواہ ابن الضریس و ابو یعلی

(المعجم الکبیر للطبرانی ۲/۱۵۷، برقم: ۱۶۵ ایضاً المسند للامام احمد: ۴/۳۰۵)

عن ابی سعید: "علیك بتقوی اللہ، فانھا جماع کل خیر و علیك بذکر اللہ و تلاوۃ القرآن، فانہ نور لك فی الارض وذکر لك فی السماء و اخزن لسانك الا من خیر، فانك بذلك تغلب الشیطان" .

(مسند ابی یعلی، مسند ابی سعید الخدری، برقم: ۱۰۰۱/۲۷، ص ۲۴۵)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں "میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! مجھے وصیت فرمایئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ سے ڈر یہ ہر معاملہ کی اصل ہے، میں نے دوبارہ عرض کی اور زیادہ (وصیت) فرمایئے، فرمایا: قرآن مجید کی تلاوت کو لازم پکڑ کہ وہ یقیناً تیرے لئے زمین میں بھی نور ہے اور آسمان میں بھی نور ہے"۔

ابوسعید سے مروی ہے کہ فرمایا: "تم پر اللہ کا تقویٰ لازم ہے کہ وہ ہر خیر (بھلائی) کا جامع ہے اور تم پر اللہ کا ذکر لازم ہے اور قرآن کی تلاوت پس بے شک وہ تیرے لئے زمین میں نور ہے اور آسمان میں تیرے تذکرے کا باعث اور روک اپنی زبان کو مگر خیر سے (یعنی تیری زبان سے خیر کے سوا کچھ نہ نکلے) پس بے شک تو اس وجہ سے شیطان پر غالب آجائے گا"۔

الحدیث التاسع

وعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

القرآن شافع مشفع، وما حل مصدق، من جعله امامه قاده الى الجنة ومن جعله خلف ظهره ساقه الى النار" رواه ابن حبان فى "صحيحه" والبيهقى فى "شعبه" عنه والبيهقى عن ابن مسعود .

(قال المنذری: ما حل: ای ساعی، قیل: خصم مجادل)

(المعجم الكبير للطبرانى، ۱۹۸/۱۰، برقم: ۱۰۴۵۰ ایضاً موارد الظمان، كتاب التفسير، باب اتباع القرآن برقم: ۱۷۹۳، ص ۴۴۳ ایضاً الترغيب والترهيب فى قرأة القرآن فى الصلوٰة وغيرها الخ برقم: ۱۱، ۲۰۹/۲)

(الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان، كتاب العلم، ذكر البيان بان القرآن من جعله اماما الخ، برقم: ۱۲۴، ۱۶۷/۱)

(الجامع لشعب الايمان، فصل فى ادمان تلاوة القرآن، برقم: ۱۸۵۵، ۳۸۹/۳، ۳۹۰)

(سباق ابن عدى هذا الحديث فى ترجمة الربيع بن بدر فى "الكامل" (۹۸۸/۳) برواية عن الاعمش، عن ابى وائل، عن ابن مسعود مرفوعاً ثم قال ما نقله عنه المؤلف)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''قرآن مجید شفاعت کرنے والا مشفع (مقبول الشفاعۃ) ہے اور اللہ کی بارگاہ میں اپنے پڑھنے والے کا سچا دفاع کرنے والا ہے جس نے اس کو امام بنایا اس کو جنت میں لے جائے گا اور جس نے اسے پس پشت ڈالا اس کو جہنم میں دھکیل دے گا''۔

الحديث العاشر

وعن ابى امامة الباهلى رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "اقرا وا القران فانه يوم القيامة شفيعا لاصحابه......" الحديث رواه مسلم

(۴۶) صحیح مسلم کتاب صلاة المسافرین باب فضل قراة القرآن و سورة البقرة، برقم: ۲۵۲/۱۸۲۵ (۸۰۴)، ص ۳۵۹ ایضاً المسند للامام احمد ۲۵۱،۲۴۹/۵

حضرت امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے سنا ہے "تم سب قرآن پڑھو کہ بے شک یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا"۔

الحديث الحادی عشر

وعن سهل بن معاذ الجهنی، عنه ابيه رضی الله تعالٰی عنه قال: ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: "من قرا القرآن وعمل بما فيه البس والداه تاجا يوم القيامة، ضوؤه احسن من ضوء الشمس فی بيوت الدنيا لو كانت فيكم فماظنكم بالذی عمل هٰذا؟" رواه ابوداؤد والحاكم و قال: صحيح الاسناد۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی ثواب قراة القرآن برقم: ۱۴۵۳، ۱۰۰/۲، ایضاً المسند للامام احمد: ۴۰/۳)

(المستدرك للحاكم، كتاب فضائل القرآن، ذكر فضائل السور و ای متفرقه، برقم: ۲۱۳۱، ۲۷۸،۲۷۷/۲)

حضرت سہل بن معاذ الجہنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے قرآن پڑھا اور اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل پیرا ہوا تو اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا کہ اس تاج کی چمک (روشنی) سورج کی چمک (روشنی) سے زیادہ ہوگی جو دنیا کے گھروں میں ہوتی ہے، اگر وہ شخص تم میں ہوتا تو اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے (گمان) ہے جس نے اس پر عمل کیا۔

الحدیث الثانی عشر

وعن ابی بریدة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من قرا القرآن و تعلمه و عمل به، البس والداه یوم القیامة تاجا من نور ضوؤه مثل ضوء الشمس ویکس والداه حلتان لا تقوم بهما الدنیا، فیقولان: لم کسینا هذا فیقال: باخذ ولد کما القرآن" رواه الحاکم و قال صحیح علی شرط مسلم .

(المستدرک للحاکم، کتاب فضائل القرآن، ذکر فضائل السور و آی متفرقه، برقم: ۲۱۳۲، ۲۷۸/۲ و وافقه الذهبی)

حضرت ابو بریدہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے قرآن پڑھا اور اسے سیکھا اور اس پر (کما حقہ) عمل پیرا ہوا اس کے والدین کو روز قیامت نور کا ایک تاج پہنایا جائے گا اور انہیں جوڑے پہنائے جائیں گے جو انہوں نے دنیا میں کبھی نہ پہنے ہوں گے، وہ کہیں گے یہ ہمیں کیوں پہنایا گیا ہے؟' تو کہا جائے گا تمہارے بیٹے کو قرآن سکھانے کی وجہ سے''۔

الحدیث الثالث عشر

وعن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "یجی صاحب القرآن یوم القیامة، فیقول القرآن: یا رب حلهٔ فیلبس تاج الکرامة، ویقول: یا رب زده، فیلبس حلة الکرامة، ویقول: یا رب ارض عنه، فیرضی عنه، فیقال: اقراء وارق، و یزداد بکل آیة حسة" رواه الترمذی و حسنه و ابن خزیمه، والحاکم و قال: صحیح الاسناد

(جامع و سنن الترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب (۱۸)، برقم:
۲۹۱۵، ۴۶/۴، وفیه یجی القرآن......)
(المستدرك للحاکم، کتاب فضائل القرآن، اخبار فی فضائل القرآن
جملة برقم: ۲۰۷۳، ۲۵۲/۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن قرآن (پڑھنے اور عمل کرنے) والے آئیں گے تو قرآن اللہ کی بارگاہ میں عرض کرے گا اے رب! اس حلہ (جوڑے) سے مزین فرما پس تاج کرامت پہنایا جائے گا اور کہے گا اے رب! اس پر مزید عنایتیں فرما تو کرامت والا لباس پہنایا جائے گا اور کہے گا اے رب! اس سے راضی ہو جا، پس اللہ اس سے راضی ہو گا پس اسے کہا جائے گا تو پڑھ اور بلند ہوتا جا اور ہر آیت پر حسنات بڑھائی جائیں گی۔

الحدیث الرابع عشر

وعن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ: ''یقال لصاحب القرآن: اقرا وارق و رتل کما کنت ترتل فی الدنیا فان منزلتك عند اخر آیة تقرؤھا'' رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجة و ابن حبان فی صحیحه وقال الترمذی: حدیث حسن صحیح

(جامع و سنن الترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب (۱۸) برقم:
۲۹۱۴، ۲۳/۴)
(سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة باب استحباب الترتیل فی القرأة برقم:
۱۴٦۴، ۱۰۴/۲)
(سنن ابن ماجة، کتاب الادب، باب ثواب القرآن، برقم: ۳۷۸،
۲۷۴/۴ من حدیث ابی سعید الخدری)

(الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان، كتاب الرقائق، باب قرآة القرآن، برقم، ٧٦٣، ٧١/٢، ايضاً السنن الكبرى للنسائي، كتاب فضائل القرآن، باب التنزيل، برقم: ٨٠٥٦، ٢٢/٥ ايضًا المسند: ١٩٢/٢ عن عبدالله بن عمرو و ٤٧١/٢ عن ابی هريرة وعن ابی سعيد ايضًا المستدرك للحاكم، كتاب فضائل القرآن، اخبار فی فضائل القرآن، اخبار فی فضائل القرآن جملة، برقم: ٢٠٨٤، ٢٥٣/٢ و قال الذهبی فی التلخيص: صحيح)

اورعبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن (پڑھنے اور عمل کرنے) والوں سے کہا جائے گا: تو پڑھ اور ترقی کرتا جا اور ترتیل کے ساتھ پڑھ جیسا تو دنیا میں پڑھتا تھا، بے شک تیری منزل اس آخری آیت پر ہے جس کو تو تلاوت کرے گا''۔

الحديث الخامس عشر

وعن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا حسد الا على اثنين: رجل اتاه الله هذا الكتاب، فقام به اناء الليل، وانا النهار و رجل اعطاه الله تعالىٰ مالا، فتصدق به اناء الليل، و اناء النهار ۔ (رواه البخارى و مسلم) ۔

(صحيح البخارى، كتاب فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن، برقم: ٥٠٢٥ و كتاب التوحيد، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم "رجل اتاه الله القرآن......" برقم: ٧٥٢٩، ٤٨٠/٤)

(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب فضل من يقول بالقرآن و يعلمه برقم: ٢٦٦/١٨٤٦ (٨١٥) و ٢٦٨/١٨٤٨ (٨١٥)، ص ٣٦٢، ٣٦٣)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ: ”دو آدمیوں کے سوا اور کسی پر حسد (یعنی رشک) نہیں کرنا چاہئے۔ ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید عطا کیا اور وہ دن رات اس کی تلاوت کرتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہے اور دوسرا وہ آدمی کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا پس وہ دن رات اس کو صدقہ کرتا رہتا ہے“۔

الحديث السادس عشر

وعن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه، ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: ”لاحسد الا فی اثنين: رجل علمه القرآن، فهو يتلوه اٰناء الليل، و اٰناء النهار، فسمعه جارله فقال، يا ليتنی اوتيت مثل ما اوتی فلان، فعملت مثل ما يعمل .

و رجل اتاه الله مالا فهو يهلكه فی الحل فقال رجل: ليتنی اوتيت مثل ما اوتی فلان فعملت مثل ما يعمل (رواه البخاری)

(صحيح البخاری، كتاب فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن، برقم: ٥٠٢٦، ٣/٣٥٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”دو اشخاص کے سوا کسی اور پر حسد (یعنی رشک) نہیں کرنا چاہئے ایک وہ جس نے قرآن سیکھا پس اب وہ دن رات کی ہر گھڑی میں اس کی تلاوت کرتا ہے اور اس کا پڑوسی جب سنتا ہے تو تمنا کرتا ہے کہ اے کاش! مجھے وہ عطا کیا جاتا جو اس شخص کو عطا کیا گیا تو میں اس کی مثل عمل کرتا (یعنی دن رات قرآن پڑھتا ہے اور عمل کرتا ہے)

دوسرا وہ شخص جس کو خدا بزرگ و برتر نے مال عطا کیا اور وہ اسے راہ حق میں خرچ کرتا ہے تو ایک شخص یہ تمنا رکھتا ہے کاش! مجھے وہ عطا کیا جاتا جو اس کو عطا کیا گیا تو میں بھی اسی طرح کرتا جیسے وہ (راہ خدا میں خرچ) کرتا ہے“۔

الحديث السابع عشر

وعن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "ثلاثة لا يهولهم الفزع الاكبر، ولا ينالهم الحساب، هم على كثيب من مسك حتى يفرغ من حساب الخلائق: رجل قرا القرآن ابتغاء وجه الله تعالى، وام به قوما، وهم راضون

وداع يدعو الى الصلاة ابتغاء وجه الله عز و جل، وعبد احسن بينه و بين ربه و فيما بينه و بين مواليه .

رواه الطبراني فى "الاوسط" و"الصغير" لاباس به، وفى "الكبير" نحوه، و زاد فى اوله: قال ابن عمر: لو لم اسمعه من رسول الله الا مرة، و مرة حتى عد سبع مرات لا حدثت به ولفظ "الكبير" على ما فى "الجامع الصغير" ثلاثة على كتبان المسلك يوم القيامة، لايهولهم الفزع و لايفزعون حتى يفرع الناس: رجل تعلم القرآن، فقام به يطلب وجه الله وما عنده و رجل نادى فى كل يوم و ليلة خمس صلوات يطلب وجه الله وما عنده و مملوك لم يمنعه رق الدنيا عن طاعة ربه" .

المعجم الاوسط للطبرانى، من اسمه محمد، برقم: ۶،۹۸۰/۴۲۵

المعجم الصغير للطبرانى، باب الواو، من أسمه الوليد ۲/۱۲۴، ايضاً

مجمع الزوائد كتاب الصلاة، باب فضل الاذان، برقم: ۱۸۴۵، ۲/۶۱

الجامع الصغير، حرف الثاء، برقم: ۳۴۹۹، ۲/۲۲۳، ۲۲۴

المعجم الكبير للطبرانى ۱۲/۳۳۱ برقم: ۱۳۵۸۴

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین آدمیوں کو فزع اکبر کا خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ حساب لئے جائیں گے، وہ مشک کے ڈھیر پر ہوگا یہاں تک کہ مخلوق حساب سے فارغ

ہو جائے گی۔ایک وہ آدمی جس نے محض اللہ کی رضا کے لئے قرآن پڑھا اور قوم کی امامت کی اور قوم والے اس سے راضی تھے (دوسرا) جو نماز کی طرف لوگوں کو صرف اللہ کی رضا کی خاطر بلاتا تھا اور (تیسرا) وہ جس نے احسان کیا (یعنی احسن عبادت کی) جو اس کے اور اس کے رب کے مابین ہے اور وہ (احسان) جو کچھ اس کے اور اس کے آقاؤں کے بیچ ہے"۔

اس کو طبرانی نے "الاوسط" میں اور "الصغیر" میں ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں اور اسی طرح "الکبیر" میں بھی مروی ہے مگر اس کے اول میں یہ بات زائد ہے کہ ابن عمر فرماتے ہیں: اگر میں نے نہ سنی ہوتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مگر اتنی اتنی مرتبہ یہاں تک کہ سات مرتبہ شمار فرمایا تو میں اس کو کبھی روایت نہ کرتا اور "کبیر" کی "جامع صغیر" میں روایت میں یہ الفاظ زائد تھے "تین آدمی قیامت کے روز مشک کے ڈھیر پر ہوں گے ان کو فزع کا خوف نہ ہوگا نہ وہ لوگوں کے حساب سے فارغ ہونے تک خوفزدہ ہوں گے، ایک وہ آدمی جس نے قرآن سیکھا پس اس پر رضا الٰہی کی خاطر قائم رہا اور وہ شخص جو دن رات میں پانچ نمازوں کے لئے رب کی رضا کی خاطر نداء کرتا رہا اور وہ غلام جس کو دنیا کی غلامی نے رب کی اطاعت سے نہ روکا ہو"۔

الحديث الثامن عشر

وعن ابى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: "بعث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعثا، وهم ذو عدد، فاستقرأهم، فاستقرأ كل رجل منهم ـ يعنى ما معه من القرآن فاتى على رجل من احدثهم سناء، فقال: ما معك يا فلان؟ قال: معى كذا و كذا، و سورة البقرة، قال: امعك سورة البقرة؟ قال: نعم، فقال: اذهب، فانت اميرهم، فقال رجل من اشرافهم و الله ما منعى ان اتعلم البقرة الا خشية الا اقوم بها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم تعلموا القرآن، و اقراوه، فان مثل

القرآن لمن تعلمه، فقراه و قام به کمثل جراب محشو مسکا، یفوح ریحه فی کل مکان، ومثل من تعلمه فیرقد وهو فی جوفه کمثل جراب اوکیٔ علی مسك" رواه الترمذی واللفظ له، وقال: حدیث حسن و ابن ماجة مختصرًا و ابن حبان فی صحیحه .

(جامع و سنن الترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل سورة البقرة و آیة الکرسی، برقم: ۲۸۷۶، ۴/۴/۴)

(سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل من تعلم القرآن و علمه، برقم: ۲۱۷، ۱۳۲/۱)

(الترغیب و الترهیب، الترغیب فی قرأة القرآن فی الصلوٰة برقم: ۲۰۲۰/ ۲۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جو ذوعدد یعنی تعداد میں کئی تھے تو آپ نے انہیں قرآن پڑھنے کے لئے فرمایا، ان میں سے جسے جتنا قرآن یاد تھا پڑھنے کا حکم فرمایا تو ایک ایسے شخص کی باری آئی جوان مین عمر میں سب سے چھوٹا تھا تو آپ نے اسے فرمایا تجھے کچھ قرآن یاد ہے، اس نے عرض کی کہ مجھے یہ یہ اور سورہ بقرہ یاد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے سورۂ بقرہ یاد ہے؟ اس نے عرض کی جی ہاں، فرمایا جا تو ان کا امیر ہے، لوگوں کے اشراف میں سے ایک نے عرض کی: بخدا مجھے سورۂ بقرہ یاد کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہوئی مگر یہ خوف کہ میں اسے یاد نہ رکھ پاؤں گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم سب قرآن کا علم حاصل کرو اور اس کی تلاوت کرو کہ بے شک قرآن مجید کی مثال اس شخص کے لئے جس نے اس کا علم حاصل کیا اور اس کو تلاوت کر کے اس پر قائم رہا اس ظرف کی مانند ہے جو مشک سے بھرا ہوا ہے اور اس کی مہک ہر طرف پھیلتی ہے اور مثل اس شخص کی

جس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی مگر سوتا رہا حالانکہ وہ علم اس کے سینے میں ہے اس ظرف (برتن) کی مانند ہے جس کے اندر مشک ہے اور اس کے منہ پر بندش کی گئی ہو۔ (یعنی کسی کو اس کی خوشبو بھی نہیں ملتی)۔

الحديث التاسع عشر

وعن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالٰی عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم: "من قرأ القرآن، فقد استدرج النبوة ین جنبیه غیر انه لا یوحٰی الیه لا ینبغی لصاب القرآن ان یجد مع جد، ولا یجهل مع جهل، وفی جوفه کلام الله تعالٰی"

(رواه الحاکم، وقال: صحیح الاسناد) .

وقال الذهبی فی التلخیص: صحیح . المستدرك للحاکم، کتاب فضائل القرآن، اخبار فی فضائل القرآن جملة برقم: ۲۰۷۲،۲/ ۲۵۲

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے قرآن پڑھا گویا اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان نبوت مندرج کی گئی (نبی علیہ السلام کو عطا کردہ نعمت درج کی گئی) سوائے اس کے کہ اس کو وحی نہیں کی جاتی (یعنی حافظ قرآن کو وحی نہیں آتی مگر وہ شرف والی نعمت جو انبیاء کے ساتھ خاص ہے اس کے پاس حفظ و قرأت قرآن کی وجہ سے ظاہراً موجود ہے اس میں فضیلت کی طرف اشارہ ہے) تو قرآن کے علم حاصل کرنے والے کو یہ بات مناسب نہیں کہ جد (غصہ و شتم) کرنے والوں کے ساتھ غضبناک ہو اور جاہلوں (فاسقوں) کے ساتھ فسق میں شامل ہو حالانکہ اس کے جوف (دل) میں قرآن ہے"۔

الحديث العشرون

وعنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم: "الصيام، والقرآن يشفعان للعبد، يقول الصيام: رب انى منعته الطعام، والشراب بالنهار، فشفعنى فيه، ويقول القرآن: منعته النوم بالليل، فشفعنى فيه فيشفعان" رواه احمد و ابن ابى الدنيا فى كتاب الجوع والطبرانى فى الكبير، والحاكم واللفظ له، وقال: صحيح على شرط مسلم۔

(المسند للامام احمد: ۲/۱۷۴)

(المستدرك للحاكم، كتاب فضائل القرآن، اخبار فى فضائل القرآن جملة، برقم: ۲۰۸۰/۲۵۵)

(وقال الذهبى فى التلخيص: على شرط مسلم)

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''روزہ اور قرآن دونوں بندے کی شفاعت کریں گے، روزہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تیرے اس بندے کو دن میں کھانے پینے سے روکے رکھا تو اس کے لئے میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہے گا میں نے اس بندے کو رات میں نیند سے روکے رکھا پس تو اس کے حق میں میری شفاعت کو قبول فرما وہ دونوں ہی بندے کے لئے اللہ کی بارگاہ میں اس کی بخشش کا اذن طلب کریں گے''۔

الحديث الحادى والعشرون

وعن ابى ذر رضى الله تعالٰى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انكم لا ترجعون الى الله تعالٰى بشىء افضل مما خرج منه ۔ يعنى القرآن ظهر منه" رواه الحاكم وصححه و رواه ابوداؤد فى مراسيله ۔

(المستدرك للحاكم، كتاب فضائل القرآن اخبار فى فضائل القرآن

جملة، برقم: ۲۰۸۳، ۲/۲۵۶)
(وقال الذهبی فی التلخیص: صحیح)
(المراسیل، کتاب الادب، باب البدع (برقم: ۵۳۴) ص ۲۴۹)

''بے شک تم اللہ کا قرب حاصل نہیں کر سکتے کسی شے کے ذریعے مگر وہ جو کہ افضل ہے ہر شے سے اور نازل ہوئی ہے اسی کی طرف سے یعنی قرآن مجید (جو اس سے ظاہر ہوا اپنے نبی علیہ السلام پر'')

الحديث الثاني والعشرون

وعن انس رضی الله تعالٰی عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لله اهلین من الناس، قالوا: من هم یا رسول الله؟ قال: اهل القرآن هم اهل الله و خاصة'' رواه النسائی و ابن ماجة و الحاکم وصححه المنذری۔

(السنن الکبرٰی للنسائی، کتاب فضائل القرآن، باب اهل القرآن، برقم: ۸۰۳۱، ۵/۱۷)

(سنن ابن ماجة، المقدمة، باب فضل من تعلم القرآن و علمه، برقم: ۲۱۵، ۱/۱۳۱، ایضاً سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قراء القرآن، برقم: ۳۳۲۶، ایضاً المسند للامام احمد: ۳/۱۲۷، ۱۲۸، ۲۴۲)

(المستدرك للحاکم، کتاب فضائل القرآن، اخبار فی فضائل القرآن جملة برقم: ۲۰۹، ۲/۲۵۹ وقال الذهبی فی التلخیص: روی من ثلاثة اوجه عن انس هذا اجودها)

(الترغیب والترهیب، کتاب قراة القرآن، الترغیب فی قراة القرآن الخ، برقم: ۲۶، ۲/۲۱۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں میں سے کچھ اللہ والے ہوتے ہیں، عرض کی اے اللہ کے

رسول! وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ قرآن (پڑھنے) والے ہیں اور اس کے خاص بندوں میں سے ہیں"۔

الحدیث الثالث والعشرون

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: "من قرا القرآن لم یرد الی ارزل العمر، وذلك قوله تعالیٰ: (ثم رددناه اسفل سافلین الا الذین امنوا) قال: الا الذین قراو القران رواه الحاکم وقال: صحیح الاسناد

(۹۰) الجامع لشعب الایمان، برقم: ۲۴۵، ۴/۲۳۴، ۲۳۵

(۹۱) المستدرك للحاکم، کتاب فضائل القرآن، اخبار فی فضائل القرآن جملة، برقم: ۲۰۹۰، ۲/۲۵۹، ووافقه الذهبی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا "جس شخص نے قرآن پڑھا وہ عمر کے رذیل ترین حصہ میں نہ لوٹایا جائے گا اور اس کی دلیل وہ اللہ تعالیٰ کے قول: (ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) میں فرمایا کہ (اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد ہے کہ) "سوائے ان کے جنہوں نے قرآن پڑھا" (اللہ تعالیٰ ان کو تازگی سے شرف بخشے گا اور قوۃ وعقل کا کمال عطا فرمائے گا)

الحادیث الرابع والعشرون

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنها قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: اشراف امتی حملة القرآن، واصحاب اللیل" رواه البیهقی فی شعب الایمان وابن ابی الدنیا ۔

(الجامع لشعب الایمان، برقم: ۲۴۴۷، ۴/۲۳۳، ۲۳۴ و برقم: ۲۹۷۷، ۴/۴۵۰)

(العجم الکبیر للطبرانی ۱۲/۹۷ برقم: ۱۲۶۶۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "میری امت کے مکرم ترین لوگ وہ ہیں جن کے سینوں میں قرآن ہے (یعنی حفاظ قرآن و عاملین قرآن ہیں) اور راتوں کو (زندہ) کرنے والے (صلاۃ وذکر وتلاوت واستغفار وآہ زاری کرنے والے اور یہ سعادت شرف عظیم ہے")۔

الحديث الخامس والعشرون

وعن عبدالرحمٰن بن شبل الانصاری رضی الله تعالٰی عنه، ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: "اقراو القرآن، واعملوا به، ولا تجفوا عنه، ولا تغلوا فیه ولا تاکلوا به، ولا تستکثروا به" رواه احمد و ابو یعلٰی و الطبرانی والبیهقی

(المسند للامام احمد، ۵/۴۴۹)

(مسند ابی یعلی، برقم: ۱۵۱۸، ص ۳۴۱)

(الجامع لشعب الایمان، التاسع عشر وهو باب فی تعظیم القرآن، فصل فی ترک قرأة فی المساجد والاسواق لیعطی ولیتاکل به، برقم: ۲۳۸۳، ۱۹۴/۴، ۱۹۵، ایضاً السنن الکبرٰی للبیهقی، کتاب الصلوٰة باب وجوب تعلم ما تحری به الصلاة الخ، برقم: ۲۲۷۰، ۲/۲۷، ایضاً السنن الصغیر للبیهقی، کتاب فضائل القرآن، باب الترغیب فی تعلم القرآن الخ، برقم: ۹۵۰، ۱/۳۳۷، ایضاً المصنف لعبد الرزاق، برقم: ۱۹۴۴۴، ۱/۳۸۷)

حضرت عبدالرحمٰن بن شبل انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن مجید کی تلاوت کرو اور اس پر عمل پیرا ہو اور اس کی تلاوت کو پس پشت نہ ڈالو (یعنی، اس کی تلاوت سے دوری اختیار نہ

کرو) اس میں نہ غلو کرو اور نہ ہی اس کے ذریعے دنیا کا رزق لو اور نہ ہی دنیاوی مال میں کثرت کا ذریعہ بناؤ"۔

الحديث السادس والعشرون

وعن عمران بن حصين رضى الله تعالىٰ عنه: "انه مر على قارى يقراء، ثم سال فاسترجع ثم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من قرا القرآن، فليسال الله به فانه سيجيئ اقوام يقراون القرآن يسالون به الناس" رواه الترمذى و قال حديث حسن۔

(جامع و سنن الترمذی، كتاب فضائل القرآن، باب (٢٠) برقم: ٢٩١٧، ٢٥/٤، ايضاً المسند للامام احمد: ٤٣٢/٤، ٤٣٣)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ ایک قاری قرآن کے پاس سے گزرے وہ قرآن کی تلاوت کر رہا تھا پھر اس نے (لوگوں کے سامنے) دست سوال دراز کیا تو آپ نے استرجاع کیا (یعنی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھا) پھر کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے جو قرآن کریم پڑھے اور اسے چاہئے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کیونکہ عنقریب ایسی اقوام آئیں گی جو اس کے ذریعے لوگوں سے سوال کریں گے۔

الحديث السابع والعشرون

وعن ابى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس منا من لم يتغن بالقرآن" (رواه البخارى ورواه احمد و ابوداؤد و ابن حبان و الحاكم عن سعد۔

(صحيح البخارى، كتاب التوحيد، باب (٤٤) برقم: ٧٥٢٧، ٤٨٤/٤

من حديث ابی هريرة رضی الله عنه)
(المسند للامام احمد: ۱/۱۷۲، ۱۷۵، ۱۷۹)
(سنن ابی داؤد، كتاب الصلاة باب استحباب الترتيل فی القراة برقم: ۱۴۷۱، ۲/۱۰۶ من حديث ابی لبابة رفاعة بن عبدالمنذر رضی الله عنه، ايضاً سنن ابن ماجة، كتاب فی اقامة الصلاة، باب حسن الصوت بالقرآن، برقم: ۱۳۳۷، ۲/۱۴۶، ايضاً سنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب التغنی بالقرآن، برقم: ۳۴۸۸، ۲/۳۴۵ من حديث سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه)
(المستدرك للحاكم، كتاب فضائل القرآن، ذكر فضائل السور و آی متفرقه، برقم: ۲۱۳۷، ۲۱۳۸، ۲۰/ ۲۸۰، وقال الذهبی فی التلخيص: صحيح و برقم: ۲۱۳۹، ۲۱۴۰، ۲/۲۸۱ عن سعد رضی الله عنه ۲۱۴۱، ۲۱۴۲، ۲/۲۸۱، ۲۸۲ عن ابن عباس رضی الله عنهما)

قال جمهور العلماء: ای لم يحسن صوته، وقال بعضهم: لم يستغن به عن غيره .

(وقال النووی: قال جمهور العلماء: معنی لم يتغن لم يحسن صوته (التبيان فی حملة القرآن، فصل فی استحباب تحسين الصوت بالقرآن، ص ۸۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن مجید کو خوب خوش الحانی سے نہیں پڑھتا (یعنی بلند آواز سے نہیں پڑھتا کہ خوش الحانی دلوں کو بھاتی ہے)''۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو قرآن کریم کو اچھی آواز سے نہیں پڑھتا اور بعض علماء کرام فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ جو اس کے ذریعے اس کے غیر سے مستغنی نہیں ہوتا۔

الحدیث الثامن والعشرون

وعن بریدة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "من قرا القرآن یتاکل به الناس، جاء یوم القیامة و وجهه عظم لیس علیه لحم" (رواه البیهقی)

(الجامع لشعب الایمان، التاسع عشر وهو باب فی تعظیم القرآن، فصل فی ترک قرأة القرآن فی المساجد والاسواق لیعطی ولیستاکل به برقم: ۳۳۸۴، ۴/۱۹۵، ۱۹۶)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس نے قرآن پڑھا تا کہ اس کے ذریعے لوگوں سے کھائے (یعنی اس کو حکام دنیا تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا) تو وہ شخص قیامت کے روز آئے گا اور اس کا چہرہ ہڈیوں سے پر ہوگا جس پر گوشت نہ ہوگا"۔

الحدیث التاسع والعشرون

وعن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها، انه علیه الصلوٰة والسلام قال: قرأة القرآن فی الصلاة افضل من قراة القرآن فی غیر الصلاة وقراءة القرآن فی غیر الصلاة افضل من التسبیح والتکبیر و التسبیح افضل الصدقة، والصدقة افضل من الصوم، والصوم جنة من النار رواه الدارقطنی فی الافراد، والبیهقی فی شعب الایمان

(الجامع الصغیر، حرف القاف، برقم: ۶۱۱۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن مجید کی تلاوت نماز میں کرنا غیر نماز میں تلاوت کرنے سے افضل ہے اور غیر نماز میں تلاوت کرنا تسبیح و تکبیر سے افضل ہے

اور تسبیح کرنا صدقہ سے افضل ہے اور صدقہ کرنا (نفلی) روزہ سے افضل ہے اور روزہ توڈھال ہے۔

الحديث الثلاثون

وعن اوس بن ابی اوس الثقفی مرفوعًا: قراءة الرجل القرآن فی غير المصحف الف درجة، وقراء ته فی المصحف تضاعف علٰى ذٰلك الى الفی درجة" رواه الطبرانی والبيهقی .

(المعجم الكبير للطبرانی ۱/۲۱۱، برقم: ۶۰۱)

(الجامع لشعب الايمان، فصل فی قراة القرآن من المصحف، برقم: ۲۰۲۶، ۳/۵۰۷)

حضرت اوس بن اوس الثقفی سے مرفوعاً روایت ہے "ایک آدمی کا بغیر مصحف میں نظر کئے قرآن پڑھنا ہزار درجہ اجر کا باعث ہے اور جبکہ مصحف میں دیکھ کر پڑھنا اس کے اجر کو دوگنا کرتا ہے یہاں تک کہ دو ہزار درجات تک پہنچ جاتا ہے" (نظر کرنے کا ثواب، قرآن مجید کو اٹھانے، چھونے اور اس میں تفکر کر کے معانی کے استنباط کرنے وغیرہ کا ثواب جمع ہو جاتا ہے یا یہ کہ قرآن کریم کو دیکھنا ایک عبادت ہے اور اسے پڑھنا دوسری عبادت ہے)

الحديث الحادی والثلاثون

وعن ابن عمرو رضی الله عنهما مرفوعًا: اقرا القرآن فی كل شهر، اقراه فی عشرين ليلة، اقراه فی عشر، اقراه فی سبع ولا تزد علٰى ذٰلك رواه الشيخان، و ابوداؤد .

(صحيح البخاری، كتاب فضائل القرآن، باب قول المقری "للقاری: حسبك" برقم: ۵۰۵۳ و صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب النهی عن صوم الدهر لمن تضر ربه الخ، برقم: ۲۷۰۲/۱۸۴ (۱۱۵۹)، ص

۱۵۲۱)

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ باب فی کم یقرا القرآن، برقم: ۱۳۸۸،
۷۶/۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے ''(قرآن پڑھنا ہے) تو ایک ماہ میں (پورا) پڑھو (اگر طاقت رکھتے ہو تو) بیس روز میں (یا) دس روز میں (یا) سات روز میں اور اس سے مت بڑھنا'' (۱۱۴) (یعنی اس سے کم ایام میں مت پڑھو)

الحديث الثاني والثلاثون

وعن ابن عمرو رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرأ القرآن مانهاك فاذا لم ينهك فلست تقراه" رواه الديلمی فی "مسند الفردوس".

(الجامع الصغير، حرف الهمزة، برقم: ۱۳۳۳، ۲۸۷/۱)

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (کچھ فقہ کے حامل غیر فقیہ ہوتے ہیں جن کو ان کا علم فائدہ نہیں دیتا اور ان کا جہل نقصان دیتا ہے) تو قرآن پڑھ کر اس کے منع کردہ سے بچ پس جب تو اس کی نہی سے نہ بچا تو (گویا) تو نے قرآن کو نہیں پڑھا۔

الحديث الثالث والثلاثون

وعن بريدة رضى الله تعالٰى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اقراو القران بالحزن فانه نزل بالحزن" رواه ابو يعلٰى و الطبرانی فی الاوسط وابو نعيم فی "الحلية".

(المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمه ابراهيم، برقم: ۲۹۰۲، ۱۶۶/۲،
ايضًا مجمع الزوائد، كتاب التفسير، باب القراة بالحزن،

برقم: ۱۱۶۹۴، ۲۵۳/۷ ایضًا الجامع الصغیر، برقم: ۱۱۶۲)
(تقریب البغیة بترتیب احادیث الحلیة، باب القراة بالحزن، برقم: ۱۱۱۶، ۱/۳۹۸، ۳۹۹ ایضًا فردوس الاخبار، باب الانف، برقم: ۳۱۲، ۱/۶۶)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قرآن مجید کو رقت قلبی (تامل) کے ساتھ تلاوت کرو کہ یہ (کفار کی طغیانی پر) غمگین خبریں لے کر نازل کیا گیا ہے''۔

الحديث الرابع والثلاثون

وعن جندب رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ''اقراو القرآن ما ائتلفت علیه قلوبکم فاذا اختلفتم فیه فقوموا'' (رواه احمد والشیخان و النسائی۔

(المسند للامام احمد: ۴/۳۱۵)
(صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب اقرو القرآن ما ائتلفت علیه قلوبکم، برقم: ۵۰۶۰، ۳/۳۶۰، وصحیح مسلم، کتاب العلم، باب النهی عن اتباع منشابه القرآن الخ، برقم: ۲۶۸۷، ۳/ ۲۶۸۷، ۴/ ۳۶۶۷)، ص ۱۲۸۰، ایضاً فردوس الاخبار، باب الانف، برقم: ۳۱۴، ۱/۶۶)
(السنن الکبریٰ للنسائی، فضائل القرآن، باب ذکر الاختلاف، برقم: ۸۰۹۷، ۵/۲۳)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید پڑھو جب تک تمہاری دل جمعی باقی رہے، پس جب تمہارے دل مختلف فیہ ہو جائیں (حالانکہ زبان پڑھتی ہو) تو کھڑے ہو جاؤ (یعنی پڑھنا ترک کردو جب تک دوبارہ دلجمعی قائم نہ ہو جائے''۔

الحديث الخامس والثلاثون

وعن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم: "اقراوا القران فانّ الله تعالیٰ لا یعذب قلبا وعی القرآن" رواه تمام.

(ای ابو القاسم تمام بن محمد بن عبدالله بن جعفر بن عبدالله بن الجنید (و ۳۰۰ھ، ت ۴۱۴ھ) فی "فوائده" ۷۶/۴)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ "قرآن پڑھو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اس دل پر عذاب نہیں فرمائے گا جس نے قرآن یاد کیا" (اس میں تدبر کیا اور عمل کیا)

الحديث السادس والثلاثون

وعن انس رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: القرآن غنی لافقر بعده، ولا غنی دونه" (رواه ابو یعلیٰ)

(مسند ابو یعلیٰ، مسند انس بن مالك، برقم: ۱۸/۱۷۷۴، ص ۵۶۹، ایضاً الجامع الصغیر، حرف القاف رقم: ۳،۶۱۸۳/۲۶۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قرآن مجید (غیر کی محتاجی سے) ایسا بے پرواہ کرنے والا ہے کہ اس کے بعد کوئی فقر نہیں اور اس کے دولت مند کرنے والا ہے جس کے سوا کوئی دولت مندی نہیں"۔

الحديث السابع والثلاثون

وعن عمر رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "القرآن الف الف حرف و سبعة و عشرون الف حرف، فمن قراة صابرا محتسبا كان له بكل حرف زوجة من الحور العین" (رواه

الطبرانی فی الاوسط)

(مجمع الزوائد، کتاب التفسیر، باب منه فی فضل القرآن و من قراه برقم:۱۱۶۵۳، ۲۴۴/۷ و قال رواه الطبرانی فی "الاوسط")

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''قرآن مجید میں دس لاکھ حروف اور ستائیس لاکھ حروف ہیں جو اس کی تلاوت صبر و ثواب کی نیت سے کرے اس کے لئے ہر حرف کے بدلے حورعین (بڑی آنکھوں والی حور) ہے''۔

الحديث الثامن و الثلاثون

وعن رجل، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: القرآن هو النور المبین و الذکر الحکیم، والصراط المستقیم رواه البیهقی .

(الجامع الصغیر، حرف الفاف، برقم: ۶۱۸۶، ۱۲۶۲/۳)

(الجامع لشعب الایمان، التاسع عشر وهو باب فی تعظیم القرآن، فصل فی تعلم القرآن، برقم: ۱۷۸۹، ۴۳۶/۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے روایت کی کہ ''قرآن واضح نور ہے اور حکمت والا ذکر ہے اور راہ مستقیم ہے''۔

الحديث التاسع والثلاثون

وعن علی رضی الله تعالٰی عنه، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "القرآن هو الدواء" رواه القضاعی .

(الجامع الصغیر، باب القاف، برقم:۶۱۸۷، ۱۲۶۲/۳ وقال رواه السنجری فی الابانة والقضاعی عن علی)

(مسند الشهاب للقضاعی، برقم:۲۸، ۵۱/۱ بلفظه و رواه ابن ماجة فی "سننه" فی کتاب الطب، باب (۲۸) الاستشفاء بالقرآن، برقم: ۳۵۰۱، ۱۳۰/۴ وهاب (۴۱) الاستشفاء بالقرآن،

برقم: ۴۵۳۳، ۴/۱۳۰ عن علی رضی الله عنه بلفظ "خیر الدواء القرآن")

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''قرآن مجید دوا ہے'' (ہر قسم کے امراض قلبیہ کے لئے شفا ہے اس میں اور اعتقادات فاسدہ اور شکوک قاتلہ وغیرہ کے لئے اسی طرح امراض بدنیہ کے لئے تعویذ و جھاڑ پھونک ہے، اور اس پر قرآن شاہد ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ

الحدیث الاربعون

وعن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "اهل القرآن عرفاء اهل الجنة" رواه الضیاء

(نوادر الاصول، الاصل: ۱۲۱ فی ان الروحانین قراء اهل الجنة الخ، ۱/۱۱۶ عن سهل بن ولد ابی موسٰی الاشعری رضی الله عنه، ایضًا الجامع الصغیر، حرف الهمزة، برقم: ۲۷۶۷، ۲/۵۷۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن (پڑھ کر اس پر عمل کرنے والے) جنت کے عرفاء ہیں'' (یعنی قائد و لیڈر ہیں کہ عریف امام کے ماتحت ہوتا ہے اور اس کا سلطنت میں کچھ عہدہ ضرور ہوتا ہے)

قال المصنّف رحمه الله تعالٰی: "تم احادیث الاربعین، والله حسبی و نعم المعین"

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: چالیس احادیث مکمل ہوئیں اور اللہ تعالٰی مجھے کافی ہے اور اچھا مددگار۔